

ماہنامہ  
حنا

مارچ 2015

دعا گو

WWW.PAKSOCIETY.COM



# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



14	نایاب جیلانی	پر بت کے اُس پار کہیں	7	تویر پھول	نعت
164	سدرۃ المنتہی	اک جہاں اور ہے	7	نامرکالگی	
			8	سید اختر ناز	پیارے نبی کی پیاری باتیں



12	ابن انشاء	لندن کے اردو اخبارات
----	-----------	----------------------



39	روشنائے مہدی القیوم	پچھتاوا			
183	عظمیٰ شاہین رفیق	تمہیں نہ بھول پائیں گے	42	فرحت عمران	بہار رُت آئی
195	قرۃ العین خرم ہاشمی	مجھے کیا خبر تھی	94	قرۃ العین خرم ہاشمی	چاہت کے رنگ
201	سیرا عثمان گل	ایسا بھی ہوتا ہے			
207	ثمینہ رسول	ابھی رسم وقا باقی ہے			
222	عالی ناز	بنتِ حوا	142	فرحت شوکت	تیرا ہی ہو کر رہا



انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کیسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔





242	بقیہ سنی	234	خرم محمود	حاصل مطالعہ
246	تہنیم طاہر	237	سائر محمود	میری ڈائری سے
251	افراح طارق	240	عین عین	حنا کی محفل
		255	نورین شفیق	کس قیامت کے یہ نامے
			حنا کا دسترخوان	

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔  
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ  
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،  
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com





قارئین کرام! مارچ 2015ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر پاکستان کی معاشی شہ رگ ہے۔ بد حالی، بد امنی، بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ نے شہر کا امن تباہ کر رکھا ہے۔ معشیت بد حال ہے۔ لوگ خود کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ انڈسٹری اور کاروبار دوسرے شہروں یا بیرون ملک منتقل ہو رہے ہیں۔ پولیس بے دست و پا بنی ہوئی ہے۔ ان حالات میں گزشتہ اعلیٰ سیاسی و فوجی قیادت کی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں کراچی کے حالات پر غور کیا گیا اور حالات کی بہتری کے لئے کیے جانے والے اقدامات کا فیصلہ کیا گیا۔ بلاشبہ کراچی میں امن کا مطلب پاکستان کی خوشحالی ہے۔ اس کے لئے کسی امتیاز کے بغیر تمام مجرموں کے خلاف لسانی، مذہبی اور فرقہ وارانہ وابستگی سے بالاتر ہو کر خلوص نیت سے کارروائی کرنا ہوگی۔ جرائم سے غیر سیاسی انداز میں نمٹنا ہوگا۔ اس کے لئے کراچی میں پولیس فورس کو غیر سیاسی اور موثر قوت بنانا وقت کی ضرورت ہے۔ اس وقت پولیس بے دست و پا بنی ہوئی ہے کیونکہ وہ سیاست دانوں اور وی آئی پیز کی سیکورٹی پر مامور ہے۔ مجرمانہ عناصر کی سرکوبی کے لئے ایک کمیٹیڈ دباؤ سے آزاد اور پروفیشنل پولیس فورس کی ضرورت ہے۔ شہر میں امن کے قیام کے لئے مقامی پولیس سے بہتر کردار کوئی نہیں ادا کر سکتا۔ اگر حکومت ایسی پولیس فورس کراچی کو فراہم کرے تو کراچی ایک بار پھر امن و امان کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

اس شمارے میں :- فرحت عمران اور قرۃ العین رائے کے مکمل ناول، فرحت شوکت کا ناول، روستا نے عبدالقوم، قرۃ العین خرم ہاشمی، عظمیٰ شاہین رفیق، سمیرا عثمان گل، شمینہ رسول اور عالی ناز کے افسانے، سدرۃ امین اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر  
سردار محمود





پار ہے ہیں رزق سب انسان بھی حیوان بھی  
وہ ہے خالق وہ ہے رازق اور ہے منان بھی

نعمتیں اس نے زمیں کو دی ہیں بے شمار  
اس کے احساں کے مظاہر کھیت بھی کھلیاں بھی

رحمۃ اللعالمین کو اس نے بھیجا ہے یہاں  
اہل عالم پر ہوا ہے اس کا یہ احسان بھی

ہے عطا اس کی ہماری رہنمائی کے لئے  
سیرت شاہ مدینہ بے بدل قرآن بھی

شرک جو کرتے ہیں جانیں یہ گہنہ ظلم عظیم  
مانتا ہے وحدت معبود کو شیطان بھی

بخشتا ہے وہ گناہوں کو وہ کرتا ہے گرفت  
نام اس کا ایک ہے قہار وہ رحمن بھی

پھول کرتا ہے دعا ہر شر سے یہ محفوظ ہو  
خار و خس تخلیق اس کی سبیل و ریحان بھی

تنویر پھول

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپ سے  
ہم نے پائی نئی زندگی آپ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم  
ہم کو ایمان کی دولت ملی آپ سے

کل بھی معمور تھا آپ کے نور سے  
ہے منور جہاں آج بھی آپ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا  
راہ و رسم محبت چلی آپ سے

دل کا غنج چمکتا ہے صلی اللہ  
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپ سے

سب جہانوں کی رحمت کہا آپ کو  
کتنا خوش ہے خدا یا نبی آپ سے

ختم ہے آپ پر شان پیغمبری  
یہ روایت مکمل ہوئی آپ سے

ناصر کاظمی



## اللہ کی محبت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں پس تو بھی اس سے کر، پھر جبرئیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں اور آسمان میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو، پھر آسمان والے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں کے دلوں میں وہ مقبول ہو جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی آدمی سے دشمنی رکھتا ہے جو جبرئیل علیہ السلام کو بلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ میں فلاں کا دشمن ہوں تو بھی اس کا دشمن ہو تو پھر وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں پھر آسمان والوں میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے دشمنی رکھتا ہے، تم تجھی اس کو دشمن رکھو، وہ بھی اس کے دشمن ہو جاتے ہیں، اس کے بعد زمین والوں میں اس کی دشمنی جم جاتی ہے۔“ (یعنی زمین میں بھی اللہ کے جو نیک بندے یا فرشتے ہیں، وہ اس کے دشمن رہتے ہیں۔) (مسلم)۔

## بھائی چارہ

سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”مومن (دوسرے) مومن کے لئے ایسا ہے جیسے عمارت میں ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے (اسی طرح ایک مومن کو لازم ہے کہ دوسرے مومن کا مددگار رہے۔) سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ”مومنوں کی مثال ان کی دوستی، اتحاد اور شفقت میں ایسی ہے جیسے ایک بدن کی، (یعنی سب مومن مل کر ایک قالب کی طرح ہیں) بدن میں سے جب کوئی عضو درد کرتا ہے تو سارا بدن اس (تکلیف) میں شریک ہو جاتا ہے، نیند نہیں آتی اور بخار آ جاتا ہے۔“ (اسی طرح ایک مومن پر آفت آئے خصوصاً وہ آفت جو کافروں کی طرف سے پہنچے تو سب مومنوں کو بے چین ہونا چاہیے اور اس کا علاج کرنا چاہیے۔) (مسلم)۔

## پردہ پوشی کے بیان میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جب کسی بندے پر اللہ تعالیٰ دنیا میں پردہ ڈال دیتا ہے تو آخرت میں بھی پردہ ڈالے گا۔“ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جو کوئی شخص دنیا میں کسی بندے کا عیب چھپائے گا، اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) اس کا



عیب چھپائے گا۔“ (مسلم)

### نرمی کے بارے میں

سیدنا جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔  
”جو شخص نرمی سے محروم ہے، وہ بھلائی سے محروم ہے۔“

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتی ہیں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”جب کسی میں نرمی ہو تو اس کی زینت ہو جاتی ہے اور جب نرمی نکل جائے تو عیب ہو جاتا ہے۔“ (مسلم)

### تکبر کرنے والے کے بارے میں

سیدنا ابوسعید خدری اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”عزت اللہ تعالیٰ کی چادر ہے اور برائی اس کی چادر ہے (یعنی یہ دونوں اس کی صفاتیں ہیں) پھر اللہ عز وجل فرماتا ہے کہ جو کوئی یہ دونوں صفاتیں اختیار کرے گا میں اس کو عذاب دوں گا۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تین آدمیوں سے بات تک نہ کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا، نہ ان کی طرف (رحمت کی نظر سے) دیکھے گا اور ان کو دکھ کا عذاب ہے، ایک تو بوڑھا زنا کرنے والا، دوسرے جھوٹا بادشاہ، تیسرے مغرور محتاج۔“ (مسلم شریف)

### اللہ تعالیٰ پر قسم اٹھانے والے کے متعلق

سیدنا جندب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا۔

”ایک شخص بولا کہ اللہ کی قسم، اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو نہیں بخشے گا۔“

”اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کون ہے جو قسم کھاتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا، میں نے اس کو بخش دیا اور اس کے (جس نے قسم کھائی تھی) سارے اعمال لغو (بیکار) کر دیئے۔“ (مسلم شریف)

### برے شخص کا بیان

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اندر آنے کی اجازت مانگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”اس کو اجازت دو یہ اپنے کنبے میں ایک برا شخص ہے۔“

جب وہ اندر آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے نرمی سے باتیں کیں تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا۔  
”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو اس کو ایسا فرمایا تھا پھر اس سے نرمی سے باتیں کیں۔“

تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”اے عائشہ! برا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت میں وہ ہو گا جس کو لوگ اس کی بدگمانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔“ (مسلم شریف)

### درگزر کرنے کے بیان میں



”مسلمانوں کی راہ سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے۔“

### مومن کی مصیبت کا بیان

اسود کہتے ہیں کہ قریش کے چند جوان لوگ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے اور وہ منیٰ میں تھیں وہ لوگ ہنس رہے تھے۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا۔

”تم کیوں ہنستے ہو؟“

انہوں نے کہا کہ ”فلاں شخص خیمہ کی طناب پر گرا اور اس کی گردن یا آنکھ جاتے جاتے پھٹی۔“  
ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا ”مت ہنسو اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مسلمان کو ایک کاٹا لگے یا اس سے زیادہ کوئی دکھ پہنچے تو اس کے لئے ایک درجہ بڑھے گا اور ایک گناہ اس کا مٹ جائے گا۔“ (مسلم شریف)

### مومن کی تکلیف

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے۔  
”مومن کو جب کوئی تکلیف یا اپذایا بیماری یا رنج ہو یہاں تک کہ فکر جو اس کو ہولی ہے تو اس کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ۔  
”جو کوئی برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ ملے گا۔“ تو مسلمانوں پر بہت سخت گزرا (کہ ہر

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”صدقہ دینے سے کوئی مال نہیں گھٹتا اور جو بندہ معاف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت بڑھاتا ہے اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے عاجزی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔“ (مسلم شریف)

### غصہ کے وقت پناہ مانگنے کا بیان

سیدنا سلیمان بن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گالی گلوچ کی، ایک کی آنکھیں لال ہو گئیں اور گلے کی رگیں پھول گئیں۔  
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”مجھے ایک کلمہ معلوم ہے کہ اگر یہ شخص اس کو کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے، وہ کلمہ یہ ہے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم۔“ (مسلم شریف)

### راستہ صاف کرنے کا بیان

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔  
”ایک شخص نے راہ میں کانٹوں کی ڈالی دیکھی تو کہا کہ اللہ کی قسم میں اس کو مسلمانوں کے آنے جانے کی راہ سے ہٹا دوں گا تا کہ ان کو تکلیف نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کو جنت میں داخل کیا۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ ”یا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھے کوئی ایسی بات بتائیے جس سے میں فائدہ اٹھاؤں۔“  
تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔



گناہ کے بدلے ضرور عذاب ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”میانہ روی اختیار کرو اور ٹھیک راستہ کو ڈھونڈو اور مسلمان کو (پیش آنے والی) ہر ایک مصیبت (اس کے لئے) کناہوں کا کفارہ ہے، یہاں تک کہ ٹھوکر اور کاشا بھی۔“ (لگے تو بہت سے گناہوں کا بدلہ دنیا ہی میں ہو جائے گا اور امید ہے کہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو۔) (مسلم شریف)

### دوسرے مسلمان سے برتاؤ

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ایک دوسرے سے بغض مت رکھو اور ایک دوسرے سے حسد مت رکھو اور ایک دوسرے سے دشمنی مت رکھو اور اللہ کے بندو بھائیوں کی طرح رہو اور کسی مسلمان کو حلال نہیں ہے کہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ تک (بغض کی وجہ سے) بولنا چھوڑ دے۔“ (مسلم شریف)

### سلام میں پہل

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”کسی مسلمان کو یہ بات درست نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین راتوں سے زیادہ تک (بولنا) چھوڑ دے، اس طرح کے وہ دونوں ملیں اور ایک اپنا منہ ادھر اور دوسرا اپنا منہ ادھر پھیر لے اور ان دونوں میں بہتر وہ گا جو سلام میں پہل کرے گا۔“

### کینہ رکھنا اور آپس میں قطع کلامی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں، پھر ہر ایک بندے کی مغفرت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا لیکن وہ شخص جو اپنے بھائی سے کینہ رکھتا ہے، اس کی مغفرت نہیں ہوتی اور حکم ہوتا ہے کہ ان دونوں کو دیکھتے رہو جب تک کہ صلح کر لیں۔“ (جب صلح کر لیں گے تو ان کی مغفرت ہوگی)۔

### بدگمانی سے بچنے کا حکم

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”تم بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی بڑا جھوٹ ہے اور کسی کی باتوں پر کان مت لگاؤ اور جاسوسی نہ کرو اور (دنیا میں) رشک مت کرو (لیکن دین میں درست ہے) اور حسد نہ کرو اور بغض مت رکھو اور دشمنی مت کرو اور اللہ کے بندے اور (آپس میں) بھائی بھائی بن جاؤ۔“ (مسلم شریف)





ولایت والوں کو اپنے ملک کو ولایت بنانے میں جانے کتنی صدیاں لگیں، ہمارے پاکستانی اور ہندوستانی بھائی اسے چند ہی سال میں اپنے ڈھب پر لے آئیں بے نظر ڈالے، آپ کا بانی نہال ہو جائے گا، بہت کچھ جو انگریزی زبان میں مچھے تو شاید گرفت میں آجائے، اردو میں بخوبی چل رہا ہے، ڈاکٹروں کے معاملے میں ایسی سختی ہے کہ فاطمہ جناح میڈیکل کالج کے فارغ التحصیل اینڈی ڈاکٹر کو بھی فی الحال پریکٹس کرنے کا اذن نہیں۔

لیکن ہمارے عطائی بھائیوں کی راہ انگریز نہیں روک سکا، چنانچہ جہاں اور لوگ پہنچے، وہاں زمانہ اور مردانہ، پوشیدہ اور پیچیدہ بیماریوں کا بحرب اور حکیمی علاج کرنے والے بھی پہنچ گئے، کل یہاں کے ایک اردو اخبار میں اشتہار دیکھا کہ چین ہیلتھ سینٹر آرام باغ روڈ کے ممتاز ماہر جنسیات نے جن کے پاس آر، ایم، پی کی پراسرار ڈگری ہے، لوگوں کے پر زور اصرار پر لندن میں بھی اپنا مستقل دواخانہ کھول دیا ہے جس میں خطو کتابت سینڈراز میں رکھی جاتی ہے۔

حکیم صاحب نے اشتہار کے ساتھ اپنی تصویر بھی دی ہے، ادھر کٹر ہندوستان کے حکیم ایس ایل بٹ ناگر صاحب بھی جو اٹھارہ میڈیکل کتابوں کے مصنف ہیں، جس میں ”ہوم ڈاکٹر“ بھی شامل ہے، لوگوں کے پر زور اصرار کی تاب نہ لا کر تشریف لے آئے ہیں، ان کے اشتہار کے بموجب لاکھوں آدمی گزشتہ تین سال میں ان

کے چشمہ فیض سے سراب ہو چکے ہیں، اتنی بڑی ولایت میں یہ دو حکیم کافی نہ تھے، لہذا حکیم صاحب عبد الرحمن معالج خاص مردانہ کو بھی مانچسٹر میں مطب کھولنا پڑا ہے، یہ خود کو نیچرو پیتھ اور ہربیلٹ لکھتے ہیں، یعنی قدرتی طریقوں اور جڑی بوٹیوں سے علاج کرنے والے، ان کا دوا صداقت بے بنیاد نہیں ہے، بلکہ اشتہار کہتا ہے، تقریباً ایک سال کا عرصہ ہوا، ایک صاحب اپنے ایک انیس سالہ بھتیجے اور اس کی سولہ سالہ دہن کو لے کر مانچسٹر آئے اور حکیم صاحب سے بیان کیا کہ اس لڑکے کی شادی کو دو مہینے ہوئے ہیں، لیکن اس نے خودکشی کی کوشش..... کی ہے، چند مہینے ہوئے، وہ حکیم صاحب کے لئے ایک میس، مائی اور دس پونڈ لڈو بطور تحفہ لائے اور خوش خبری سنائی کہ ”جی! بابے کی کرپا اور آپ کے علاج سے سب کچھ ٹھیک ہے، میرے بھتیجے کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور ہم نے ڈھائی من لڈو تقسیم کیے ہیں، لڈو کھائیے!“ ایک اور ہندوستانی ماہر کی طرف آئے، یہ لندن میں ہی ایشیا کے مشہور و معروف معالج، ماہر جنسیات حکیم کے تردیدی، ان کی ڈگریاں اور زیادہ کبھی چوڑی ہیں۔

”این، ڈی، ڈی، او، پی، اے، اے، آر، ایس، ایچ۔“

حیرت ہے کہ انہوں نے باقی کے حروف جمی کیوں چھوڑ دیئے، اے سے زڈ تک استعمال کرنے میں کیا امر مانع تھا، یہ کھوئی ہوئی طاقت مردی کے علاوہ کھاسی، زکام، نزلہ، گھٹیا اور پیٹ



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



کے درد کا بھی حکیمی علاج کرتے ہیں، البتہ ملاقات کے لئے فون پر وقت مقرر کرنا پڑتا ہے، بقول خود طاقت کی دوائیوں کے بادشاہ اور انٹرنیشنل شہرت کے مالک، حکیم ہری کشن لال صاحب ماہر امراض پوشیدہ، خود تو مصروفیات کے باعث تشریف نہیں لاسکے، لیکن اپنا اشتہار لندن میں چھپوا دیا ہے، حکیم صاحب کو جھانسی یونیورسٹی نے کئی اعزازی ڈگریاں دے رکھی ہیں، مثلاً ایم ایس سی اے اور ڈی ایس ای، اے۔

ان کا مطلب کیا ہے؟

ڈگری کا مطلب نہیں پوچھا جاتا، لمبائی دیکھی جاتی ہے، ولایت والوں کی آسانی کے لئے انہوں نے اپنے ریٹ پونڈوں میں دیے ہیں، شاہانہ علاج باون پونڈ، درمیانی علاج بتیس پونڈ، عام علاج اٹھارہ پونڈ اور غریبانہ علاج بارہ پونڈ، حکیم صاحب نے خدمت خلق کے جذبے سے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ لاکھ روپے کی قیمتی کتاب ”پیغام جوانی“ مفت حاصل کریں، اس میں لاکھ روپے کے پیغام جوانی کے علاوہ کئی لاکھ روپے کے حکیم صاحب کی دوائیوں کے اشتہار بھی ضرور ہوں گے، سب مریضوں کے لئے مفت۔

پاکستانی اور ہندوستانی بھائیوں کے لئے تازہ ترین خوش خبری یہ ہے کہ حکیم جے ایم کوشل بھی جو کھوئی ہوئی قوتوں کو بحال کرنے میں یدِ طولی رکھتے ہیں، صرف پانچ روز کے لئے بریڈ فورڈ میں درود فرما ہوئے ہیں، آپ کی ڈگریوں کا بھی شمار نہیں، بی اے (پنجاب) اے، بی، ایچ (بنارس یونیورسٹی) بی اے (بی۔ یو) اے۔ بی۔ ایم۔ ایس (بی۔ ایچ۔ یو) ڈگری ڈاکٹری کی نہ بھی ہو، تب بھی لیاقت کی دلیل تو ہے۔

☆☆☆

حکیموں کے علاوہ سب سے زیادہ اشتہار

ہمارے ان پاکستانی، ہندوستانی بھائیوں کے ہیں، جو وطن واپس آنے والوں کی ٹیلی ویژن، ریفریجریٹر، ایر کنڈیشنرز، ٹیپ ریکارڈر، ٹائپ رائٹر، سلاڈی کی مشین وغیرہ فراہم کرتے ہیں۔ ایک صاحب ساٹھ فیصد ڈسکاؤنٹ پر، دوسرے پینسٹھ فیصد پر اور تیسرے ستر فیصد ڈسکاؤنٹ پر، ہم نے دیکھا نہیں، لیکن سنا ہے، بعض فرمیں سو فیصد ڈسکاؤنٹ پر بھی یہ سامان فراہم کرتی ہیں۔

☆☆☆

آپ سوچتے ہوں گے کہ ان بزرگ نے جن کا ذکر ہم نے کیا ہے، ڈھائی من لڈو کہاں سے لئے ہوں گے، یاد رہے کہ ایشیائی مٹھائیوں کا عظیم الشان مرکز سویٹ سینٹر، جو جہلم والے مشہور و معروف پہلوان صاحب کی دکان ہے، شادی بیاہ اور دوسری تقریبات کے لئے بہ کفایت خالص مٹھائی کی مٹھائیاں فراہم کرتا ہے، یہاں سے آپ گلاب جامن، رس ملائی، رس گلہ، جلیبی، برنی، لڈو، پیڑا، بالوشاہی، مہیدیاں وغیرہ وغیرہ نہیں، دہی بھلے، آلو چھولے، سمو سے، نمکین دالیں اور سویاں وغیرہ بھی خرید سکتے ہیں۔

مٹھائی سے رغبت نہ ہو تو شہ روز محل ریسٹورانٹ میں تشریف لائیے اور تندوری مرغ، تندوری روٹی، چکن اور مٹن ککے، قورمہ، کوفتہ وغیرہ کھائیے، یہ چیزیں حلال گوشت سے تیار ہوتی ہیں، جس سے آپ کا پیٹ بھر جائے اور خمار آنے لگے تو بھی مضائقہ نہیں، رضائی سینٹر سے آپ کو ہر قسم کی آرام دہ رضائیاں مل سکتی ہیں، شیل کی ڈبل رضائی ساڑھے پانچ پونڈ، ساٹن ڈبل ساڑھے تین پونڈ، جینٹ ڈبل بھی ساڑھے تین پونڈ میں لیجئے اور پاؤں بازار کر

☆☆☆

سوئے۔



# مروے کے لئے دلدار کہیں

نایاب جیلانی

## پہلی قسط کا خلاصہ

امام فرید اور اس کے ساتھی ایک سروے کے سلسلے میں دیوار چین سے منسلک وادی بیال میں پہنچتے ہیں جہاں انہوں نے قبائلوں کے ایرے میں سروے کرنا ہے، وہ سب وادی میں بھری خوبصورتی کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں، سروے میں ایک لڑکی زونہ بھی شامل ہے۔

احسان منزل میں دو بھائیوں کی فیملی رہائش پذیر ہے جن کے ساتھ ان کے مرحوم بھائی کی بیٹی نشرہ بھی ہے جس کی حیثیت ملازمہ جیسی ہے، نشرہ کی بڑی پھپھو کا بیٹا ولید اپنے کام کے سلسلے میں لندن سے آیا ہے۔

مودے ایک سخت مزاج خاتون ہے جن کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا میام ہے، بیٹا ڈاکٹر ہے اور وہ وادی سے دور شہر میں رہتا ہے۔

وادی بیال کا سردار کبیر بٹو ہے وہ ایک اجنبی جو کہ ایک سیاح کے طور پر وادی میں آیا ہے، اس کا ٹھکراؤ سردار کی بیٹی نیل بر سے ہوتا ہے جو کہ امریکہ میں پٹی بڑھی ہے۔

## دوسری قسط

## اب آپ آگے پڑھیے









یہ ایک خوبصورت صبح کا آغاز ہو رہا تھا۔  
 گوکہ اسلام آباد کی ہر صبح بڑی دلنشین ہوا کرتی تھی لیکن اس صبح کی بات کچھ الگ تھی، کیونکہ  
 اپنی تمام تر دلفریبی کے باوجود اس صبح میں کوئی ادھورا پن ضرور تھا، یہ ادھورا پن کیوں تھا؟ شانزے  
 مہرہ نہ جاننے سے قاصر تھی، پھر بھی اپنے اندر بچاتی کھلبلی مچاتی بے چینی کو نظر انداز کر کے وہ صبح کی  
 تمام تر تراوٹ اور خوبصورتی کو انجوائے کرنے کی کوشش میں مصروف تھی، اس کے باوجود دل کا  
 خالی پن کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

اسے جاگنگ ٹریک دور تک ویران اور اس دکھائی دے رہا تھا، اس کی کھوجتی آنکھیں تھک  
 پار کر بے بس ہو گئی تھیں، پھر وہ تھکے پارے قدموں کے ساتھ واپس لوٹ آئی۔  
 دل میں عجیب سی بے چینی کھلبلی مچا رہی تھی آج روئین سے ہٹ کر کیا ہوا تھا؟ وہ سوچتے  
 ہوئے اپنے پورشن سے ہوتی ہوئی برابر والے پوریشن تک آگئی تھی، یہاں آ کر گوکہ بے چینی کو قرار  
 تو نہیں ملا تھا پھر بھی وہ اپنے اضطراب کو کم کرنے کی ہلکی سی کوشش ضرور کر رہی تھی۔  
 لاؤنج میں پلوٹہ موجود تھیں، لاڈلی بیٹی کو صبح سویرے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح کھل اٹھتی تھیں، وہ  
 پڑ مردہ سی پلوٹہ کے قریب بیٹھ گئی تھی اور بے قراری نگاہیں ارد گرد کا جائزہ لے رہی تھیں، پلوٹہ اس  
 کے اضطراب کو لمحوں میں سمجھ گئی۔

”وہ رات سے گھر نہیں ہے۔“ پلوٹہ نے بغیر اس کے پوچھے بتا دیا تھا، اس کا دل سکڑ گیا تھا۔  
 ”کہاں گیا؟“ شانزے کی آنکھیں متحیر ہو گئی تھیں، گویا اس کا اضطراب بلا سبب نہیں تھا، اسے  
 لاؤنج میں پھیلے سناٹے کی وجہ سمجھ آ رہی تھی، آج کسی نے بھی ناشتے کا فریضہ سرانجام نہیں دیا تھا،  
 کوٹے تو دیسے بھی ناشتہ چور تھی، پلوٹہ بس چائے کا کپ لیتی تھیں، البتہ ہمان، امام کی طرح ڈٹ  
 کر ناشتہ کرتا تھا لیکن آج امام کی غیر موجودگی میں اس نے بھی ناشتے کا تکلف نہیں کیا تھا۔  
 بس ایک فرد کے نہ ہونے سے اتنی ویرانی تھی جس کا کوئی شمار نہیں تھا، اس کے دل میں پت  
 جھڑکی رت اتر آئی تھی۔

”آفیشل نو رپ ہے۔“ پلوٹہ کو جتنا معلوم تھا بتا دیا، امام نے تو اطلاع دینا ضروری نہیں سمجھا  
 تھا، یہ تو رات کو ہمان اس کے دفتر چلا گیا تھا، وہاں سے خبر ہوئی کہ امام ارجنٹ آؤٹ آف اسٹیشن  
 چلا گیا تھا، پلوٹہ کو غم نہ تو بہت آیا تھا پھر اس کے کام کی نوعیت سمجھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔  
 ”بغیر بتائے چلا گیا؟“ پلوٹہ کی بات کے جواب میں وہ محض اس قدر بولی تھی، جیسے اس کا  
 صدمہ کم نہیں ہو پا رہا تھا، ایسے ممکن تھا کہ امام اسے انفارم کیے بغیر چلا جاتا؟ وہ شدید پڑ مردہ ہو چکی  
 تھی، صبح کی ساری تازگی کا اثر زائل ہو چکا تھا۔

”اسے اچانک جانا پڑا تھا، ہمیں بھی اطلاع نہیں دی۔“ پلوٹہ نے اس کی بدگمانی دور کرنا  
 چاہی تھی، وہ شکوہ کناں نظروں سے پلوٹہ کو دیکھتی رہ گئی۔  
 ”آپ کا تو بھانجا ہے، آپ اس کی حمایت نہیں کریں گی تو اور کون کرے گا؟“ وہ خفگی سے  
 کہہ رہی تھی۔



”اچھا تم خفا نہ ہو۔“ پلوشہ نے پیار سے سمجھایا، وہ جانتی تھیں شانزے امام کے لئے بہت حساس تھی۔

”کوئے کالج چلی گئی؟“ اس نے سر جھٹک کر امام سے اپنا ذہن ہٹایا تھا، پلوشہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”نہیں تو، امام کی غیر موجودگی کا اس نے خوب فائدہ اٹھایا ہے، ایک تو ناشتے سے جان چھوٹی اس کی، دوسرے کالج بھی نہیں گئی۔“ پلوشہ جو پہلے سے بھری بیٹھی تھیں خفگی سے بتانے لگیں۔

”اتنی بری چائے گھول کر میرے متھے مار دی اور چلی گئی، ابھی تک منہ میں کڑواہٹ بھری ہے۔“

”میں بنا دوں چائے۔“ شانزے نے ان کی شکایت پہ نرمی سے آفر کی، پلوشہ نے منہ بنایا۔

”اب تو ذرا بھی موڈ نہیں۔“ وہ دوبارہ سے اخبار کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں، شانزے گہرے سانس کھینچ کر کھڑی ہوئی۔

”میں کوئے کے پاس ہوں۔“

”اے میرا پیغام دینا، آج لُنج وہ بنائے گی۔“ پلوشہ نے اونچی آواز میں جتایا تھا یوں کہ کارنر والے روم میں موجود کوئے با آسانی پلوشہ کی آواز سن رہی تھی اور اسی حساب سے تلملا بھی رہی تھی۔

”میرے خیال میں کوئے بھری نہیں۔“ شانزے نے مسکراتے ہوئے اس کے روم کا ہینڈل گھمایا تھا، دروازہ چہر کی آواز سے کھل گیا تھا، کوئے نے کبل ہٹا کر سر ذرا اونچا کر کے دیکھا۔

”کوئے یقیناً بھری نہیں، سب سن چکی ہوں۔“

”چلو پھر اٹھ کر لُنج کی تیاری کرو۔“ شانزے نے اس کے وجود سے کبل کھینچ کر کہا، وہ بری طرح کسمائی تھی۔

”تم کس مرض کی دوا ہو۔“ کوئے نے ناک چڑھائی۔

”تمہارا کیا فائدہ ہوا شانزے مہروز، آخر تم میری اکلوتی ماموں زاد ہو۔“

”میں تمہاری کزن ضرور ہوں لیکن باور چن نہیں۔“ شانزے جتلا کر بولی۔

”اگر امام بھائی فرمائش کرتا تب بھی تم یہی جواب دیتی؟“ کوئے نے بڑے انداز میں اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا تھا، وہ بے ساختہ پھڑپھڑاتی تھی۔

”امام کا یہاں کیا ذکر؟“ شانزے نگاہ چرا کر رہ گئی۔

”لو اور سنو، ایسی بھی کیا طوطا چشمی، میرا بھائی شہر سے باہر گیا ہے، تمہارے دل سے نہیں۔“

کوئے نے اسے آڑھے ہاتھوں لیا تھا، شانزے لمحوں میں بلس کر گئی تھی، اس کا چہرہ بلا کا سرخ ہو گیا۔

”خدا نہ کرے۔“ شانزے نے دہل کر کہا۔

”خدا کیا نہ کرے؟“ کوئے نے اس کا جملہ پکڑا۔

”تمہارا بھائی میرے دل سے کہیں جائے۔“ اس نے شرمیلیں مسکراہٹ لبوں پہ سجالی تھی، کوئے کو اس کی ادا پہ ٹوٹ کر پیار آ گیا تھا۔



وہ ہوٹل اور گل سے نکلا تو مطلع ابرا آلود تھا، یہاں کے موسم سادہ کو مات کرتے تھے، پل میں بادل آتے اور پل میں برستے، بارش کے بعد سبزہ پہاڑ پھول اور پودے نکھر کر اور بھی خوبصورت ہو جاتے تھے۔

اس کی آنکھیں تالابوں میں سنہرے کنول تیرتے اور کھلتے دیکھ کر مبہوت ہو گئی تھی۔ شاید وہ اس دلفریب منظر سے اور بھی رنگ چراتا لیکن آسمان سے اترنے والی بوندوں نے اسے تیز تیز چلنے پر مجبور کر دیا تھا، وہ پل سے دوسری طرف اونچی اونچی کھائیوں میں اتر آیا تھا، یہاں گھنے درختوں کی کئی طرح کے جھنڈ تھے جن کے اندر اندھیرے کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ درختوں کے جھنڈ تلے چلتا رہا، آج نصیب کی یادری کا دن تھا۔

اس کے قریب قریب گھومنے اور خاک چھاننے کی تپسیا کام آگئی تھی، جانے اس کے من میں کیا سمائی تھی جو وہ پل کے اس پار اتر گیا تھا اور اس کا اترنا جیسے کام آگیا، اسے پونے دو ہزار برس پرانا ایک قدیم ٹکڑا مل گیا تھا، یہ فن گندھارا کا کوئی نمونہ تھا، اس عظیم سنو پیا کا ایک حصہ تھا جس میں مہاتما بدھ کی خاک دفن کی گئی تھی، یہ پتھر قریب قریب اپنی وضع کھو رہا تھا، بھر بھری مٹی کی طرح ایک ٹھیس میں بکھرنے والا تھا، اس کے کناروں پر ایک بد وضع سے کنکری تھی، مہاتما بدھ کے گرد ایک پھول دار نیل تھی جس کے کئی پھول دکھائی دیتے تھے، نیچے ایک پہاڑی بکری سر نیہواڑے بیٹھی تھی، اس کا لباس بہترین تھا، اس کے پیچھے دیوتا اندر تھا، پتھر کی یہ کہانی آپ کے جلوہ افروز ہونے سے کئی سو برس پہلے کسی بدھ مجسمہ ساز نے عبادت کے طور پر بنائی تھی، کسی بھی تہذیب کے عروج اور زوال کو دیکھنا بڑا سنسنی خیز تجربہ تھا وہ جس مقصد کے تحت یہاں آیا تھا، وہ کم و بیش پورا ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

اس نے پتھر کا وہ ٹکڑا احتیاط اپنے ساتھ لائے بڑے سے کاشن میں سنبھالا اور شولڈر سے بیک اتار کر کاشن اس کے اندر گھسایا۔

یہ اس کی پہلی کامیابی تھی، سو خوشی اور جوش کے مارے چہرے یہ سارا خون سمٹ کر چھلک رہا تھا، اس پتھر کے قدیم ٹکڑے سے کہانی اس نے خود تلاش کر لی تھی، گوتم بدھ کی کہانی خاصی دلچسپ تھی اور وہ شہر تھا تاریخ دن، تاریخ کو کھوج کر ہزاروں سال پہلے کے وقت میں اترنے والا۔

اس کے ذاتی میوزیم میں دو ہزار سال پرانے کئی ٹوٹے جیسے تھے، کوئی نو سال پرانے قلم اور نو سو سال پرانے دیوان تھے، ایک قدیم مسجد کا چوبی ستون تھا، جسے دیمک نے کئی جگہ سے کھوکھلا کر دیا تھا، مجبور کی چھال کے بڑے دیدہ زیب جوتے تھے، موٹی فر کے جانور کی کھال سے بنی کئی سو سال پرانی پوسٹین تھی۔

سوات میں اب بھی ہزاروں مسجدوں کا بڑا قیمتی میٹریل عموماً بے فائدہ سمجھ کر پھینک دیا گیا تھا، کچھ چور اچکے اٹھا کر لے گئے تھے اور زیادہ نواررات غیر ملکوں کے ہاتھ لگ چکے تھے سو وہ پاکستان کا قیمتی اثاثہ اپنے اپنے ملکوں میں جمع کر رہے تھے۔

حقیقت تو یہ تھی کسی بھی ذمہ دار محکمے نے اپنے اثاثوں کی دیکھ بھال یا حفاظت نہیں کی تھی۔ چونکہ وہ ایک محبت وطن پاکستانی تھا اور تاریخ کے ہر کونے میں اس کا بسیرا تھا، لوگ اس کے



بارے میں عموماً خیال کرتے تھے کہ وہ تاریخ میں سانس لینے والا انسان تھا۔  
 سو وہ قریب قریب گھومتا اور ہر نگر کے ہر خطے سے دونوں ہاتھوں کو بھر کر تاریخ اور تہذیب کو سمیٹتا  
 منگورہ کے اس جدید علاقے میں آن پہنچا تھا۔

شمال کا وہ علاقہ جسے سوات کہا جاتا تھا، جہاں سے سکندر اعظم اور محمود غزنوی کا گزر ہوا تھا،  
 جہاں یہ تاریخ آج بھی زندہ تھی اور سانس لیا کرتی تھی، اسامہ جہانگیر اسی سوات کی پرفضا وادیوں  
 میں تاریخ کو ڈھونڈ رہا تھا۔

عموماً اس کا کوئی بھی سفر بے فائدہ نہیں تھا، وہ جب بھی کسی سفر سے واپس لوٹتا، خوب بھرا بھرا  
 اور لدا پھندا ہوا کرتا تھا۔

اس دفعہ بھی اسامہ کو قوی امید تھی کہ واپس جاتے ہوئے اس کے ہاتھ خالی نہیں ہوں گے، وہ  
 سوات کی تہذیب کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ کر جائے گا۔

وہ نگر نگر کی خاک چھاننے والا سیلانی جیوڑا نہ ہوتا بلکہ اسے کتابوں کو پڑھنے اور حفظ کرنے کا  
 چسکہ نہ ہوتا تو وہ چینی سیاح فاہیان کی تصنیف سے تاریخ کو کبھی نہ کھوجتا، بقول فاہیان کے دریائے  
 سندھ عبور کرنے کے بعد عقیدت مند ادیانہ کے ملک میں داخل ہوئے تھے جو ہندوستان کے شمال  
 میں تھا، مرکزی ہندوستان کی زبان یہاں بولی جاتی تھی، بدھ مذہب یہاں بھی ترقی پذیر تھا جن  
 عمارتوں میں بھکشور جتے تھے انہیں راہب جانے یا اجتماع کے باغ کہا جاتا تھا، یہاں قریب پانچ سو  
 تک راہب خانے موجود تھے کبھی خانہ بدوش بھکشو اس طرف کو آتے تو انہیں تین دن تک ہر چیز مہیا  
 کی جاتی تھی اور اس کے بعد انہیں وہاں سے رخصت کر دیا جاتا تھا، ایک روایت کے مطابق مہاتما  
 بدھ شمالی ہندوستان میں تشریف لائے تو اس علاقے کی طرف بھی آئے تھے اور اپنے پاؤں کا ایک  
 نشان بھی چھوڑا تھا، وہ پتھر جس پہ بدھ نے اپنے کپڑے سکھائے تھے اور وہ مقام جہاں اس نے  
 ایک عفریت کو تائب کیا تھا اب بھی دیکھے جاسکتے تھے۔

اس کا ذاتی خیال تھا جب طلوع اسلام کا سورج عرب کے زرے زرے کو چمکا رہا تھا، لوگ  
 جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے، یہ صورتحال مکہ کے ان سردار کافروں کے لئے  
 بڑی اذیت ناک تھی جن کے دل کفر سے سیاہ پڑ چکے تھے، قوی خیال یہ تھا اسلام کے سورج کے  
 چمکنے کا چرچا سن کر مکہ کے بے شمار کافرا اپنی سرزمین چھوڑ کر شمالی ہندوستان میں چلے آئے تھے،  
 یہاں آکر انہوں نے اپنی تہذیب اور بدھ مذہب کو پروان چڑھایا تھا، خیر تہذیب تو کوئی بھی سدا  
 دائم نہیں رہتی۔

اسلام کا آفتاب جب شمالی ہندوستان کے افق پر طلوع ہوا تو بت کدوں کے کئی مجسمے سرنگوں  
 خود بخود ہو چکے تھے، اسامہ جہانگیر اپنے کندھے پہ لٹکائی دو ہزار برس پرانی تہذیب کو اٹھائے تیز  
 قدموں سے چلتا ہوا پل عبور کر رہا تھا، اس کا چہرہ اب بھی سرخ اور جوشیلا تھا، اسے جلد از جلد ہوٹل  
 اوزگل تک پہنچنا تھا۔

جس کی ایک بڑی کمر کی منگورہ شہر پہ کھلتی تھی، منگورہ یہ اس وقت رات اتر آئی تھی، ہوٹل  
 اوزگل یہاں سے بہت فاصلے پر تھا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ ایک کھنٹی پہاڑی کے دامن سے بے شمار



جنگو جنے ہوئے جگمگا رہے تھے۔

گوکہ اسے منگورہ آئے ہوئے بہت دن نہیں ہوئے تھے، کل ملا کر آج تیسرا دن تھا اور اس کی اب تک سالوں کی تپسیا میں یہ پہلا موقع تھا جب کسی علاقے میں پہنچ جانے کے تیسرے ہی روز اتنی بڑی کامیابی ملی ہو، وہ اب بھی تیز تیز بھاگ رہا تھا۔

اسے ہوٹل کے روم میں پہنچنے کی جلدی تھی، وہ اپنے بے داغ بستر پر بیٹھ کر کندھے سے لٹکے بیک کو کھولنا چاہتا تھا، کاشن میں موجود دو ہزار برس پرانے مجسمے کی بڑی احتیاط کے ساتھ صفائی کرنا چاہتا تھا، جس کا چہرہ غیر واضح تھا، نقوش بھی سمجھ سے بالاتر تھے، بہت احتیاط کے ساتھ اس کی صفائی کرنا تھی تاکہ اس کا کوئی بھی کنگرا نہ ٹوٹے، گوکہ بھر بھرے پتھر کا یہ مجسمہ تباہ حال تھا اور کچھ زہریلے نمکیات اور پانیوں کے اثر سے اس کی حالت قابل تسلی نہیں تھی، پھر بھی اسامہ بہت خوش تھا، اس کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔

اسے لگ رہا تھا دو ہزار برس پہلے مہاتما بدھ گیا کے جنگلوں اور غاروں میں گیان دھیان میں گم ہیں اور ہندوؤں کا دیوتا اندرا اپنے مغرب نواز کے ہمراہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تاکہ ان سے روحانی راہنمائی حاصل کر سکے، اس کہانی کو اندرا سالا بھی کہا جاتا ہے، تھی نا بڑی دلچسپ اسٹوری۔

وہ پل سے اتر کر اب والی سوات کی کوشی کے بیرونی حصے سے گزر رہا تھا، ہوٹل اوزگل جانے کے لئے اس سے اچھا شارٹ کٹ کوئی بھی نہیں تھا اور سوئے اتفاق پرانی وردی والے سپاہی بھی روپوش تھے۔

اس نے کوشی کا احاطہ عبور کیا تو آگے بڑے حسین مرغزارے کے عین وسط میں تین منزلہ سفید ماربل کا مکان دیکھ کر مبہوت رہ گیا تھا، اس کے دل کو روکنے والی چیز گلابی پھولوں کے تختے تھے، گویا یہ گھر گلابی پھولوں کے ننھے سے باغ میں مہک رہا تھا، پھولوں کی اتنی بڑی تعداد ایک ہی جگہ دیکھنا بڑا خوشنما تجربہ تھا، وہ کچھ دیر کے لئے رک سا گیا تھا، لیکن یہ کیفیات لمحاتی تھیں، کسی پہاڑی گھر کے سامنے بلا سبب رکنا قطعاً غیر اخلاقی حرکت تھی، سو وہ دوبارہ چل پڑا تھا۔

آگے پھرندی کا مختصر پل تھا، گوکہ اتنا بھی مختصر نہیں تھا، پھر بھی پل کی خدمات حاصل کیے بغیر وہ اپنے ہوٹل نہیں پہنچ سکتا تھا۔

وہ اناڑی پن سے لکڑی کے پل پہ دوڑ رہا تھا، اپنے دھیان اور جوش میں گم اس نے سامنے سے آتی خاتون کو نہیں دیکھا تھا، وہ جو کوئی بھی تھی اسامہ سے زیادہ تیز رفتاری کا مظاہرہ کر رہی تھی، نتیجتاً زوردار تصادم ہوا تھا، جس کی ان دونوں کو ہی امید نہیں تھی، یہ حادثہ ایسا خوشگوار نہیں تھا جس میں دونوں فریق محفوظ رہتے، خاتون کو چوٹ تو لگی ہی تھی تاہم اسامہ کا کلیجہ اس وقت منہ کو آیا تھا جب اسے اپنے دائیں کندھے کا بوجھ بہت ہلکا محسوس ہوا تھا، وہ جو خاتون کی سرخ ناک کو تشویش سے دیکھ رہا تھا، لمحہ بھر کے لئے دھک سے رہ گیا، اسے خاتون کی چیخ و پکار بھول گئی، اس کا درد بھول گیا، اس کی تکلیف بھول گئی، یاد رہا تو بس اتنا، اس کا دایاں کندھا خالی ہو چکا تھا، اسامہ کی آنکھیں ابل پڑیں، وہ دیوانہ وارندی کی طرف دیکھنے لگا تھا، جس کے نیلے پانیوں میں بڑے بڑے بھنور پڑ



رہے تھے، اسامہ کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی، اس کا چہرہ بیگ ندی کی لہروں اور تاریکیوں میں ہمیشہ کے لئے ڈوب گیا تھا، فن گندھارا کا وہ نمونہ ہمیشہ کے لئے اسامہ کی دسترس سے دور ہو چکا تھا، اس شدید صدمے نے لمحوں میں اسامہ کو فریز کر دیا تھا وہ آنسو بھری آنکھوں کو جھپک جھپک کر بد حال ہو گیا۔

جبکہ ناک کا درد بھلائے وہ نازک سی لڑکی چلا اٹھی تھی، اسامہ اس کے چلانے پر حواس باختہ ہو گیا تھا، ندی میں ڈوبا بیگ اچانک لمحہ بھر کے لئے ذہن سے محو ہو گیا۔

”ڈوب گیا، ارے ڈوب گیا۔“ وہ پل کے جھگے پہ جھکی چیخ رہی تھی، اسامہ رد عمل پہ خاصا حیران تھا، وہ اسامہ کے بیگ کے لئے اتنی جذباتی کیوں ہو رہی تھی؟

”اب کہاں سے لاؤں؟“ وہ رو دینے کو تھی۔

”ہائے میرے اللہ۔“ جھگے پہ جھکی اس لڑکی کے چہرے پہ آنسو گر رہے تھے، اسامہ ہکا بکا رہ گیا۔

”یہ کبھی نہیں ملے گا۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی، اسامہ کولب کشائی کرنا پڑی۔

”کیسے ملے گا، اب تو بہہ گیا۔“ اس نے غزدگی سے ندی کے گہرے پانیوں کو دیکھا تھا، فن گندھارا اس کی پہنچ سے بہت دور چلا گیا تھا، اسامہ کے اندر بھانسی سی چنبھی تھی۔

”یہ سب تمہارا قصور ہے۔“ اس لڑکی کے الزام پہ اسامہ کی آنکھیں پھیل گئی تھیں، وہ تو سراسر اسے قصودار سمجھ رہی تھی، گویا التاج پور.....

”تم اندھوں کی طرح بھاگتے آرہے تھے۔“ وہ چیخ کر بولی۔

”میں اندھا ہوں؟“ اسامہ کو سخت دھچکا لگا تھا۔

”تو اور کیا ہو؟ بے تحسے ساڈ۔“ اس نے پھر سے چیخ کر کہا تھا۔

”مجھے ساڈ کہا؟“ اسامہ بے ہوش ہونے کے قریب پہنچ گیا۔

”میرا اتنا نقصان کر دیا۔“ وہ صدمے سے بے حال تھی۔

”نقصان تو تم نے میرا کر دیا۔“ اسامہ کو اپنا چہرہ بیگ پھر سے یاد آ گیا، جیسے ساری تپسیا بیکار ہو گئی تھی، اس کا دل بے قرار ہو گیا، جی چاہ رہا تھا، ندی میں چھلانگ لگا دے، لیکن جان اور زندگی بہر حال فن گندھارا سے زیادہ قیمتی تھی۔

”اب منہ کیا دیکھ رہے ہو؟ چھلانگ لگاؤ، ڈھونڈ کر لاؤ۔“ وہ اسامہ کو ہونق کھڑا دیکھ کر دھاڑی

تھی۔

اس فرمائش پر اسامہ کو دھکا سا لگا، اس نے گہرے پانیوں والی ندی کو دیکھا جس کا پرفیلا پانی اسے نکلنے کو بے تاب تھا، وہ بیک کر دور ہٹا۔

”میں کیوں چھلانگ لگاؤں؟“ اسامہ نے دہل کر پوچھا۔

”تو کیا میں لگاؤں؟“ اس نے تنفر سے کہا۔

”تم شوق سے لگاؤ۔“ اسامہ نے گہرا سانس خارج کیا، وہ پھر سے چنبھی تھی۔

”کننے برے انسان ہو تم جانتے ہو تم نے میرے ساتھ کیا کیا ہے۔“ اس نے چیخ روک کر



پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا، اسامہ نے کندھے اچکائے، جیسے وہ انجان ہو۔

”حد ہے سینہ زوری کی۔“ اسامہ دکھ کے عالم میں جنگلے کے پار جھانکنے لگا تھا، جس کے نیچے منگورہ کی گہری ندی تھی، بریلے پانیوں کی تہوں کے بہت نیچے اس وقت اسامہ کا چہی بیگ ڈوب چکا تھا، وہی چہی بیگ جس کے اندر فن گندھارا ہمیشہ کے لئے دفن ہو چکا تھا، اس کے خسارے کا بھلا کوئی انت تھا، وہ اس ضدی لڑکی کو کیا بتاتا؟

”جانتے ہو میری ماں میرا کیا حشر کرے گی۔“ اس نے روتے ہوئے دور تلک پھیلے پانیوں کے اوپر تیرتے کاغذ کے ایک ٹکڑے کو دیکھا تھا جو اس کی دسترس سے بہت دور چلا گیا تھا۔

”اور جو میرا حشر تم نے کیا، میرا قیمتی بیگ اس ٹکڑے کے نتیجے میں نذر پانی ہو گیا۔“ اسامہ کی آواز بھی پھٹ پڑی تھی۔

”میرا کاغذ تمہارے بیگ سے زیادہ قیمتی تھا۔“ لڑکی ضدی پن سے بولی۔

”کیا لاکھوں کی اماؤنٹ کا چیک تھا وہ۔“ اسامہ نے طنز کہا۔

”نہیں چیک سے بھی بہت قیمتی تھا۔“ اس نے ٹاک سڑک کر بتایا۔

”میری ماں میری جان نکال دے گی۔“

”اس پہ کیا لکھا تھا۔“ اسامہ کو پہلی مرتبہ روتی ہوئی لڑکی سے ہمدردی ہوئی تھی۔

”دوائیوں کا نسخہ تھا۔“ اس نے غمی بھرے لہجے میں کہا۔

”او..... میں نے سمجھا نجانے کیا تھا۔“ اسامہ نے برا سامنہ بنالیا تھا۔

”کم از کم تمہارے بیگ سے زیادہ اہم تھا، میں اب دوائیاں کیسے خریدوں گی، مورے تو میرا

حشر کر دیں گی۔“ اس نے بہت گھبراہٹ سے اپنی پریشانی کی اصل وجہ بتائی تھی۔

”دیری سہیل ڈاکٹر سے اور لکھوا لو۔“ اسامہ نے آسان حل بتایا تھا، اس نے بھٹا کر اسامہ کو

دیکھا۔

”ڈاکٹر لاہور بیٹھا ہے۔“ وہ تڑخی۔

”منگورہ میں کوئی اور ڈاکٹر نہیں ہے۔“ اسامہ کچھ مشکور ہوا۔

”میری ماں صرف ایک ڈاکٹر سے دوائی لیتی ہے، اس کے علاوہ کسی اور پہ بھروسہ نہیں

کرتی۔“ اس نے دونوں ہتھیلیوں سے گال رگڑ کر آنسو سینے کی کوشش کی تھی۔

”دیری سیڈ، یہ تو برا ہوا۔“ اسامہ کو حقیقتاً افسوس ہوا۔

”اب میں کیا کروں؟“

”مجھے نسخہ لا کر دو۔“ وہ ٹیلے پن سے بولی۔

”کیا لاہور سے؟“ اسامہ بدکا۔

”نہیں، اسی ندی سے۔“ وہ تڑخی تھی۔

”میرا دماغ خراب نہیں ہوا۔“ اسامہ نے ٹاک چڑھائی تھی۔

”ایک نسخے کے لئے ندی میں چھلانگ لگاؤں، یہ تپسیا اپنے بیگ کے لئے نہ کروں؟“ اس کا

انداز گہرا طنز یہ تھا۔



”تو میں گھر کیا لے کر جاؤں؟“ وہ بے بسی سے دیکھتی رہ گئی تھی۔  
 ”اے احمق وجود کو۔“ اسامہ زیر لب بڑبڑایا، وہ بری طرح پھل پھل کر رونے لگی تھی، اسامہ کو خیال سا گزرا تھا، اس کی ماں یقیناً بڑی سخت عورت تھی، اسامہ کو ترس آ گیا۔  
 ”تمہاری ماں کو کیا تکلیف ہے؟“ کچھ دیر سوچنے کے بعد اسامہ نے پوچھا، اس نے خاصی تفصیل سے ماں کی بیماری کے متعلق بتایا تھا، اسامہ سر ہلاتا رہا۔  
 ”دوائیاں تمہیں مل جائیں گی لیکن شرط ضروری ہے۔“ اسامہ کچھ سوچتا ہوا گویا تھا، وہ ذرا ٹھنک گئی تھی، پھر سوالیہ نگاہ سے اسے دیکھنے لگی۔  
 ”نمبر ایک اپنا نام بتاؤ، اور نمبر دو؟“ اس کے چہرے کی طرف دیکھتا ہوا وہ ذرا مسکرایا تھا، اس کے خاموش ہوتے ہی وہ جھٹ سے بولی۔

”میرا نام عشیہ ہے، کیا تم دوائیں لا دو گے؟“ اس نے بے قراری سے پوچھا۔  
 ”کیوں نہیں۔“ اسامہ پھر سے مسکرایا۔  
 ”لیکن دوسری شرط تو پوچھ لو۔“

”ہاں، مجھے منظور ہے۔“ اس نے جلدی سے کہا تھا، مبادا اس کا ارادہ نہ بدل جائے، وہ اس کی جلد بازی سے پھر سے مسکرا دیا، وہ اپنی ماں سے یقیناً بہت ڈرتی تھی، سودوائیوں کی خاطر کوئی بھی قربانی دے سکتی تھی۔

”تمہیں اپنے گھر میں بلیک کافی پلانا ہوگی، یہ تمہاری سزا ہے، کیونکہ تم نہیں جانتی، میرا کتنا عظیم نقصان کر چکی ہو، فن گندھارا کا وہ اعلیٰ نمونہ تمہارے تصادم کی بدولت اس ندی کی شوریدہ سری کے سپرد ہو چکا ہے، اتنی سزا تو تمہاری بنتی ہے نا۔“ اسامہ جہانگیر نے چمکتی آنکھوں سے اس گھبراہٹ کی دلفریب لڑکی کو دیکھا تھا، جو ماں کی دوائیوں کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار تھی، پھر بھی اس اجنبی کی فرمائش سن کر لمحہ بھر کے لئے بھونچکی ہو گئی تھی، کیا وہ ایک اجنبی کو گھر کے ڈرائنگ روم تک لا سکتی تھی، اس کی آنکھوں میں ناگواریت کا موم پکھلنے لگا تھا، چہرے کے تاثرات میں برہمی اتر رہی تھی، اسامہ بڑی برشوق نگاہوں سے عشیہ کے چہرے کا ایک ایک تاثر پڑھ رہا تھا۔  
 منگورہ میں فن گندھارا کی تلاش میں مارا مارا پھرتا اسامہ جہانگیر محبت کی ایسی تاریخ کے ابواب کھول بیٹھا تھا جس کے اوراق پہ تاریخ محبت کے سنہرے حروف چمک رہے تھے، وہ تاریخ دان نہیں تھا لیکن ایک نئی تاریخ رقم کرنے کا ارادہ ضرور رکھتا تھا۔

☆☆☆

سرورے ٹیم کا قیام سرکاری رہائش گاہ پر تھا۔  
 یہ ایک سنگل اسٹوری بنگلہ تھا، انگریزوں کے زمانے کی خاصی قدیم عمارت تھی، سرخ چوڑی اینٹ سے بنی ہوئی، اسے انگریزی اینٹ بھی کہا جاتا تھا، جسے خاص طور پر سرکاری عمارتوں کے لئے بنایا جاتا تھا، اس عمارت کا پینٹ بھی بہت پرانا تھا، آثار بتاتے تھے قریب دس سال پہلے اس پہ آخری برش کیا گیا تھا، اس آخری مہربانی کے بعد آج تک یہ عمارت طمع سازی کے لئے ترس رہی تھی۔



تین مختلف قسم کے جنگلوں اور چھوٹی پہاڑیوں کے کناروں پہ یہ بنگلہ ایستادہ تھا، بیال گاؤں سے خاصا دور پڑتا تھا، قریب قریب آبادی بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس وقت آسمان بادلوں سے ڈھکا تھا اور بوند باندی کے آثار بہت واضح نظر آ رہے تھے، کسی بھی وقت ابر رحمت کا نزول ہو سکتا تھا۔

وہ لوگ ایک ایسے خطے میں گزر رہے تھے جس کی اطراف میں چلغوزوں اور دیودار کے گھنے، ہرے بھرے خوبصورت درخت تھے، ہر طرح کے میوؤں سے لدے ہوئے، درختوں کا یہ سلسلہ بڑا طویل تھا۔

زونہ کے منہ میں پانی بھرتا رہا، وہ لوگ ”کام“ کو بھلائے بس فطرت کے ایک ایک منظر کو نگاہ میں اتار رہے تھے، ان کے ایک جانب بلند و بالا سلسلہ کوہسار تھا جبکہ دوسری جانب نشیب میں ”جیل“ اور ”تاتو“ ٹالے کے سنگم پر ایک حسین وادی تھی جس میں مقامی لوگوں کے چھوٹے چھوٹے گھروں کے ساتھ لہلہاتے دلنشین ہرے بھرے کھیت دکھائی دے رہے تھے۔

پہاڑی ڈھلوانوں اور پگڈنڈیوں پہ آگے کا رستہ پیادہ پا طے کرنا تھا۔ امام محض لوکیشن دیکھنے آیا تھا، باقاعدہ سروے تو کل کرنا تھا، کیونکہ آج باقی لوگ بہت تھک چکے تھے سو آرام کرنے واپس بنگلے میں جا چکے تھے۔

وہ ایک مقامی بندے سے ثوری کے بارے میں معلومات لے رہا تھا، ثوری کو مغربی لوگ ”فیری میڈ“ بھی کہتے تھے، فیری میڈ سے آگے انہوں نے بیال کے سبزہ زاروں تک جانا تھا۔ ناگہایت کی ٹلک بوس چوٹی سر کرنے کے لئے آنے والی کوہ پیما ٹیمیں اپنی مہم پر روانہ ہونے سے پہلے عموماً ایک رات اس مقام پر ضرور قیام کرتی تھیں۔

وہ تفریح کی غرض سے آیا ہوتا تو ضرور فیری میڈ کی ہشتری کھولتا، فی الوقت تو اسے بیال کے قبرستان اور مین روڈ کا سروے کرنا تھا، سو وہ چیدہ چیدہ معلومات لے کر واپس بنگلے میں آ گیا تھا۔ خانساں نے آتش دان میں لکڑیاں دھکا رکھی تھیں، یہ اس بنگلے کا سرکاری ملازم تھا، ہر قسم کے فرائض سرانجام دیتا تھا، ضرورت کے وقت چوکیدار بھی بن جاتا، کپڑے بھی دھوتا، گھر کی صفائی سہرائی بھی کر لیتا تھا، امام جیکٹ اتار کر کھوٹی سے لٹکانے کے بعد آتش دان کے قریب آ گیا، تب قاسم بنگلے کا جائزہ لیتا اونچی آواز میں تبصرے کرنا اندر آیا۔

”مجموعی طور پر یہ کسی بھوت بنگلے سے کم نہیں۔“ اس کے انداز میں سنجیدگی تھی، وہ اس اجاڑ بنگلے کی ہیبت کا احساس دل میں لئے خاصا متشکر تھا، کیونکہ پچیس تیس گھرانوں پر مشتمل ثوری گاؤں بھی اس بنگلے سے بہت دور تھا، آبادی نہ ہونے کے برابر تھی، بس سبزہ، جنگل، پہاڑ اور سناٹے تھے۔

”بھوت بنگلہ؟“ زونہ کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

”یہاں بھوت پریت ہیں کیا؟“ سدا کی ڈرپوک زونہ کا دل مل کر رہ گیا تھا، مامول کا سارا فسوں جاتا رہا، بس خوف کا احساس باقی تھا، قاسم نے گویا سر پیٹ لیا، اب زونہ کا ہر اس کم کرنے کی ذمہ داری بھی قاسم کے سر پہ تھی۔



”میں نے محاورہ بولا ہے زونیہ“ قاسم نے ”جتا“ کر کہا۔  
 ”او، تھینک گاڈ! میں تو خوف سے تھر تھرا کی تھی۔“ زونیہ کے جیسے جان میں جان آئی تھی، قاسم نے اسے گھور کر دیکھا۔

”تم کب نہیں تھر تھراتی؟ ہر وقت زلزلوں کی زد میں رہتی ہو۔“ وہ زیر لب بڑبڑا کر رہ گیا۔  
 ”مجھ سے کچھ کہا؟“ زونیہ چوکی تھی، قاسم نے بے ساختہ لمبی میں سر ہلایا تھا۔  
 ”میری مجال۔“ اس نے ڈرنے کی ایکٹنگ میں مضحکہ خیز شکل بنائی تھی، وقاص اور عاشر ہنسنے لگے تھے، زونیہ کا سوڈ آف ہو گیا، قاسم کے ساتھ اس کی کم ہی بنتی تھی۔  
 ”میں تو امام سے مخاطب ہوں۔“ قاسم جلدی سے بولا۔

”تم موضوع سے ہٹ رہے ہو۔“ عاشر نے اس کی توجہ حالیہ مسئلے کی طرف دلائی تھی، وہ پھر سے اصل ٹاپک کے طرف آگیا تھا اور اس کے چہرے پر اسی حساب سے فکر پھیل رہا تھا۔  
 ”امام! یہ جگہ خاصی سنسان ہے۔“ قاسم نے بمشکل ”ڈراؤنی“ کہنے سے گریز کیا تھا، زونیہ نے حسب معمول پھر سے ”ہراس“ پھیلا دینا تھا۔  
 ”تو کیا ہوا؟“ امام ہاتھ سنکیتا ہوا حیران ہوا۔

”ابھی تو ہم اتنے لوگ موجود ہیں، بعد میں تم اکیلے کیسے رہو گے؟“ قاسم بے چینی سے کہہ رہا تھا، اسے حقیقتاً امام کو فکر ہو رہی تھی، کیونکہ وہ ان سب سے زیادہ امام کے قریب تھا، دونوں میں دوستی بھی بہت تھی، امام خود بھی قاسم سے خاصا نزدیک تھا، ان دونوں نے تمام کورس اور ٹریننگ پریڈ ایک ساتھ گزارا تھا۔

”رہنا تو پڑے گا۔“ امام مطمئن تھا۔  
 ”ہرگز نہیں، آرام سے ٹکڑی سی سفارش کرواؤ، اور ٹرانسفر رکواؤ، یہ جگہ ہنی مون کے لئے تو مناسب ہے تاہم ڈیڑھ سال کا عرصہ یہاں رہنا بڑا دشوار ہے مجھ سے لکھوالو۔“ قاسم خفگی سے بولتا چلا گیا، امام لا پرواہی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

”ہنی مون کے بغیر بھی یہ جگہ مناسب ہے یار!“ امام مسکرا کر بولا تھا۔  
 ”خاک مناسب ہے، جھگل بیاباں، نہ بندہ نہ بندے کی ذات، اوپر سے یہ بھوت بنگلہ، پراسرار علاقہ، میں تمہیں یہاں رہنے کا مشورہ نہیں دوں گا۔“ قاسم کا انداز اٹل تھا۔  
 ”اے ٹرانسفر آرڈر رکواؤ۔“

”یہ تو ممکن نہیں، میں اپنا مائنڈ میک اپ کر چکا ہوں۔“ امام پرسکون تھا، ویسے بھی وہ فیصلہ کر کے بدلتا ہرگز نہیں تھا، یہ اس کی بہت پرانی عادت تھی اور قاسم اس عادت سے بخوبی واقف تھا۔  
 ”قاسم کی بات میں وزن ہے، یہاں یہ تمہارے جیسا بندہ کام نہیں کر سکتا، کیونکہ یہاں رکاوٹیں بہت ہیں، اوپر سے یہ قبائلی لوگ انتہائی ضدی اور اپنی اجارہ داری قائم رکھنے والے، تم ڈیڑھ سال تو کیا، ڈیڑھ ماہ بھی تک نہیں سکو گے۔“ عاشر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا تھا، وہ تو پہلے بھی یہاں آنے کے حق میں نہیں تھا، اب بھی صاف مخالفت کر رہا تھا، زونیہ نے بھی تائید کی۔  
 ”ویسے تو قاسم نے بھی ڈھنگ کی بات نہیں تھی، تاہم پہلی مرتبہ وہ ایک معقول بات کر رہا



ہے، تم اس پہ غور ضرور کرو۔“ اس کا انداز بھی خاصا نامحمانہ تھا۔

”میں تو اس علاقے کے عشق میں گرفتار ہو چکا ہوں، میں چاہوں گا، تم اپنی مدت یہاں پہ ضرور پوری کرو، اسی بہانے ہم بھی ”ناگاپربت“ کا جمال دیکھ لیں گے۔“ وقاص شدید ٹھنڈ کے باوجود بھی تک کھڑکی سے آدھا باہر لٹکا رات کی ساحرہ کافسوں دیکھ رہا تھا، پوری وادی تاریکی میں ڈوبی تھی، کہیں دور جنگلی جانور چلا رہے تھے، ان کی بھیا تک چیخ و پکار زونہ کی سماعتوں پہ گراں گزر رہی تھی۔

”یہ کھڑکی تو بند کرو وقاص! ناگاپربت کا جمال پھر دیکھ لینا، ابھی تو شیروں کی دھاڑ کپکپا رہی ہے۔“ اس نے ناک بھوں چڑھا کر بتایا تھا، وقاص کو کھڑکی بند کرنا ہی پڑی تھی۔

”آئندہ تم کسی ٹور پہ مت آنا۔“ قاسم نے زونہ کو مخلصانہ مشورہ دیا تھا، اس نے ہمیشہ کی طرح الٹا مطلب لیا۔

”وجہ؟“ وہ ناگواری سے پوچھ رہی تھی۔

”کیونکہ ایک ڈومیسٹک خاتون ہو، فیلڈ ورک تمہارے بس کا روگ نہیں، گیڈروں کی بمبکیاں تمہیں شیروں کی دھاڑ سنائی دیتی ہیں، اپنے کانوں کا علاج کروا کے آتی۔“ قاسم نے زونہ کو چراتے ہوئے خلوص دل سے مشورہ دیا تھا جو اس کے سر پہ ”ٹھاہ“ کر کے لگا۔

”اور تم اپنی زبان کا علاج کروا کے آتے، بلکہ لگے ہاتھوں کٹوا ہی آتے۔“ وہ چڑ کر جذباتی ہو گئی تھی۔

”دیکھ لو امام! زونہ کے خیالات میرے بارے میں، اس کا بس چلے تو مجھ پہ بلڈوزر چلوا دے۔“ قاسم غصے میں بھٹا اٹھا تھا، بیچ میں امام کو بھی گھسیٹ لیا۔

”تم خود پورے بلڈوزر ہو۔“ زونہ نے اس کے قابل رشک صحت پہ چوٹ کی تھی، قاسم پھر سے تلملا اٹھا تھا، کیونکہ اپنی صحت پہ وہ کسی کی چوٹ برداشت نہیں کرتا تھا، زونہ کی بھی نہیں۔

”اپنی زبان کو لگام ڈالو۔“ قاسم نے جیسے اسے وارننگ دی تھی۔

”سیاہ مفلکی گھوڑی سے بھی تیز ہے۔“

”اور تم اپنے الفاظ پر غور کرو، ایسے تھرڈ قسم کے ورڈ میں برداشت نہیں کرتی۔“ زونہ نے نخوت سے انگلی اٹھانی تھی، قاسم نے تلملا کر جواب دیا۔

”بڑی آئی ملکہ وکٹوریہ۔“

”اپنا منہ بند رکھو قاسم! ورنہ بھوسہ گھسا ڈالوں گا۔“ امام کو سیز فائر کروانے کے لئے بیچ میں آنا ہی پڑا تھا، ورنہ قاسم اور زونہ سے کچھ بعید نہیں تھا، ساری رات ہی چوہنچیں لڑاتے رہتے، کیونکہ بد قسمتی سے دونوں فرسٹ کزن تھے، ایک دوسرے کو قطعاً برداشت نہیں کرتے تھے، دونوں کی بالکل نہیں بنتی تھی، پھر بھی ایک دوسرے لے لڑے بغیر انہیں چین نہیں پڑتا تھا۔

”بھوسہ لاؤ گے کہاں سے؟“ وقاص بہت دور کی کوڑی لایا تھا، امام نے اسے ناگواری سے دیکھا۔

”تمہارے دماغ سے۔“ اس کے ترنت جواب پہ قہقہہ پڑا تھا، زونہ بھی غصہ بھلا کر ہنسنے لگی



تھی، قاسم اور عاشر نے اس کا ریکارڈ لگا دیا تھا، وقاص غصے سے سرخ ہو گیا۔

”مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔“ اپنی اس بے عزتی پر وہ تلملایا۔

”امیدیں ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔“ قاسم نے اسے تسلی دی تھی۔

”اور وقاص کی تو اکثر ٹوٹ جاتی ہیں۔“ عاشر نے جیسے لطف لیا۔

”بھاڑ میں جاؤ تم لوگ۔“ بالآخر وقاص غصے میں واک آؤٹ کر گیا تھا، یوں محفل خود بخود

برخواست ہو گئی تھی، باقی لوگ بھی آرام کرنے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے، زدنیہ

کے ساتھ خانساں کی بیٹی ”پری“ سونے کے لئے آگئی تھی، گوکہ زدنیہ سر دے ٹیم میں اکلوتی خاتون

نہیں تھی، ایک خاتون امام کی بی بی اے بھی موجود تھی، تاہم اچانک کچھ ناگزیر وجوہات کے بنا پر بی

اے کو چھٹی پہ جانا پڑا تھا سوز و غم تھا قابو آ چکی تھی، اگر قاسم ٹیم کا حصہ نہ ہوتا تو زدنیہ بھی شاید نہ آئی،

قاسم کی موجودگی میں اس کے گھر والوں کو بھی اطمینان تھا، پھر وہ اپنی لف جاب کی ہر نوعیت سے

واقف تھی۔

صبح کے کمروں میں بند ہوتے ہی امام نے عادتاً سارے بنگلے کے لاک چیک کیے تھے، پھر

وہ کچن میں گھس کر کافی بنانے لگا، اس کام سے فارغ ہو کر امام نے تمام لائنس آف کیس اور لابی

میں پہنچ گیا۔

یہ پہاڑی علاقہ تھا، یہاں رات جلدی اترتی تھی، آسلام آباد میں اس وقت کوئی سونے کا

تصور نہیں کر سکتا تھا، یہی سوچ کر امام نے لینڈ لائن فون سے گھر کال ملائی تھی، تیسری بیل پہ جس

ہستی نے فون اٹھایا تھا اس کی موجودگی کا امام سوچ بھی نہیں سکتا تھا، اس کے گمان میں بھی نہیں تھا

کہ شانزے فون اٹھائے گی، کم از کم اس وقت وہ کسی وضاحت کے موڈ میں نہیں تھا، نہ شانزے کی

بارائشگی کا بار سہہ سکتا تھا، نہ کوئی لمبی چوڑی وضاحت دے سکتا تھا، لیکن جو بھی تھا، اسے شانزے کی

تفتیش ضرور بھگتنا تھی۔

”تم بغیر بتائے کیوں گے ہو؟ حد سے غیر ذمہ داری کی، گھر میں سب کتنے پریشان تھے۔“

شانزے اس کی آواز سن کر کچنی سے بولتی چلی گئی تھی، امام نے گہرا سانس خارج کیا، اسے جواب تو

دینا ہی تھا، ورنہ جان چھوٹی کہاں سے؟

”سب کی چھوڑ دو، تم اپنی ساد، کتنی پریشان ہوئی تھی تم؟“ اس نے جان بوجھ کر لہجہ ملائم اور ہلکا

پھلکا بنا لیا تھا، حالانکہ تھکن حد سے سوا تھی، پھر بھی وہ شانزے سے مطمئن اور پرسکون انداز میں

بات کر رہا تھا، وہ جانتا تھا شانزے اس کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔

”میں.....؟“ شانزے دھک سے رہ گئی تھی، ایسے جواب کی توقع جو نہیں تھی۔

”تم اپنے دل سے پوچھ لو۔“ اس نے بڑا آسان جواب دیا تھا، امام مسکرا دیا۔

”دل بتا رہا ہے۔“ شانزے بہت مسرور ہے، امام نے اسے ستانا چاہا۔

”بہت جھوٹا دل ہے تمہارا۔“ وہ تڑخ کر بولی۔

”میرا دل جھوٹا نہیں۔“ امام کو برا سا لگا۔

”اتنا سچا بھی نہیں۔“ شانزے چڑ کر چٹختی تھی، امام کے لبوں پر تبسم بکھر گیا تھا، وہ تصور کی آنکھ



سے اس کا پھولا چہرہ ملاحظہ کر رہا تھا، پھر امام نے خود ہی بات بدل دی تھی، جیسے اچانک کچھ یاد آیا ہو یا پھر ایسے ہی۔

”آج تم کوئے کے پاس رہ لو۔“ اس کے بات بدلنے پر شانزے کی ساری خوشگواریت ہوا ہو گئی تھی، وہ ہمیشہ ایسے ہی کرتا تھا۔

”کہنے کی ضرورت نہیں۔“ وہ چڑ کر گویا ہوئی تھی، اندر کہیں کوئی ہلکی سی چیز ٹوٹی تھی، جیسے کچھ تڑخ سا گیا تھا۔

”ہاں میں یہ تم سے بہتر جانتا ہوں، تمہیں کوئے کا بہت خیال ہے۔“ امام نے سچے دل سے کہا تھا، وہ دونوں بھائی جب بھی آؤٹ آف ٹی جاتے، شانزے خود بخود ان کے گھر کوئے کے پاس آ جاتی تھی، سو کوئے کے حوالے سے وہ ہمیشہ سلی میں رہتا تھا۔

”خالہ اور کوئے کا دھیان رکھنا، صبح اسے ناشتہ ضرور کروانا۔“ اب وہ الوداعی کلمات بول رہا تھا، شانزے ذرا ٹھٹھک گئی تھی۔

”ماسوں، مائی کو بھی سلام دینا۔“ امام نے مزید کہا تھا، شانزے بھونچکی رہ گئی تھی، وہ سب کا خیال رکھے گا، سب کا احساس کرے گا، سوائے شانزے کے، اس کا دل نیچے بہت نیچے اترنے لگا۔

”تم کب آرہے ہو؟“ شانزے نے عزت نفس کو ایک طرف رکھ کر بالآخر پوچھ ہی لیا، امام جو کریڈل دبائے لگا تھا لمحہ بھر کے لئے رک سا گیا۔

”بہت جلد۔“ اس نے مختصر بات سیٹی تھی، اب وہ شاید فون رکھنا چاہتا تھا، لیکن اس سے بھی پہلے امام نے ایک مرتبہ پھر اسے ہدایات دی تھیں۔

”کوئے کو چھٹی نہ کروانا، اس کا خیال رکھنا، دیکھو، میں دوبارہ کہہ رہا ہوں، میری بہن میرا قیمتی اثاثہ ہے۔“ اس کی زبان شریخی میں بھیگ چکی تھی، کوئے کے لئے یہ دونوں بھائی اتنے ہی ملائم ہو جاتے تھے، شانزے کو اس پر رشک سا آیا تھا۔

”اور میں؟“ شانزے کا سسکتا سوال اس کے اندر ہی دم توڑ گیا تھا، اپنی عزت نفس کو اس نے سینت سینت کر رکھا ہوا تھا، وہ لمحوں میں اسے کیسے بکھیر ڈالتی، خود پر ضبط کے پہرے بیٹھا کر اس نے سارے سوال اپنے اندر اتار لیے تھے، محبت اپنی جگہ سہی، تاہم اپنی انا کا بت اسے بڑا عزیز تھا، کس طرح ایک چھٹا کے سے پاش پاش کر ڈالتی؟ اگر وہ کٹھور ہو جاتا تھا، بے نیازی برت لیتا تھا، گریز کی دیوار اٹھالیتا تھا تو بڑے شوق سے اپنا کام کیے جاتا، شانزے اسے روکنے والی نہیں تھی اور خود رکنے والی بھی نہیں تھی۔

وادی میں رات بھیگ رہی تھی۔

تین جانب سے گھنے جنگلات میں گھرے اس مرغزار کے نشیب کی طرف بہت بڑا گلیشئر تھا، اس گلیشئر کے کچھ آگے ناٹکا بہت کا شیش محل تھا، اس شیش محل کی اونچائیوں پہ امام فریدے شاہ کھڑا تھا، اسے شانزے کی محبت بھلا کیسے نظر آ جاتی؟ وہ بہت بلندی پہ کھڑا تھا اور بلندی پر کھڑے لوگوں کو نشیب میں دیکھنے کی فرصت نہیں ہوتی۔

☆☆☆



ہم اکثر اتنے اچھے نہیں ہوتے جتنا محبت ہمیں اچھا کر دیتی ہے، جو ہمارے دلوں میں اپنے پیاروں سے ہوتی ہے، اس کا بڑا پر اہم یہی تھا کہ اسے اپنے پیاروں سے بہت محبت تھی، یہ محبت اسے دن بدن نکھار رہی تھی اور صائمہ تائی کو یقین والٹن تھا نشرہ ان کی غیر موجودگی میں فریج پہ ہاتھ صاف کرتے ہے۔

حالانکہ اسے چوری کی عادت نہیں تھی اور نہ ہی ننھا سا جرم بھی اس کی فطرت کا حصہ تھا، لیکن صائمہ تائی کی ذہنت کا بھلا کیا کیا جاسکتا تھا؟ وہ نشرہ کو ہمیشہ شک کی عینک سے دیکھا کرتی تھیں اور حتی المقدور اسے کچھ کے کچھ لگاتیں، خاص طور پر اپنی فریج کے معاملے میں صائمہ تائی کی طرح بد لحاظ تھیں، جو منہ میں آتا بول دیتی تھیں۔  
اتوار کے اتوار گھر میں راشن آتا تھا۔

اس دن صبح سویرے تایا اپنا سرخ و سفید چیک دار رومال سر پہ باندھ کر نیلا تھیلا بغل میں دبائے نکل جاتے تھے، سارے سستے بازار چھان کر، ہر کریانے کی دوکان میں گھس کر، ہر فروٹ ریڑھی سے چھان پھٹک کر اپنا مطلوبہ سامان لے کر آتے تھے، سودا سلف، سبزی، فروٹ سب اتوار کوئل جاتا تھا، گوشت البتہ جمخرات کو ملتا تھا، بڑا قیمہ، مغز، پائے اور گوشت الگ الگ کلو کے حساب سے تلو کرنا یا جب گھر آتے تو صائمہ تائی چیل کی طرح جھپٹ پڑتی تھیں، نشرہ کے لئے حکم نامہ جاری ہوتا تھا۔

”پرانت، طشتری اور بڑی سنی اٹھالاؤ۔“ صائمہ تائی کی ہانک پر نشرہ مطلوبہ برتن اٹھا کر جلدی سے لے آئی تھی، تائی اپنی نگرانی میں ایک ایک سبزی الگ ٹوکری میں رکھواتی تھیں، گوشت بھی الگ سے دھلواتیں، فروٹ کے لئے وہ عموماً رسک نہیں لیتی تھیں، کم از کم فروٹ وہ اپنے مبارک ہاتھوں سے دھوتی تھیں، پھر خشک کر کے فریج میں محفوظ کر لیتی، اگلے اتوار تک ہر روز فریج میں رکھے فروٹ کی گنتی ہوا کرتی تھی۔

”آج آٹھ سب اور بارہ کیلے رہ گئے، کل پانچ سیب اور دس کیلے ہوں گے۔“ وہ ایک ایک کیلا سب کے لئے گن کر الگ سے رکھ لیتی تھیں، جب فروٹ باسکٹ میں گنا چتا، گلاسٹرا فروٹ بچ جاتا تو اسے کمال مہربانی کے ساتھ اٹھا کر نشرہ کو عنایت کر دیا جاتا تھا، وہ اس مہربانی پر بھی نہال ہو جاتی تھی، آخر تائی کو اس کا خیال تو آتا تھا، عالیہ چاچی تو یہ تکلف نہیں کرتی تھیں، بلکہ وہ صائمہ تائی سے زیادہ کیسینی اور کنجوس واقع ہوئی تھیں۔  
آج پھر خوش ہستی سے اتوار تھا۔

تایا صبح سویرے نکل گئے تھے پھر گیارہ کے قریب واپس بھی آ گئے تھے، نشرہ نے بذات خود سارا راشن سمیٹا تھا، تائی نے فروٹ دھو کر ٹھکانے لگایا، حسب معمول گنتی بھی کی تھی، پھر مطمئن ہو کر اوپر چلی گئیں۔

نشرہ نے نیچے والوں کی مشین لگا رکھی تھی، وہ پچھلے برآمدے میں دھڑا دھڑکیڑے دھور رہی تھی، پھر دھلے ہوئے کیڑے ڈرائیر میں ڈالتی، ایک چکر کے بعد کیڑے سوکھ کر باہر نکل آتے، وہ گول کمرے میں اٹھا کر پھیلاتی اور پنکھا چلا دیتی، الٹنی پہ کیڑے ڈالنے کا سرا میں رسک لینا اسے گوارا



نہیں تھا۔

دھلائی کا کام اختتامی مرحلے میں تھا، جب اندر سے آتی بھیانک چیخ نے نشرہ کو حواس باختہ کر دیا تھا، اس کے ہاتھ سے کپڑوں کی بالٹی پھسل گئی تھی، وہ جلدی سے گیلے کپڑوں سمیت اندر کی طرف بھاگی تھی، یقیناً کامل تھا کہ صائمہ تائی سیڑھیوں سے پھسل گئی ہوں گی، آخر اوپر گے ہوئے انہیں دو گھنٹے تو ہو چکے تھے۔

نشرہ دہلتی ہوئی اندر آئی تو تائی کی بھیانک کراہ بچن سے آتی سنائی دی تھی، نشرہ فوراً بچن میں پہنچی، تائی وقوعہ پہ کھڑی چلا رہی تھیں، ان کے ہاتھ میں فروٹ کی خالی باسکٹ موجود تھی، جس نے شاید سلیمانی ٹوپلی پہن رکھی تھی، کیونکہ نشرہ نے خود اپنی گنہ گار آنکھوں سے باسکٹ میں فروٹ کی اوپچی سی پہاڑی دیکھی تھی، جبکہ اس وقت خالی ٹوکری ان دونوں کا منہ چڑھا رہی تھی۔

باسکٹ پہ شب خون نجانے کس نے مارا تھا؟ نشرہ تو دھک سے رہ گئی تھی، تائی کے صدے کا موجب بھی سمجھ آ گیا تھا، وہ تو خالی ٹوکری کو دیکھ کر غم سے مری جا رہی تھیں۔

”فروٹ کہاں گیا؟“ نشرہ نے ہونٹ پن کی انتہا کرتے ہوئے تائی کو برے وقت میں چھیڑ دیا تھا، صائمہ تائی خونخوار نظروں سے اسے گھور کر ترخ انھی تھیں۔

”تمہارے پیٹ میں اور کہاں؟ ہاتھ ٹوٹ پڑیں تمہارے، سارا پھل نکلے ہوئے ذرا حیا نہ آئی تمہیں، بڑی کیسٹی لڑکی ہو تم، پیٹ ہے یا کنواں؟ حرام زادی، سچ بتاؤ، فروٹ کہاں چھپا کر آئی ہو۔“ تائی نشرہ کو دیکھ کر جھپٹ پڑی تھیں، اتنا نقصان ان کی برداشت سے بہت باہر تھا، وہ نشرہ کو اتنی آسانی سے معاف نہیں کرنے والی تھیں۔

”میں نے؟“ نشرہ تو بھونچکی رہ گئی۔

”تائی! میں نے فروٹ کہاں چھپانا ہے؟ مجھے تو خبر نہیں۔“ وہ اس الزام پر رو دینے کو تھی، تائی نے تو سیدھا سیدھا چوری کا الزام لگا دیا تھا، نشرہ دھک سے کیوں نہ رہتی۔

”جھوٹ بولتی ہو مکارن، میرے نظر سے ادھمٹل ہوتے ہی تم نے فریج پہ حملہ کر دیا، میں کہتی ہوں نکالو سارا پھل، ظلم ٹوٹے تم پر، اتنا مہنگا فروٹ تھا، اتار، کیلے سیب، حرام زادی، سارا نکل گئی۔“ تائی نے چلا کر کہا تھا، وہ غصے میں شدید بد لحاظ ہو جاتی تھیں، یہ ان کی پرانی عادت ہوا کرتی تھی۔

”تائی! میں سچ بول رہی ہوں، مجھے کچھ پتا نہیں۔“ نشرہ رو ہانسی ہو گئی۔

”ایک چوری کرتی ہے، اوپر سے جھوٹ بولتی ہے، تیرے چوٹے میں آگ لگا دوں گی، جلدی بول؟“ وہ خونخوار بلا کی طرح اس کے سر پہ سوار تھیں اور یہ کوئی نئی بات تو تھی نہیں، تائی کا یہ پرانا دھیرہ تھا، آئے دن نشرہ کو ایسی نفیث بھگتنا پڑتی تھی، اس نے بے بسی سے ٹھنڈے ہاتھ مسلتے ہوئے بتایا۔

”میں تو برآمدے میں کپڑے دھو رہی تھی۔“

”یعنی صبح کی سہیلی کے گھر کی ہے، نوی رات کا آیا نہیں، ولید ابھی تک سو رہا ہے، ورنہ وہی فریش جوس بنوا کے پی لیتا، نوکرائی ہمارے گھر آتی نہیں، پھر بتاؤ کس پہ الزام دھرو گی۔“ تائی کسی



خونناک بلا کی طرح پھنکاری تھیں، نشرہ پھر سے روہا سی ہو گئی، تائی کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، وہ بے بس تھی۔

”یقین کریں تائی! مجھے کچھ پتا نہیں۔“ نشرہ بھرائی آواز میں بولی۔

”کھاپی کر ڈکار گئی جھوٹی۔“ تائی پھر سے چلائی تھیں، شور کی آواز سن کر اوپر سے چاچی نے بھی کھڑکی کھول کر نیچے جھانکا۔

”اس کی تلاشی لیں بھابھی۔“ اوپر سے مخلصانہ مشورہ آیا۔

”کیا پیٹ کی تلاشی لوں؟“ تائی چڑ کر رہ گئیں۔

”نہیں، اس کے کمرے کی۔“ چاچی دور کی کوڑی لائی تھیں، تائی کی آنکھیں چمکیں، کبھی کبھی عالیہ عقل کی بات کرتی تھی۔

”یہ تو میں نے سوچا نہیں۔“

”کام کی باتیں آپ کم ہی سوچتی ہیں بھابھی۔“ عالیہ چاچی نے طنز یہ کہا تھا، تائی سنی ان سنی کر کے سٹور روم میں گھس گئی تھیں، نشرہ بھی ان کے پیچھے چلی آئی، تائی کسی جنون کے عالم ایک چیز کی تلاشی لے رہی تھیں، پورے سٹور روم میں فروٹ کی ذرا خوشبو نہیں تھی، بس پرانی سیلین زدہ چیزوں اور ”کھاڑہ“ کی ناگوار باس رچی ہوئی تھی۔

کچھ ہی دیر میں تائی ناک تک ہزار ہو گئی تھیں۔

عالیہ چاچی نے پھر سے کھڑکی کھول کر سر باہر نکالا۔

”کامیابی ہوئی؟“ چاچی کی آنکھیں چمک رہی تھیں، نشرہ کی درگت چاچی کو بڑا مزہ دیتی تھی۔

”کبھی چور ثبوت چھوڑتا ہے؟“ تائی نے ناک بھوں چڑھا کر نشرہ کو گھورا تھا، وہ اتنی آسانی سے جان چھوڑنے والی نہیں تھیں۔

”بڑی چوکنا ہو کر صفایا کرتی ہے نشرہ۔“ چاچی نے جلتی پہ تیل ڈالا۔

”میں بھی نکلوا کر چھوڑ دوں گی۔“ تائی خطرناک طور لئے نشرہ کی طرف بڑھی تھیں، نشرہ بے چاری گھبرا گئی، تائی سے کچھ بعید نہیں تھا، غصے میں جھانپڑ لگانے سے گریز نہیں کرتی تھیں، وہ سہم کر پیچھے ہٹی۔

”قسم ہے تائی! مجھے کچھ خبر نہیں، میں تو کپڑے دھور ہی تھی۔“ نشرہ پکپکانے لگی۔

”تو فرشتے اٹھا کر لے گئے اتنا مہنگا فروٹ۔“ وہ حلق کے بل چلا اٹھی تھیں، پھر سہمی ہوئی نشرہ کی پٹیا پکڑ کر جھٹکا دیا تھا، نشرہ منہ کے بل گھر پڑی تھی۔

”ندیدی! کیسی نجانے کس جرم کی سزا یہ ہماری جانوں کو چٹھی ہے، میرے بچوں کے منہ کا

نوالہ تک جھپٹ لیتی ہے، منحوس ماری، مرتی بھی نہیں۔“ تائی یہ جن سوار ہو چکا تھا، اس بل وہ ولید کی موجودگی بھی بھول گئی تھیں، ولید نہ صرف گھر میں موجود تھا بلکہ اپنے کمرے میں بھی تھا اور تائی

نے ولید کی موجودگی میں اتنا بڑا رسک لے لیا تھا، نشرہ کے گالوں پہ دھڑ دھڑ طمانچے مارتے انہیں

احساس تک نہیں ہوا تھا کہ ولید شور کی آواز سن کر باہر آ سکتا ہے، اوپر سے عالیہ چاچی کی کنٹری تائی



کا جوش بڑھا رہی تھی۔

چاچی، تائی سے زیادہ چوکنا تھیں، جیسے ہی ان کی نظر نیند بھری آنکھوں والے ولید پر پڑی، ان کی زبان کو بریک لگ گئے تھے، ولید بکھرے بالوں اور سرخ ڈوروں سے الٹی آنکھوں کے ساتھ لاؤنج کا منظر دیکھ رہا تھا، اتنی اونچائی یہ کھڑی عالیہ چاچی کو انتہائی دور سے بھی ولید کے چہرے پر پھیلتی برہمی دکھائی دے گی تھی، ولید کو دیکھ کر بھی انہوں نے تائی کو ہوشیار نہیں کیا تھا بلکہ چپکے سے گردن پیچھے ہٹا لی تھی اور بے آواز کھڑکی کے دونوں پٹ بند کر دیئے تھے، عالیہ چاچی کی دوٹیوں کے درمیان امپائر بننے میں کمال حاصل تھا۔

اب نیچے کی کاروائی تو ملاحظہ نہیں کی جاسکتی تھی پھر بھی ولید کے سامنے جیٹھانی کی پتلی حالت تصور کی آنکھ سے بھی مزہ لے رہی تھی، اتنے دنوں کا بنا بنایا میج اچانک فلاپ ہو گیا تھا، عالیہ کو بڑا ہی لطف آیا۔

وہ کھڑکی کے پاس کھڑی مسکرا رہی تھیں، دل میں خیال آیا کہ سٹرےیاں اتر کر نیچے چلی جائیں، لیکن اپنے اس خیال کو جھٹک کر وہ کھڑکی سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی تھیں، فی الحال نیچے مہیب سناٹا طاری تھا، یوں لگتا تھا، صائمہ تائی اچانک ولید کے سامنے دیکھ کر پتھر میں ڈھل گئی ہیں، آخر ان کی شائستگی کا سارا مجمع جوا تر گیا تھا۔

معاذ اللہ! اپنے پیچھے دبی ہلکی کی آواز سنائی دی۔

انہوں نے سرعت سے مڑ کر دیکھا تھا، سامنے ان کی لاڈلی حمیرہ کھڑی تھی، لمبی لمبی جمائیاں لیتی، آنکھوں سے نکلتے پانی کی انگلی سے دبا دبا کر پوچھتی، نیند بھری آنکھوں اور سو جے چہرے کے ساتھ وہ خاصی بری لک دے رہی تھی، یہ اور ہی حسینا میں ہوتی ہیں جو سو کر انھیں بھی تو قیامت ڈھائیں، دس دس دن منہ نہ بھی دھوئیں تو اپسر لگیں، یہاں تو ایک ہفتہ پارلر کا چکر نہ لگتا تو چہرے کی ساری کشافنگی ماند پڑ جاتی تھی، سنہری رنگت کھلا جاتی بھنویں بڑھ کر جنوں سے مشابہ ہو جاتیں، جیسے نقوش اور سنہری رنگت کا سارا حسن گہنا جاتا تھا۔

سو حمیرہ کو مین ٹین رکھنے کے لئے عالیہ کمیٹی ڈال کر بھی بڑی رقم پس انداز کر کے بیٹی کے حسن کو برقرار رکھنے کے لئے اس کے جہیز کی قربانی دے رہی تھی، اچھی شکل کے ساتھ اچھا رشتہ مل جاتا تو جہیز کے ٹنٹنے کی بھی ضرورت نہیں تھی، سو وہ زیادہ کوشش حمیرہ کے مین نقش نکھارنے کے لئے کرتی تھیں، اس سے چھوٹی ثناء عالیہ کو بھی قابل توجہ نہیں لگی تھی، نامرہ ساری دھیال پہ پڑی تھی، سانولی رنگت، تاڑ سے لہاقد، اوپر سے نقش ننھیالی، سوٹانے تو عالیہ کے سارے ارمان گہری نیند سلا ڈالے تھے، البتہ حمیرہ کے لئے عالیہ کے دل میں بڑی گنجائش تھی، بھی تو اس وقت حمیرہ کو ہنستے دیکھ کر بھی انہوں نے غصہ نہیں کیا تھا، حالانکہ وہ ماں کے کن سوئیاں لینے پر صاف مذاق اڑاتی نظر آ رہی تھی۔

”امی! بند کھڑکی سے آپ کو کچھ دکھائی نہیں دے گا، میری بائیں تو نیچے چلی جائیں، لائیوسین دیکھنے کا اپنا ہی مزہ ہوا کرتا ہے۔“ حمیرہ مزہ لیتے ہوئے مسکرائی تھی، عالیہ نے گھور کر لاڈلی دختر کو دیکھا تھا، جو دختر ضرور تھی لیکن نیک اختر کہیں سے نہیں تھی، اوپر سے گز بھر لمبی زبان تھی، جو چلنے پہ آ



جاتی تو رکتی نہیں تھی، اس وقت بھی ماں کی گھوریوں کو کسی خاطر میں نہ لا کر وہ پھر سے مسکرائی۔  
 ”ویسے امی! آپ کو کن سوئیاں لینے پہ ایوارڈ ملنا چاہیے، نیچے چیونٹی بھی چلے تو آپ کو آواز آ جاتی ہے، بڑی غضب کی قوت سماعت پائی ہے آپ نے۔“ حرہ نے اب کہ ماں کو خاصا سراہا تھا۔  
 ”بائی داوے نیچے ہو کیا رہا تھا؟“ اس نے بڑی رازداری کا مظاہرہ کیا۔  
 ”تائی اور تائی کی جھڑپ چل رہی تھی؟ یا عینی تائی سے ٹکرا کر رہی تھی؟ یا پھر نومی، نشرہ سے سڑک چھاپ عشق فرما رہا تھا؟“ حرہ کی آنکھوں میں بھرپور شرارت تھی، عالیہ نے بیٹی کو پھر سے گھورا۔

”بکواس ہو گئی ختم؟“ وہ ناک بھوں چڑھا کر پوچھ رہی تھیں۔  
 ”صرف بک بک کرنا آتی ہے، زبان ہلانی آتی ہے یہ میں ہوں جو تمہارے عیبوں پر پردہ ڈال لیتی ہوں، ورنہ اتنی لمبی زبان کے ساتھ کوئی بھی تمہیں ایک منٹ برداشت نہ کرے۔“ عالیہ پہلے سے بھری بیٹھی تھیں، ایک دم پھٹ پڑیں۔  
 ”اُف امی!“ حرہ نے تنک کر کہا۔

”آپ کو تو میری برائیاں کرنے کا موقع ملنا چاہیے، بات کہاں کی تھی ختم مجھ پہ کر دی، میں تو نیچے والوں کا احوال پوچھ رہی تھی۔“ اس نے ناک چڑھا کر عالیہ کو موضوع کی طرف لانا چاہا تھا۔  
 ”آپ کھڑکی سے کان لگا کر کیا سن رہی تھیں؟ مجھے بھی بتا دیں، میں تجس سے مر رہی ہوں۔“ حرہ بے تابی سے بولی تھی، عالیہ کو نیچے کی کاروائی اچانک یاد آ گئی، جیٹھانی کی پتلی حالت کا مزہ حرہ کی بکواس بھی بھلا گیا تھا، ان کی آنکھیں چمک سی گئیں۔  
 ”تمہاری تائی تو آج بری پھنسی ہے۔“ عالیہ مسکرا کر بتانے لگی۔

”کسے؟“ حرہ کا اشتیاق بھی قابل دید تھا، اپنی شوباز تائی اور ان کی بیٹی عینی سے حرہ خاصی خار کھاتی تھی۔

”بس سمجھو، ولید کے سامنے صائمہ بیگم کے سارے بھرم ٹوٹ گئے۔“ عالیہ نے جیسے چٹخارا لیا۔

”میں کسے سمجھ لوں؟ تفصیل بھی بتائیں نا۔“ وہ اور بھی بے تاب ہوئی تھی، ماں کی طرح اسے بھی صائمہ کی درگت بننے کا انتظار رہتا تھا۔

”تمہاری تائی کی ”اصلیت“ ظاہر ہو گئی ہے، سمجھو تو تمہاری لائن کلیئر ہوئی۔“ عالیہ کا انداز بڑا جوشیلا تھا، حرہ کے اندر اپیل سی مچی تھی، ماں کا اشارہ سمجھنا مشکل نہیں تھا، پھر بھی اس نے انجان بننے کی بھرپور اداکاری کی، حالانکہ دل میں لڈو پھوٹ رہے تھے۔

”کیا مطلب امی!“ اس نے آنکھیں پٹیٹا کر پوچھا، گویا معصوم بننے کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے تھے، عالیہ نے بیٹی کو ساری تفصیل بتائی تھی، یہ بھی بتایا کہ صائمہ تائی کو انہوں نے کیسے بڑھکایا تھا، سو وہ بلاوجہ نشرہ پہ پل پڑیں۔

”ہائے کیا سچ؟“ حرہ کی آنکھیں یہاں سے وہاں تک پھیل گئی تھیں۔  
 ”تو میں کیا جھوٹ بول رہی ہوں۔“ عالیہ نے فوراً برامان لیا۔



”امی! ولید نے خود دیکھ لیا؟“ وہ ماں کا منہ بنا دیکھ کر بھی نظر انداز کر کے سخت بے چینی سے بولی تھی، عالیہ بیٹی کی بے تابی کو اچھی طرح سمجھ رہی تھیں، سو ہونٹ پھیلا کر سر اثبات میں ہلانے لگیں۔

”اس کے تاثرات کیسے تھے؟“ حرہ کھلکھلا کر پوچھ رہی تھی۔

”بہت برے۔“ عالیہ نے ہنسی دہائی۔

”تائی کا ”نیک پروین“ بننے والا سارا ڈرامہ فلاپ ہو گیا۔“ حرہ نے جیسے صائمہ تائی کا مذاق اڑایا تھا، عالیہ نے ہنس ہنس کر بھرپور سا تھ دیا۔

”تو اور کیا، ولید کے تیور کچھ اچھے نہیں تھے۔“ عالیہ کا انداز راز دارانہ ہو گیا۔

”ہوں، یہ تو بڑا خوش آئند عمل ہے، ورنہ تائی تو یتیموں کی سرپرستی کا بیڑہ اٹھا کر ولید کے سامنے مدرٹریا بنی ہوئی تھیں، بہت اچھا ہوا جو ولید، نشرہ کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی جان گیا۔“ حرہ جوش کے عالم میں نان اسٹاپ بولتی چلی گئی تھی۔

”اب دیکھیے گا، میں پتھر میں سوراخ کر کے کیسے ولید کو عینی کے چنگل سے نکالتی ہوں۔“ حرہ نے جیسے چنگلی بجائی تھی، گویا یہ کام اس کے بائیں ہاتھ کا تھا، وہ بڑی پر جوش نظر آ رہی تھی، کیونکہ ولید، اس کی ماں کو پسند نہیں کرتا تھا ہاں صائمہ تائی کو ضرور پسند کرتا تھا کیونکہ جو بھی تھا، نشرہ کے حوالے سے سارے کریڈٹ صائمہ تائی کے کھاتے میں جاتے تھے، نشرہ کی پردریش جیسے تھے ہی سہی، صائمہ تائی نے کی تھی، سو خاندان کی نظر میں وہ بلا کی خدا ترس اور بلند خاتون تھیں، یہی ایک اسٹرونگ پوائنٹ تائی کے ہاتھ میں تھا جو انجانے میں ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

☆☆☆

اس کی آنکھوں میں ناگواری کی لہر بہت دور سے بھی واضح ہو رہی تھی۔

فراخ پیشانی پہ ناگواری تھی، اس کے تاثرات میں بھی برہمی تھی، کچھ دیر تک تو ولید صورتحال سمجھنے کی کوشش کرتا رہا، چونکہ وہ نیند سے اٹھ کر آیا تھا، اس لئے کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا، لاؤنج کا منظر عجیب سا تھا، صائمہ مامی کا جلال کسی طور معمولی واقعہ کی طرف اشارہ نہیں کر رہا تھا، وہ کسی بھری شہرٹی کی طرح نشرہ پہ جھپٹ رہی تھیں اور نشرہ کسی سہمی چڑیا کی طرح کھڑی تھی، نشرہ نے کوئی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا تھا جو صائمہ مامی جیسی پولائٹ خاتون سارے اخلاق اور نرمابھٹ کو ایک طرف رکھے چار رہی تھیں۔

اس کی نیند بھری آنکھوں میں شدید الجھن تیر رہی تھی، آخر نشرہ سے کیا گناہ سرزد ہوا تھا؟ وہ جاننے کے لئے دو قدم آگے بڑھا تھا تب ہی صائمہ مامی کی نگاہ ولید پر پڑی، وہ لمحوں میں بھونچکی ہو گئی تھیں، جیسے کسی نے جادو کی چھڑی سے صائمہ مامی کو فریز کر دیا ہو، ان کے تاثرات سے لگ رہا تھا جیسے انہیں ولید کی گھر میں موجودگی کا پتا نہیں تھا، اگر پتا بھی تھا تب بھی ذہن سے لمحاتی طور پر محو ہو چکا تھا اور اب ولید کو اچانک سامنے دیکھ کر وہ عجیب سی بوکھلاہٹ کا شکار ہو رہی تھیں۔

ولید نے کچھ آگے بڑھ کر اپنے گیمبر بھاری لہجے میں دریافت کیا۔

”مامی! کیا مسئلہ ہے؟“ اس نے نشرہ سے نہیں، ڈائریکٹ صائمہ سے پوچھا تھا، اب جواب



بھی صائمہ تائی کو دینا تھا، آج وہ ولید کے سامنے بہت بری پھنس گئی تھیں، سمجھ نہیں آ رہا تھا، ولید کو منظر سے کیسے غائب کریں۔

”نشرہ نے کیا کر دیا؟“ جواب نہ پا کر بھی اس نے جیتے لہجے میں کہا تھا، صائمہ تائی تھوک نکل کر گڑ بڑا گئی تھیں، انہوں نے مارے بوکھلاہٹ کے اوپر کی طرف دیکھا تھا، کھڑکی کے پٹ بند تھے اور عالیہ ہمیشہ کی طرح آڑھے وقت میں ڈانچ دے کر منظر سے ہٹ چکی تھی، صائمہ تائی کو عالیہ چاچی کی غدار کی پہ جی بھر کے ناؤ آیا۔

”بڑی مکار عورت ہے، مجھے بڑھکا کر خود بھاگ گئی، میری بھی عقل گھاس چرے چلی گئی، کیا ضرورت تھی ولید کی موجودگی میں عدالت لگانے کی۔“ صائمہ تائی اپنی عقل کو کوسی بڑی شرمسار تھیں۔

”آپ نے بتایا نہیں۔“ وہ اب بھی نشرہ کو دیکھے بغیر صائمہ تائی سے مخاطب تھا، انہوں نے بے ساختہ نگاہ چرائی۔

”یہ پھسل گئی تھی۔“ صائمہ تائی نے گھبراتے ہوئے بتایا، ولید کی آنکھوں میں عجیب سا استہزاء بھر گیا تھا۔

”یہ پھسل گئی تھی؟ اور آپ اسے اٹھانے کی بجائے مار رہی تھیں یا حیرت؟“ ولید نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔

”اس نے ڈنر سیٹ بھی توڑ دیا، بڑا قیمتی ڈنر سیٹ تھا، باڑے سے منگوا یا تھا۔“ صائمہ تائی لکنت زدہ لہجے میں جھوٹ کی ملاوٹ کر رہی تھیں، ولید کی آنکھوں کا استہزاء بڑھتا رہا، جیسے تائی کا جھول نما جھوٹ اسے ہضم نہیں ہو رہا تھا۔

”ڈنر سیٹ توڑ دیا؟ اس کے کانچ کہاں ہیں؟“ اس نے آنکھیں میچ کر ادھر ادھر بڑے غور سے دیکھا، فرش پہ، تخت کے نیچے، صوفوں کے نیچے، دائیں بائیں ہر جگہ، ولید کو ایک بھی ٹوٹا کانچ دکھائی نہیں دیا۔

”نشرہ نے ایک ایک کانچ کا صفایا کر دیا ہے، ایک ٹکڑا بھی دکھائی نہیں دیا۔“ ولید کی حیرت پہ صائمہ تائی دانت پس کر رہ گئی تھیں۔

”ولید! یہ چورنی ہے، قیمتی سے قیمتی چیز چرا لیتی ہے، بڑی پرانی عادت ہے اس کی، بہت سمجھایا، پیار سے بھی مارے بھی، لیکن یہ سمجھتی نہیں۔“ مارے بوکھلاہٹ کے وہ الٹا سیدھا بول رہی تھیں، ولید لمحہ بھر کے لئے ٹھنکا۔

”کیا چرا یا ہے نشرہ نے؟“ اس کے لہجے میں واضح چبھن تھی۔

”بہت کچھ چرا چکی ہے نشرہ، کیا کیا بتاؤں؟ پچھلے سال میرے بندے چرا لئے، عینی کا موبائل غائب کر دیا، تمہارے ماموں کی گھڑی نجاب نے کہاں گئی، نوئی کی چین؟“ تائی فرائے سے جھوٹ بول رہی تھیں، ولید نے انہیں روکا نہیں، وہ پرسوج نظروں سے صائمہ تائی کو دیکھتا رہا۔

”اور کیا؟“ اس کا انداز بلا کا سنجیدہ تھا، صائمہ تائی نے سمجھا، ولید ان کے جھوٹ کو سچ سمجھ رہا ہے، وہ کچھ پر جوش ہو گئی تھیں۔

”بیٹا! کچھ نہ پوچھو، نشرہ کی فطرت ہی ایسی ہے، میری تربیت پہ داغ لگانے سے گریز نہیں



کرتی، لوگ تو مجھے ہی قصور وار ٹھہراتے ہیں۔“ ان کا لہجہ بلا کارقت آمیز ہو گیا، آنکھوں میں جھوٹ موٹ کا آنسو بھی بھر لائی تھیں۔

”تو ٹھیک ہی ٹھہراتے ہیں۔“ وہ زیر لب بڑبڑایا۔

”ماں باپ سر پہ نہیں، کئی بیشی ہمارے ذمے ہی آئے گی۔“ صائمہ تائی کا لہجہ بھرا گیا، وہ جلد از جلد ولید کو موضوع سے ہٹانا چاہتی تھیں۔

”اس میں کوئی شک نہیں۔“ ولید نے جیسے تائید کی۔

”اسی لئے سمجھاتی ہوں، کبھی پیار سے، کبھی مار سے کبھی ڈانٹ سے، تاکہ اگلے گھر جا کر ”جائے“ میں رہے، باپ دادا کی عزت کو بٹانہ لگائے۔“ صائمہ تائی نے دانت پیس کر سسکتی ہوئی نشرہ کو دیکھا، وہ ان کی گھوریوں کو سمجھ کر بھی اٹھنے مرنے کی بجائے اینٹھ کو سر جھکائے بیٹھ گئی تھی، صائمہ تائی کا بس نہیں چل رہا تھا، نشرہ کو اٹھا کر کسی کونے میں چپکا دیں، یا اس کی گردن کو دبا کر کھٹی کھٹی سسکیوں کو اس کے اندر ہی کہیں روک دیں۔

”نی الحال اس نے کیا چاہا ہے ماما؟“ تائی کی حتی المقدور کوششوں کے باوجود وہ دوبارہ ان کو موضوع کی طرف لے آیا تھا، تائی جیسے دھک سے رہ گئی تھیں، ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ ولید دوبارہ سے بات وہیں سے شروع کرے گا جہاں پہ ختم کی تھی، بلکہ بات اس نے ختم ہی کہاں کی تھی؟ وہ تو گھما پھرا کر وہیں لے آیا تھا۔

نشرہ نے دھکی نظروں سے گھٹنوں میں دیا سراٹھا کر ولید کی طرف دیکھا، وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا، بلکہ تائی کی طرف سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا، جو لمحوں میں پھر سے بوکھلا گئی تھیں۔

”تمہارے ماموں فروٹ کا ڈھیر اٹھالائے تھے، عینی نے کہا، تم ڈیلی فریش جوس لیتے ہو تو ہر قسم کا پھل منگوا یا تھا، میرے نظریے اوچھل ہوتے ہی نشرہ کی کمینگی نے کام کر دکھایا۔“ مرنا کیا نہ کرتا؟ تائی کو وجہ بتانا ہی پڑی تھی کیونکہ ولید وجہ جانے بغیر نہ ٹلنے والا تھا نہ جان چھوڑنے والا تھا، اس کی آنکھوں میں تحیر سا پھیل گیا۔

”نشرہ آدھے گھنٹے کی مدت میں باسکٹ کا صفایا کر گئی؟ یا حیرت، اس کی صحت سے لگتا تو نہیں۔“ ولید گویا بھونچکا رہ گیا تھا، نشرہ نے پھر سے ولید کو سرخ آنکھوں سے دیکھا، ایک کرلاتا شکوہ ننھے سے پانی کے قطرے کی صورت پلکوں کی حدیں توڑ کر نیچے کہیں گر گیا تھا، ولید نے بمشکل اس بھگتے منظر سے نگاہ چرائی۔

”تم نہیں جانتے بیٹا! یہ ایسے ہی مجھے ذلیل کرتی ہے، جانے کہاں تازہ فروٹ پھینک آئی، بس مجھے بھونکنے پہ مجبور کرتی ہے۔“ صائمہ تائی خود بھی کچھ دوکھی سی ہو رہی تھیں، ولید نے سمجھ کر سر ہلایا، گویا ساری بات اس کی فہم میں سما گئی تھی، اس نے صائمہ تائی کو تسلی دیتے ہوئے نشرہ کی طرف دیکھا۔

”بہت ہی نیچ قسم کی حرکت ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ ظرف اور ضمیر کا ہونا کتنا ضروری ہے ہر انسان کے اندر۔“ وہ مخاطب تو نشرہ سے تھا تاہم دیکھ صائمہ تائی کی طرف رہا تھا، صائمہ تائی کے اندر ٹھنڈ پڑ گئی تھی، ان کی اتنی بگواس بالآخر کام آچکی تھی، ولید کی نشرہ سے متنفر کر کے ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اتر آئی تھی، پچھلے بہت سے دن ہو چکے تھے ولید کی ہمدردیاں نشرہ کی طرف مڑ



رہی تھیں، صائمہ تائی نے بڑے سلیقے سے ولید کی ہمدردیوں کا رخ موڑ لیا تھا۔  
ولید ایک سلگتی نگاہ موجودہ منظر پہ ڈال کر دو قدم پیچھے ہٹا تھا، پھر اسی بکھرے حلیے میں پچھلی طرف مڑتا ہوا ڈرائنگ روم کے دروازے تک پہنچا تھا، اندر سے گفتگو کی بھنبھناہٹ باہر تک آرہی تھی، حالانکہ بولنے والے اپنے تئیں خاصے محتاط لگ رہے تھے، ولید نے وہیں کھڑے کھڑے جوتے کی نوک سے دروازے پہ ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا، دروازہ ”چر“ کی آواز کے ساتھ کھل گیا تھا، ولید نے وہیں کھڑے اندر کا منظر ملاحظہ کیا۔

دوسرے ہی بل اس نے صائمہ تائی کو آنکھ کے اشارے سے پاس بلایا تھا، تائی نا سمجھی کے عالم میں چلتی ہوئی بہر حال ولید کا اشارہ پا کر آگے بڑھ آئی تھیں، نشرہ بھی سر اٹھا کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگی، ولید نجانے کیا کرنے والا تھا؟

صائمہ تائی ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے کے اندر پھلے منظر کو دیکھ رہی تھیں، اسی حساب سے ان کی آنکھوں میں خجالت، شرمساری، کرب اور بے انتہا غصے کے تاثر ابھر رہے تھے، اندر کا منظر کم از کم صائمہ تائی کو کھڑے کھڑے بے ہوش کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔

ڈرائنگ روم کے اندر دور تلک سگریٹ کا دھواں پھیل رہا تھا، اس ناگوار غبار کے پیچھے ایسا منظر تھا جو فی الوقت صائمہ تائی کے لئے دیکھنا بڑا محال تھا وہ بھی ولید کی موجودگی میں، جبکہ ولید کی آنکھوں میں کیسی چھین اور استہزاء بھر رہا تھا۔

وہ اندر ہی اندر کٹنے لگیں، نشرہ سے نفرت اور پیزاری اپنی جگہ، کم از کم ولید کی بدگمانی کا بیڑہ اٹھانا بڑا محال تھا، وہ بھی اس صورت میں، جب اکلوتی نند نے ولید کے لئے ڈھکے چھپے لفظوں میں عینی کا ذکر بھی کر دیا تھا، صائمہ تائی کو لمحوں میں بازی الٹی محسوس ہو رہی تھی۔

انہیں عالیہ بہ شدید قسم کا غصہ آیا تھا، کیسا ڈھکا چھپا وار کیا تھا، دو منٹوں میں ان کا ولید کے سامنے بنا بنایا امیج بگڑ کر رہ گیا تھا اور اب اپنی ہی مسخ شدہ شکل ولید کی آنکھوں کے آئینے میں دیکھنا کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

انہوں نے آنکھیں مسل مسل کر ایک مرتبہ پھر اندر کے منظر کو دیکھا تھا۔  
نومی اپنے تین آوارہ دوستوں کے ساتھ کیلے، سیب اور انار کھاتا ارد گرد کے ہر منظر سے بے خبر تھا، سینٹرل ٹیبل پہ چھلکوں کی ڈھیری صائمہ تائی کو طنزیہ انداز میں دیکھ رہی تھی، وہ سر سے پیروں تک شرمساری کے غلاف میں لپٹ گئی تھیں۔

معا ان کے پیچھے نشرہ بھی آکھڑی ہوئی تھی، ولید نے نگاہ موڑ کر نشرہ کی طرف دیکھا، نشرہ کی آنکھوں میں تشکر کی واضح چمک ولید کو مسکرا نے پر مجبور کر گئی تھی، وہ اسے وکڑی کا نشان بنا کر دکھاتا اپنے روم کی طرف بڑھ گیا تھا، جبکہ صائمہ تائی ابھی تک شرمسار اور ششدر کھڑی سوچ رہی تھیں کہ اب کیسے ولید کے سامنے صفائی پیش کریں۔

(باقی اگلے ماہ)



روشنی

روشنائی عہد القیوم





دانستہ ہماری آواز پر پلٹ کر نہیں آتے  
گزشتہ موسموں کی طرح  
بہار نے  
بھی

تمہاری یاد کے دیپ جلانے  
تمہاری چاہ کے پتھر گھر آئے  
یہ کیسی بہار آئی ہے  
کہ

پھر تمہاری یاد کی کونپلیں پھوٹ پڑی ہیں  
کاش اب کے برس  
تمہاری یاد نہ آتی  
یا پھر یہ بہار.....  
کاش

اب وہ دونوں پہلے کی طرح ایک دوسرے کے  
گلے سے لگی رو رہی تھیں۔

وہ مرد جو ایسا منظر دیکھنا چاہتا تھا وہ حسرت  
لے چلا گیا، تو وہ دونوں پہلے کی طرح ایک ہو  
گئیں، دکھ سا نبھاتا تھا۔

درمیان کا عرصہ اس مرد نے کسی قیامت کی  
طرح عذاب میں گزارا تھا۔

ہمیشہ نقصان ہونے کے بعد بندے کو  
احساس کیوں ہوتا ہے، وہ کیوں نہیں سنبھلتا؟ کہ  
پھر پچھتانا پڑا جاتا ہے؟

☆☆☆

”جب دیکھو، کہیں گی نمک زیادہ ہے کھی  
زیادہ ہے، یہ نمائز سالن میں کیوں اتنے زیادہ  
ڈالے ہیں، سر پر کھڑی ہو کر نگرانی میں کھانا بناتی  
ہیں مجھ سے، حد ہوتی ہے ہر بات میں کیڑے  
نکالتی رہتی ہیں، بھئی میری زندگی جینے دیں مجھے،  
آپ نے تو جی لیا، شرجیل مجھے پھپھو کے ساتھ  
نہیں رہنا، سن لیا آپ نے یہ میں آخری بار کہہ  
رہی ہوں، مگر نہ میں امی کے ہاں چلی جاؤں گی،

دو بد نصیب عورتیں پچھتاوے اور دکھ کے  
آنسوں بہا رہی تھیں، وقت خاموش تماشا بنی ان  
دونوں کو تھکا رہا تھا، ایک بد نصیب مرد کے لئے وہ  
دونوں رو رہی تھیں، ایک عورت جو ماں تھی اور  
دوسری محبوب بیوی، دونوں عورتیں اس مرد کے  
آنے سے پہلے اور بعد میں بہت مطمئن تھیں بس  
درمیان کا عرصہ ناقابل برداشت تھا جانے کیا ہوا  
کہ سب کچھ یک دم بدل گیا؟ مگر نہ سب کچھ  
ٹھیک ٹھاک چل رہا تھا، دو عورتیں ہمیشہ ایک  
ساتھ مطمئن ہوتی ہیں، مگر درمیان میں تیسرا فرد  
کوئی مرد ہو، جو آ جائے تو وہ اطمینان غارت ہو  
جاتا ہے، چاہے وہ سونکیں ہوں، چاہے وہ نند  
بھابھی ہوں یا چاہے وہ ساس بہو ہو، ایک مرد کا  
ہونا سب کا ان کا دسکون چین لیتا ہے، دو عورتیں  
بھی دشمن بن جاتی ہیں۔

آج بھی ہمیشہ والا قصہ دہرایا جا رہا تھا، دو  
عورتیں ایک مرد کے لئے آنسوں بہا رہی تھیں،  
اس کے ہونے پر نہیں، بلکہ نہ ہونے پر۔

اس بہار میں

ایسا ہو

کہ

تم لوٹ آؤ

لیکن نہیں

اب یہ ممکن ہو کیسے؟

کہ

تم تو جا چکے ہو

اور

جو چلے جاتے ہیں

وہ واپس کب آتے ہیں؟

وہ صدائیں کب سنتے ہیں؟

جو چھوڑ جاتے ہیں

پھر وہ



آپ ماں بیٹے کو تو میں انسان ہی نہیں لگتی۔“ وہ سوں سوں کرتی شرجیل سے کہتے ہمیشہ کی طرح اہمیت نہ ملنے پر دھمکی دینے پر اتر آئی۔

شرجیل جو لنچ کے لئے آیا تھا، اب بیڈ پر بیٹھا جوتے کے تسمے باندھ کر جانے کی تیاریوں میں تھا، سوچ میں پڑ گیا۔

شادی سے پہلے اماں یعنی شرجیل کی ماں اور سبیلہ میں بے انتہا محبت تھی، دونوں بات بات پر گلے لگ جاتیں، ایک دوسرے کے منہ چھوم لیتیں، ایسی محبت کے کیا دو سہیلیوں یا بہنوں میں ہوتی ہوگی، ان کی مثال زبان زد عام تھی۔

سبیلہ اپنے گھر نہیں ٹھکتی تھی، کالج سے آ کر سیدھا پھپھو کے ہاں پہنچ جاتی، دونوں طرف ایک ہی حال تھا۔

شرجیل نے نوکری پر لگتے ہی گوری چٹی لڑکی سے شادی کا مطالبہ کر دیا ماں نے جٹ سے سبیلہ کا نام اگلو تے بیٹے کے سامنے رکھا، وہ تو تھا ہی فرمانبردار سانوئی سلہنی، سی سبیلہ سے شادی کے لئے راضی ہو گیا اور پھر کیا؟ جن کا دن ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھے بغیر گزرتے ناں تھے آج وہ ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کی روادار ناں تھیں، پہلے جس محبت کے قصے زبان زد عام تھے جس پھپھو بھی کو خاندان والے لیلیٰ مجنوں کہہ کر چھیڑتے، آج وہ دونوں ایک دوسرے کی جانی دشمن بن گئیں تھیں۔

درمیان میں شرجیل بیچارہ پس کر رہ گیا تھا، وہ ٹھنڈی آہ بھرتا کمرے سے باہر آ گیا۔

”ہاں ہاں میری بات کا جواب کیا دیں گے، پھپھو نے خوب بھرا ہو گا آپ کو، کہ نوکرائی ہے بس کام لیتے رہو، اس کی خوشی کا خیال نہ رکھنا، میری خوشی بھلا کہاں ان سے برداشت ہوتی ہے۔“ وہ روتے ہوئے جل کر کہتی پیچھے صحن

میں آئی تھی۔ سامنے تخت پر پان بناتی اماں کے کان کھڑے ہو گئے وہ بھلا کہاں جواب دینے سے چھوکتی تھیں جٹ بولیں۔

”شرجیل بیٹا میں نے ناحق ظلم کمایا تم پر، اچھا تھا کسی بھلی عورت سے اپنی پسند کی شادی کر لیتے، میں نے یہ بلا سرمنڈ دی، اب بھی وقت ہے دو بول لکھ کے چلتا کرو، عورتوں کی کمی نہیں میرے شہزادے کے لئے، اب دیکھو یہ نہیں کہ سارا دن دفتر میں مغز ماری کرتا ہے تھکن ہوگی، کراچی کے حالات کا بھی پتہ ہے مگر یہ ڈائن کہاں چپ ہوگی، بس اپنے آرام کا خیال ہے، شوہر جائے بھاڑ میں۔“

”ہاں ہاں میں یہ تو فساد کی جڑ ہوں، آپ تو دودھ کی دھلی ہیں ناں، جب دیکھو مجھے طعنے دیتی ہیں۔“ اس سے پہلے کہ سبیلہ کی بات کا جواب اماں دیتی شرجیل چلایا۔

”اللہ مجھے موت دے دے تاکہ دونوں کو سکون ملے، یہاں نہیں تو کم از کم قبر میں سکون سے تو رہوں گا، جب دیکھو چی چی چی۔“ وہ غصے میں باہر چلا گیا، ساس بہو پھر شروع ہو گئیں۔

☆☆☆

اور پھر گاڑی ڈرائیو کرتے انہی مسائل کو سوچتے اس کی کارٹرالر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئی، وہ مر گیا دعا قبول ہو گئی اور اب واقعی وہ دونوں پہلے کی طرح ہو گئیں، غم ایک تھا کچھ دن سوگ والا ماحول رہا رفتہ رفتہ دونوں نے سمجھوتا کر لیا، کبھی کبھار دونوں سوچتے سوچتے ایک دوسرے کو دیکھتیں تو نظریں اشک بار ہو جاتیں۔

واقعی اس نے ٹھیک کہا تھا، سارا فساد ہی اس کے ہونے کی وجہ سے تھا۔

☆☆☆

مارچ 2015

41

حصہ



رہی تھی، عائشہ کو عروہ کا دیر تک سونا قطعاً پسند نہ تھا، مگر وہ ان کی ایک نہ سنتی تھی۔

”غضب خدا کا، آدھا دن چڑھ آیا اور اس کی نیند پوری نہیں ہوئی۔“ ساجدہ نے ناگواری کا برملا اظہار حیرت سے ناک پر انگلی رکھ کر کیا، عائشہ چپکی رہیں ابھی کچھ کہنا ان کے غصے کو ہوا دینے کے مترادف تھا۔

”اماں! میں سوچ رہی ہوں، ہم اس سال سے آٹا کی بجائے گندم لینا شروع کر دیتے ہیں۔“ فاطمہ نے گفتگو کا موضوع بدلا، انہیں گندم کی روٹی جتنی پسند تھی اماں کو اتنی ہی نا پسند، ان سے گندم کی روٹی نہ کھائی جاتی تھی۔

”نہ فاطمہ! مجھ بوڑھی کا کچھ خیال کرو۔“ اماں نے صاف انکار کر دیا وہ اپنے دانتوں کا مسئلہ بیان کرنے لگیں، انہیں کمزور دانتوں اور داڑھ درد کا مسئلہ تھا، موضوع گفتگو بدلا تو عائشہ

سنہری دھوپ کی مدت سارے لان میں پھیلی ہوئی تھی، دھوپ نے کئی روز بعد دیدار کروایا، سبھی اس نے فیض یاب ہونے کے لئے لان میں موجود تھے، ارشد اور شاہد آفس جا چکے تھے، عاذب آفس کی تیاری کر رہا تھا، جبکہ ابرین اور میزاب یونیورسٹی جا چکے تھے اور عروہ خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی، دادی بہو اور بیٹی کے ساتھ لان میں دھوپ سینک رہی تھیں۔

”عروہ کہاں ہے وہ نظر نہیں آ رہی ہے۔“ بہو سے باتوں میں کچھ ساجدہ کو اچانک نو اسی کا خیال آیا تو انہوں نے پلٹ کر ساگ کانتی بیٹی سے پوچھا۔

”اماں! وہ ابھی جاگی ہی کہاں ہے؟“ عروہ کو چھٹی والے دن جلدی اٹھنا نا پسند تھا، اس کی صبح گیارہ بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی وہ گریجویشن کے ایگزامز کے بعد رزلٹ کا انتظار کر

## مکمل ناول





# بہارِ رقصِ آئنی

فرحت عمران





انہیں باتوں میں محو چھوڑ کر اٹھ گئیں۔

☆☆☆

”عروہ بیٹا! اٹھ جاؤ اب۔“ عائشہ نے پردے برابر کر کے کبل سر تک تانے سوئی عروہ کے سر سے کبل کھینچا، نیند میں محو عروہ نے جھنجھلا کر کروٹ بدلی اور برا منہ بناتے ہوئے تکیہ چہرے پر رکھ لیا۔

”تم اٹھتی ہو یا میں تم پر پانی گراؤں۔“ عائشہ اپنی دانت میں اسے جگا کر واپس پلٹنے کو تھیں کہ اسے دوبارہ سوتا دیکھ کر غصے سے رک گئیں۔

”امی کیا ہے، مجھے کون سا کوئی کام کرنا ہے۔“ عروہ نے جھنجھلا کر دور کی کوڑی لائی، عائشہ کے سر پر لگی اور پاؤں پر بجھی، ان کے ہاں صفائی اور دیگر کاموں کے لئے ملازمائیں تھیں، گھر کی عورتوں کا شعبہ صرف کوئنگ اور ملازمین کی نگرانی تھا، عروہ کے اٹھے تک صغیراں اور راشدہ آدمی سے زائد کام نمٹا چکی ہوتی تھیں۔

”عاذب بھائی آفس چلے گئے؟“ اس کی بولتی ماں کی گھوری نے بند کر دی، وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر جھائی روکتے ہوئے اٹھ گئی۔

”ہر کوئی تمہاری طرح فارغ نہیں ہے، وہ تمہارے ابو اور ماموں سے کچھ دیر بعد چلا گیا تھا۔“ عائشہ ناراضگی سے کبل تہہ کر کے بستر درست کرنے لگیں۔

”آپ بھی روایتی ماؤں کی طرح ہمیشہ بیٹے کی طرف داری کرتی ہیں۔“ عروہ بات مکمل کر کے تیزی سے داش روم میں گھس گئی، عائشہ کے لیوں پر اس کی بات پر دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

”ایکسکوز می!“ ابریق اور میزاب یونیورسٹی کی کینٹین میں چائے سے لطف اندوز

ہوتے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ اک نرم نسوانی خوبصورت آواز نے ان کی توجہ کھینچی، دونوں نے چونک کر دیکھا، وہ ان کی نئی کلاس فیلو تھی، ان کی کلاسز شارٹ ہوئے اڑھائی ماہ ہو چکے تھے جبکہ رائے مائیکریٹ ہو کر دو ہفتے قبل ہی آئی تھی، وہ ابریق سے مخاطب تھی، میزاب نے اسے غصے سے گھورا۔

”جی فرمائیے۔“ ابریق نے شائستگی و نرمی کا مظاہرہ کیا تو میزاب کا غصہ بڑھ گیا، وہ اپنا غصہ ضبط کرنے کے لئے بلاوجہ اپنا بیگ کھول کر جھانکنے لگی۔

”مجھے آپ کے نوٹس چاہیے تھے تاکہ میں اپنی اسٹڈی کا نقصان پورا کر سکوں۔“ رائے نے نرمی سے گویا اپنی آمد کا مقصد بتایا، ابریق اور میزاب کلاس کے سی آر اور جی آر تھے، وہ اپنی ذہانت و قابلیت کی بناء پر تمام اساتذہ کے پسندیدہ سٹوڈنٹس تھے، ان کا قاریسی کا آخری سال تھا، ان دونوں کا اصول تھا کہ وہ دوران تعلیم اپنے نوٹس کسی کو نہ دیتے تھے اور اپنا سال مکمل ہونے پر پرانے تمام نوٹس ڈیپارٹمنٹ کی فوٹو سٹیٹ دکان میں رکھ دیتے تھے تاکہ ان کے جونیئر ان کے نوٹس سے فائدہ اٹھا سکیں، بلکہ ان کے چند اساتذہ ابتدائی رہنمائی کے لئے جونیئر سٹوڈنٹس کی انہی کے پاس بھیجتے تھے وہ دونوں بھی کھلے دل سے ان کی مدد کرتے تھے مگر اب مسئلہ صرف یہ تھا کہ ایک خوبصورت لڑکی ابریق سے ہیلپ مانگ رہی تھی حالانکہ میزاب بھی وہیں تھی اس کے لئے یہی بات ناقابل برداشت تھی، وہ ابریق پر صرف اپنا حق سمجھتی تھی۔

”او کے میں کل آپ کو لا دوں گا۔“ ابریق نے شائستگی و نرمی بحال رکھتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا، میزاب نے بری طرح چونکتے ہوئے سر



بیک سے باہر نکالا اور ایریق کو زیر دست گھوری سے نوازا، یہ ان دونوں کے اصول کے خلاف تھا، وہ دونوں تمام نوٹس مل کر تیار کرتے تھے، اس نے اصول توڑتے وقت میزاب سے مشورہ بھی نہ کیا تھا۔

”سنیں۔“ رائے ممنونیت کا اظہار کرتی پٹی تو میزاب نے اسے آواز دی۔

”آئی ایم سوری ہم اپنے نوٹس دوران تعلیم کسی کو نہیں دیتے ہیں۔“ میزاب نے لمحہ بھر میں اسے مایوس کر دیا، ایریق حق حق خاموش رہ گیا، اسے میزاب سے یہ امید نہ تھی کہ وہ اس کے اقرار کے بعد انکار کرے گی، وہ خجالت سے جوتے کی ٹوک گھورنے لگا۔

”میں یہاں نئی ہوں، میں نے سٹوڈنٹس سے آپ دونوں کی بہت تعریفیں سنی تھیں اسی لئے آپ سے ہیلپ لینے چلی آئی تھی، مجھے نہیں علم تھا کہ میں نے غلط سنا ہے۔“ وہ آہستگی سے جتلا کر اسے خفیف کر کے چلی گئی۔

”تم نے کیسے فوراً مجھ سے مشورہ کیے بغیر ہاں کر دی۔“ وہ اس کے جانے کے چند لمحوں بعد اپنی خفت پر قابو پاتے ہوئے ایریق پر چڑھ دوڑی۔

”اگر میں نے ہاں بھری تھی تو تمہیں انکار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“ ایریق کو بھی غصہ آ گیا۔

”اچھا! ایک خوبصورت لڑکی کی ناراضگی کا خوف ہے جناب کو۔“ میزاب نے اس کے غصے کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے گہرا طنز کیا اور خفگی سے بیک اٹھا کر چلی گئی، دونوں کے جھگڑے میں چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی، وہ غصے سے میز پر مکا مارتے ہوئے جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

”میزاب یا راب مان بھی جاؤ۔“ اس نے پورا دن یونیورسٹی میں بھی ایریق سے بات نہ کی تھی اور گھر آ کر بھی خفگی سے منہ پھلائے ہوئے تھی اس کی خفگی سہنا ایریق کے لئے بہت مشکل تھا وہ دونوں ہم عمر اور اکٹھا بڑھتے آئے تھے، ایریق کو ڈاکٹر بننے کا شوق تھا، مگر اس نے محض میزاب کی خاطر قاریسی میں داخلہ لیا تھا، انہوں نے شعور کی پہلی منزل سے ایک دوسرے کو چاہا تھا مگر کبھی اظہار کی نوبت نہ آئی تھی وہ بناء کہے اک دوسرے کے حال دل سے آگاہ تھے۔

”میزاب سوری۔“ وہ ہنوز خفگی بھری لاپرواہی سے جھولا جھول رہی تھی کہ ایریق نے اس کا جھولا پکڑ کر روک دیا، وہ ماتھے پر تیوری ڈالے جھولے سے اتر گئی۔

”تمہیں ضرورت کیا تھی خواہ مخواہ اتنا خوش اخلاقی دکھانے کی۔“ وہ غصے سے اس پر چڑھ دوڑی وہ ایریق کا کسی بھی لڑکی سے فری ہونا پسند نہ کرتی تھی۔

”اوہ تو تمہیں سارا غصہ اسی بات کا ہے۔“ ایریق نے شوخی سے اس کی بات پکڑی، وہ تھک چھپ کر دو قدم پیچھے ہٹی۔

”میں سمجھ رہا تھا تمہیں نوٹس لیک آؤٹ ہونے کا ڈر ہے۔“ ایریق اسے شوخ والہانہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے زچ کیے جا رہا تھا۔

”ہاں ہے یہی بات، اگر آئندہ تم نے کسی لڑکی سے بات بھی کی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“ وہ اگلے لمحے دوبارہ جنگلی بلی کا روپ دھارے اس پر جھپٹی تھی وہ دونوں یونہی تھے ایک پل لڑائی تو اگلے پل صلح، ان دونوں میں اتفاق بھی بہت تھا مگر کب لڑائی ہو جائے کچھ خبر نہ ہوتی۔

”شکر ہے تم مانی تو۔“ ایریق کی محبت کی لو دیتی آنکھوں نے اسے اپنے خول میں سمٹ



جانے پر مجبور کر دیا، وہ دھڑکنوں کے ارتعاش سے گھبرا کر وہاں سے جانے لگی۔

☆☆☆

”لیہا بیٹا تم نے اپنی پیکنگ مکمل کر لی۔“  
خلیل نے رائس پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اکلوتی بیٹی سے پوچھا، جو سوچوں میں گم کھوئی کھوئی سی بے دلی سے ڈنر کر رہی تھی۔

”لیہا بیٹا! کیا بات ہے۔“ لیہا نے بے دھیانی میں کم باب کے سوال کا جواب نہ دیا تو قاخرہ نے اسے نرمی سے ٹوکتے ہوئے اس کا کندھا ہلایا۔

”کچھ نہیں ماما! بس ایسے ہی۔“ لیہا چاول کھانے لگی اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔  
”بیٹا کوئی پریشانی ہے کیا؟“ خلیل تھکر میں گھر گئے۔

”نہیں ڈیڈی! بس ذرا فرینڈز سے پچھڑنے پر دل اداس ہے۔“ لیہا کے لہجے میں کمی تھل گئی اور حلق میں چاول اٹکنے لگے۔

”بیٹا! ادھر تمہاری پھوپھی ہیں تم وہاں جا کر بھی نئے دوست بنا لینا۔“ قاخرہ سے بیٹی کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھے گئے انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی چوم کر اسے تسلی دی، خلیل ریلوے میں اونچے عہدے پر فائز تھے ان کا اکثر کہیں نہ کہیں ٹرانسفر ہوتا رہتا تھا وہ چھ سال سے ساہیوال میں سینٹل لائف گزار رہے تھے کہ ان کا اچانک راولپنڈی ٹرانسفر کر دیا گیا، لیہا تھرڈ ایئر (گریجویٹیشن) کی سٹوڈنٹ تھی اس کی کئی فرینڈز بن چکی تھیں جن سے پچھڑنے پر وہ اداس تھی۔

”جی ماما!“ اس نے آنسو پونچھتے ہوئے مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے ڈیڈی کی پریشانی کم کرنا چاہی، وہ ماں کی نسبت باب سے زیادہ کلوز تھی اور ہر بات ان سے بلا جھجک کر لیا کرتی تھی، خلیل

کے لیوں پر آسودہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

پارٹی پورے عروج پر تھی، شہر کی تمام کریم اکٹھی تھی، ہر سو بڑی بڑی بیگمات کے زرو جواہر سے لدے وجود اور امراء و روساء کے بے فکرے قہقہے تھے، سیٹھ نذیر شہر کا بہت بڑا صنعتکار تھا، اس کا اکلوتا بیٹا بیرون ملک سے تعلیم مکمل کر کے لوٹا تھا، سیٹھ نے یہ پارٹی بیٹے کو اپنے سوشل سرکل میں متعارف کروانے کے لئے منعقد کی تھی، زارون کی زبردست سٹیلیٹی نے کئی امیر گھرانوں کی لڑکیوں کی توجہ کھینچی تھی، کچھ نے اسے باقاعدہ کمپنی بھی دینا چاہتی مگر وہ محتاط رہا، اسے ابھی پھونک پھونک کر قدم رکھنا تھا۔

”زارون! تم یہاں کیوں بیٹھے ہو۔“ اس کا دل پارٹی کے ہنگاموں اور ہلٹر بازی سے بیزار ہوا تو باہر لان میں نسبتاً پرسکون گوشے میں آگیا، زارون نے چونک کر نظر اٹھائی تو ایک اور دعوت نگارہ اس کا منتظر تھا، وہ جو کوئی بھی تھی بلاشبہ بے حد حسین تھی، اس کا ڈیپ گلہ، سیلویس لانگ شرٹ (جس کے دامن پر درمیان میں خاصا بڑا کٹ تھا) اور گہرا میک اپ اور لبھاتی ادائیں زارون کی توجہ کھینچتا چاہ رہی تھیں، زارون کی بیزاری بڑھ گئی۔

”میں ذرا کھلی فضا میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔“ زارون نے اکتا کر نظریں بدل لیں وہ فطرتاً سادگی پسند تھا، اس نے باہر بے باکی کے کافی مظاہرے دیکھے تھے مگر اس کا دل کبھی بے باکی کی سمت مائل نہ ہو سکا تھا۔

”چلیں میں آپ کو کمپنی دیتی ہوں۔“ وہ اس کے عین سامنے ٹک گئی غالباً وہ زارون سے ہر صورت دوستی کرنا چاہتی تھی۔

”نو ٹھینکس۔“ زارون نے انتہائی رکھائی



سے اسے جانے کا اشارہ کیا، وہ احساس توہین سے سلگ کر پاؤں پٹختی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

”ڈیڈی! کیا آپ نے ”ملک اینڈ برادرز“ کو لیدر سیمپل سے نئے معاہدے کیے تھے۔“ ”ملک اینڈ برادرز“ سے ان کا معاہدہ فائنل نہ ہوا تھا، وہ اسی بات پر شاہد صاحب سے ڈسکس کر رہے تھے، عاذب دروازہ ٹاک کر کے اندر آ گیا۔

”آؤ بیٹا! ہم اسی پر غور کر رہے تھے۔“ شاہد نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا، عاذب کرسی سنبھال کر بیٹھ گیا۔

”بھائی جان آپ کیا کہتے ہیں۔“ ارشد ”ملک اینڈ برادرز“ کو سیمپل بھجوانے کے حق میں نہ تھے، ”ملک اینڈ برادرز“ پر کرپشن کیس دو روز قبل منظر عام پر آیا تھا، وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کسی مشکل میں پھنسیں، ٹیب ”ملک اینڈ برادرز“ کے تمام اثاثوں اور بزنس ڈیلنگ کی کڑی تفتیش کر رہی تھی، ارشد نے اپنا مدعا بیان کرنے کے بعد ان کی رائے مانگی۔

”ہوں۔“ وہ غلط نہ سوچ رہے تھے، ان کی ڈیلنگ ابھی طے نہ ہوئی تھی سو آغاز میں معاہدہ ختم کرنا آسان تھا، شاہد نے پر سوچ انداز میں ہنکارا بھرتے ہوئے ماتھا مسلا۔

”کیا میں اپنی کوئی رائے دے سکتا ہوں۔“ عاذب نے بازو گھٹیوں کے بل میز پر ٹکاتے ہوئے دونوں پر باری باری نظر ڈالی۔ ”بالکل بیٹا، کیوں نہیں۔“ ارشد نے محبت پاش نظروں سے بھانجے کو دیکھا۔

”ماموں جان میرا خیال ہے کہ سیمپل بھجوانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔“ عاذب نے رائے دیتے ہوئے دانستہ توقف کیا، وہ دونوں

ہمد تن گوش تھے۔

”ملک اینڈ برادرز۔“ ملک کی بہترین کمپنیز میں سے ہے ان کا اپنا ایک معیار اور نام ہے، ٹیب ان پر الزام ثابت کرے یا نہ کرے مگر انہیں سیمپل پسند آنے پر ہماری مارکیٹ ویلیو بڑھ جائے گی، بالغرض ان پر کیس درست بھی ہے تو ان کے بزنس ریکارڈ میں ہمارا نام کہیں نہیں ہے۔“ عاذب نے سکون سے بات مکمل کر کے، وہ دونوں اس سے متفق ہو چکے تھے۔

”پھر سیمپل کب بھجوائے جائیں۔“ ارشد نے چند لمحوں بعد مشورہ مانگا۔

”ماموں جان! ابھی غلٹ نہ کریں، میں خود ٹیکسٹ ویک تک سیمپل بھجوادوں گا۔“ عاذب میز پر پھیلے پیپرز سمیٹنے لگا۔

☆☆☆

”امرتی پلیز! تم بھی آج چھٹی کر لو۔“ میزاب نے سچی لہجے میں اس کی منت کی، میزاب دو روز سے بخار میں پھنک رہی تھی، سر پاشا کلاس کا امپورٹنٹ ٹیسٹ لے رہے تھے وہ دونوں سر پاشا کے چہیتے سٹوڈنٹس تھے، میزاب بیماری کی وجہ سے ٹیسٹ مس کر رہی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ امرتی بھی ٹیسٹ نہ دے وہ امرتی کو خود سے آگے بڑھتا نہ دیکھ سکتی تھی، وہ یونیورسٹی کے لئے تیار ہو رہا تھا، میزاب مسلسل اس کے کان کھائے جا رہی تھی۔

”تم دعا کرو مجھے بھی بخار ہو جائے پھر میں نہیں جاؤں گا۔“ امرتی بوٹ کے تسمے باندھتا ہوا شرارت پہ مائل تھا، آج کا ٹیسٹ خاص امپورٹنٹ تھا، ان نے کبھی کسی بھی کلاس میں از خود کوئی ٹیسٹ مس نہ کیا تھا، سو اس کا موڈ میزاب کی بات ماننے کا قطعاً نہ تھا۔

”امرتی پلیز میری خاطر۔“ میزاب نے



منت کی، ان دونوں میں کھینچ رہتا تھا، ابریق کے ٹیسٹ میں زیادہ نمبرز آ جاتے تو وہ سب کے سامنے اٹھلاتا پھرتا۔

”سوری سو میٹ کزن، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ ابریق اس کی منت سماجت کی پرواہ کیے بغیر آگے بڑھ گیا، وہ غصے سے چہرہ پختی اندر بڑھ گئی۔

☆☆☆

”لیہا! بیٹا تمہاری قاطرہ پھپھو کا فون آیا تھا۔“ وہ بیڈ پر نیم دراز پاؤں جھلائی ٹی وی دیکھ رہی تھی، قاخرہ دروازہ ٹاک کرتی اندر داخل ہوئیں، وہ سیدھی ہوٹھی اور ریوٹ سائڈ ٹیبل پر رکھ کر بالوں کی پونی ٹیل بنانے لگی، خلیل کو ابھی چند ضروری معاملات نبھاتے دو ہفتے لگنے تھے، قاخرہ چاہتی تھیں کہ لیہا اسلام آباد قاطرہ کے ہاں ان کی آمد تک رہے تاکہ اس کی تعلیم کا خرچ نہ ہو۔

”بیٹا! تمہاری پھپھو کہہ رہی تھیں کہ ابریق تمہارا داخلہ کسی بہترین کالج میں فوراً کروادے گا۔“ قاخرہ اس کی اسٹڈی کے لئے فکر مند تھیں، انہوں نے نند سے ذکر کیا تو انہوں نے تسلی دی تھی اور وہ بے فکر ہو گئی تھیں۔

”تمہاری پکینگ مکمل ہے نا۔“ اس کی شام کی فلائٹ میں بکنگ تھی، وہ دو روز سے پکینگ میں مصروف تھی، اسے کبھی رکھنا بھول جاتا تو کبھی کچھ، قاخرہ نے اسے سامنے اس کی پکینگ مکمل کروائی تھی مگر وہ پھر بھی مطمئن نہ تھی، انہوں نے اٹھتے ہوئے احتیاط پوچھا، وہ کسی پارٹی میں جا رہی تھیں۔

”جی ماما!“ لیہا نے سر ہلاتے ہوئے بال پیچھے جھکے تو پونی ٹیل گولائی میں گھوم گئی۔

”او کے میں شام تک آ جاؤں گی اور تمہیں

خود ایئر پورٹ چھوڑنے جاؤں گی۔“ لیہا نے کبھی تنہا سفر نہ کیا تھا، اسی لئے وہ پزل تھی حالانکہ وہ خاصی بولڈ اور پر اعتماد لڑکی تھی مگر اکیلے سفر کرنے کے تصور اور ایئر پورٹ پر بورڈنگ کارڈ اور دیگر معاملات نمٹانے سے ہی اسے ہول اٹھ رہے تھے، اسے ڈیڈی نے تمام پروبلیمز سمجھا دیا تھا، لیکن اس کی گھبراہٹ ختم نہ ہو رہی تھی، قاخرہ نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے گرجوٹی سے خود سے لپٹا لیا، اس کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ کم ہونے لگی تھی۔

☆☆☆

کلاس میں خاصا شور تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ دے رہی تھی، موضوع گفتگو ابریق کے ٹیسٹ میں شاندار مارکس تھے، وہ ہفتہ بھر کے بخار کے بعد آج ہی پونیورسٹی آئی تھی چونکہ فری پریڈ تھا، سو کبھی سٹوڈنٹس بے فکری سے محو گفتگو تھے، میز اب کا دل جل جل کر خاک ہوا جا رہا تھا، اس کا جی چاہا کہ وہ ابریق کو کچا چبا ڈالے اگر وہ اس کی بات مان لیتا تو آج اسے ابریق، ابریق کی پکار نہ سننا پڑتی اس پر طرہ ابریق کا اکڑا کر مسکراتے ہوئے میز اب کو دیکھنا تھا، وہ مزید جل کر خاک ہو گئی۔

”یار ابریق تم مجھے اپنا ٹیسٹ دینا، میں نوٹس اسی سے تیار کروں گا۔“ ابریق کا گہرا دوست اسدان دونوں کے ریلیشن شپ سے واقف تھا، وہ میز اب کی بیماری اور اس کا ابریق کو چھٹی پر فورس کرنے سے بھی آگاہ تھا اس نے شرارت سے ابریق کو آنکھ مارتے ہوئے میز اب کو مزید جلایا، وہ ابریق کی کامیابی پر بے حد خوش تھی مگر اسے اپنی غیر حاضری کا دکھ مارے جا رہا تھا، اگر وہ بیمار نہ ہوتی تو آج اس کا نام بھی ابریق کے نام کے ساتھ سٹوڈنٹس کی واہ واہ میں شامل



ہوتا، میزاب خود پر ضبط کیے بیٹھی رہی اس نے اسد کی بات سنی ان سنی کر دی تھی۔

”آف کورس یار، وائے ناٹ۔“ ابریق کے اصول سے اسد واقف تھا، وہ دوست کی شرارت سمجھ کر میزاب کو تپانے میں اس کا ہموابن گیا میزاب کا ضبط ٹوٹ گیا وہ ان دونوں کی شرارت سمجھ گئی تھی مگر اس سے وہاں بیٹھنا دو بھر ہو گیا تھا۔

”کہاں چلیں تم۔“ میزاب کی بیسٹ فرینڈ نازش نے اسے اٹھتے دیکھ کر تعجب سے پوچھا، اگلا پریڈ سٹارٹ ہونے میں دس منٹ رہ گئے تھے اور سر تیمور وقت کے بے حد پابند تھے وہ اپنی کلاس میں کسی سٹوڈنٹ کی ایک منٹ کی تاخیر بھی برداشت نہ کرتے تھے، اسی لئے تمام سٹوڈنٹس ان کے پریڈ میں کبھی دیر سے نہ پہنچتے تھے اور پھر ان کا پریڈ تو اسی کلاس روم میں ہونا تھا۔

”میں پانچ منٹ میں آتی ہوں۔“ میزاب نے ابریق کو حسب توفیق زبردست گھوری سے نوازتے ہوئے نازش کو جواب دیا، وہ اپنے دوست کے ساتھ مل کر اسے تپانے کی کوشش کر رہا تھا، اس کا خون غصے سے کھول اٹھا تھا، وہ تیزی سے باہر نکل گئی، لمحہ بھر کو شور مچا، ابریق کی شریر نظروں نے میزاب کے تیزی سے اٹھتے قدموں میں پھرتی بھردی تھی۔

☆☆☆

”ویل ڈن عاذب بیٹا! تمہارا مشورہ ہمارے بہت کام آیا۔“ عاذب نے اسی روز سیکھل ملک اینڈ برادرز کو بجوادئے تھے، جو انہیں بے حد پسند آئے تھے، ملک اینڈ برادرز کے مالک سیٹھ نذیر ملک ایماندار اور محنتی انسان تھے ان کی کمپنی پر کرپشن کا کیس جعلی نکلا اور نیب نے ہائی کورٹ کی پہلی پیشی میں ہی کیس ختم کر دیا تھا، ملک صاحب

نے سیکھل پسند آتے ہی پہلی فرصت میں انہیں کال کر کے آرڈر دے دیا جو انہیں دو ہفتوں میں تیار کرنا تھا، ملک صاحب انہیں اچھا خاصا معاوضہ بخوشی دے رہے تھے، ارشد بے حد خوش تھے، انہوں نے فوراً شاہد اور عاذب کو خوشخبری سنائی تھی۔

”تھینک گاڈ ماموں جان! اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی۔“ عاذب بھی اس ڈیل سے بہت خوش ہوا تھا، ملک اینڈ برادرز سے بزنس کرنے سے انہیں ترقی کے مزید مواقع مل سکتے تھے، ملک اینڈ برادرز کا دائرہ کار ساؤتھ ایشیاء اور چند یورپی ممالک تک پھیلا تھا۔

”تم آج ہی اس آرڈر کی تیاری شروع کرو! دو تا کہ تاخیر نہ ہو۔“ شاہد نے پرجوش لہجے میں بیٹے کو تاکید کی، ان کی کمپنی پچھلے دو عشروں سے کام کر رہی تھی مگر اتنی زبردست ڈیلنگ پہلی بار ہوئی تھی، وہ بھی بے حد خوش تھے۔

”آپ بالکل فکر نہ کریں ڈیڈی، میں آج ہی کام سٹارٹ کروانا ہوں، ویسے بھی فرسٹ امپریشن از لاسٹ امپریشن، ایسا نہ ہو کہ وہ تاخیر کی صورت میں آرڈر کنسل کروادیں۔“ عاذب نے سمجھداری سے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

”اسی خوشی میں گرما گرم چائے ہو جائے۔“ ارشد نے ہنستے ہوئے انٹرکام کی بیل کی سمت ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

”زارون بیٹا! تمہاری آئندہ کی کیا پلاننگ ہے۔“ ملک صاحب لاؤنج میں بیٹھے اخبار کا مطالعہ کر رہے تھے کہ انہوں نے قریب سے گزرتے زارون کو روک لیا۔

جم خانہ سے ورزش کر کے لوٹا تھا، اس کے کمرتی بدن پر ٹراؤڈر اور ٹی شرٹ تھی اور چہرے



پر نمایاں تھکن، وہ تھکے تھکے انداز میں ان کے قریب بیٹھ گیا۔

”ڈیڈی! میں آپ کا بزنس جوائن کروں گا۔“ اسے آئے دو ہفتے ہونے کو تھے ملک صاحب نیب کرپشن کیس اور اخبارات میں سیکنڈلر کی وجہ سے اتنے پریشان تھے کہ وہ بیٹے سے سکون سے بیٹھ کر بات تک نہ کر پائے تھے، نیب کیس ختم ہوا تو اخبارات میں ان کی محنت و دیانت کے قصے آنے لگے، انہوں نے جائیداد دن رات کی ان تھک محنت سے بنائی تھی۔

”بیٹا پھر دیر کس بات کی ہے، تم کل سے آفس آ جاؤ۔“ نذیر صاحب خود بھی یہی چاہتے تھے زارون ان کی اکلوتی اولاد اور امیدوں کا محور تھا۔

”ڈیڈی! آپ کی کمپنی کے کیس کا کیا بنا؟“ زارون نے رضا مندی دیتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا، اس کی لاعلمی پر نذیر صاحب کی آنکھوں میں تاسف ابھرا انہوں نے خاموشی سے اخبار زارون کے حوالے کر دیا، زارون خفیف سا اخبار کا مطالعہ کرنے لگا۔

☆☆☆

ایئر پورٹ پر خاصارش تھا، لوگ ادھر ادھر آ جا رہے تھے، فلائٹ سے اترنے والے تمام مسافر جا چکے تھے، اسے پارکنگ میں کھڑے دس منٹ ہو چکے تھے مگر اسے لینے کوئی نہ آیا تھا، رات کے نو بجنے والے تھے، اسلام آباد آ کر اس کا اعتماد بحال ہو گیا تھا جواب پھر تنہائی کے احساس سے ختم ہونے لگا تھا اسے طرح طرح کے دسو سے ستانے لگے، جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کا خون خشک ہوتا جا رہا تھا، وہ پراعتادگی کہ پارکنگ میں اسے لینے کوئی نہ کوئی ہوگا۔

”ہیلو۔“ وہ تقریباً رو دینے کو تھی کہ ایک

گاڑی کے ٹائر اس کے بالکل قریب آ کر چڑھائے، نوار د گاڑی سے نکل کر اس کے قریب آ گیا۔

”سو سوری ایسا! انکچوٹلی میری گاڑی میں فیول کم تھا میں فیول ڈلوانے رک گیا تھا۔“ عاذب کی نظر جونہی اس کی اتری صورت پر پڑی تو اس نے جلدی سے خفیف لہجے میں معذرت کرتے ہوئے صفائی دی۔

”آپ کو ذرا احساس تھا کہ میرا خوف سے کیا حال ہو گا۔“ وہ جو پہلے ہی گھبرائی ہوئی تھی، اپنا رکا سانس بحال کرتی رو دی، اس کی خوف سے جان نکلی جا رہی تھی، دو مشکوک افراد کافی دیر سے اسے گھور رہے تھے، اس نے سبھی نظریں ان کی تلاش میں دوڑائیں جونجانے کہاں عاذب ہو چکے تھے۔

”ارے..... ارے۔“ عاذب اس اقتدار پر بوکھلا گیا، وہ گلابی ٹاپ اور بلیک لیڈر جینز میں بے حد حسین لگ رہی تھی، رونے سے اس کا چہرہ گلابی ہو گیا تھا، عاذب کی اس سے دو سال بعد ملاقات ہو رہی تھی، وہ اس کے حسن میں کھو کر رہ گیا، وہ اپنے آنسو پونچھتی روٹھی سی گاڑی میں جا بیٹھی، عاذب کا دل اس کی حسین ادا میں الجھ گیا۔

☆☆☆

”میزاب تم میرا پیٹ واپس کر دو۔“ ابریق غصے پر قابو پانے کی کوشش کرنا زری سے چھینل سرچنگ میں محو میزاب سے مخاطب تھا، میزاب لاپرائی و انجیان نے سے ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے یوں ٹی وی دیکھنے میں گم تھی جیسے وہ کسی اور سے مخاطب ہو۔

”میزاب میں تمہیں کہہ رہا ہوں۔“ ابریق نے غصے سے اس کے ہاتھ سے ریموٹ چھین کر دور صوفے پر پھینک دیا، ابریق نے شوقیہ مقامی



کرکٹ اکیڈمی جوائن کی تھی اس کا پہلا میچ تھا، وہ جانے کی تیاری میں مصروف تھا اسی دوران میزاب موقع پاتے ہی اس کا بیٹ سٹور میں چھپا آئی تھی، امیرتیق نے دوست سے مل کر اسے چلانے کی کوشش کی تھی اسے بدلہ تو لینا تھا۔

”میزاب تم میرا بیٹ دیتی ہو یا.....“  
امیرتیق اسے نی وی کے سامنے جے دیکھ کر بری طرح تپ گیا، اسے دیر ہو رہی تھی، میچ کے آغاز میں آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا، وہ نیا بیٹ بھی نہ خرید سکتا تھا کہ اس کے پاس وقت کی قلت تھی۔

”یا.....“ وہ بھی میزاب تھی کسی کی دھمکی نہ سہنے والی، امیرتیق کی طرف تو اس کے ویسے ہی کئی حساب نکلتے تھے، دونوں میں نوک جھونک معمول کی بات تھی اس نے شوخی سے آنکھیں ملکا لیں۔  
”میزاب کی ہنسی۔“ امیرتیق نے غصے سے دانت کچکچاتے ہوئے اس کا بازو زور سے مروڑا۔  
”آہ۔“ وہ تکلیف سے کراہ اٹھی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

”سوری یار، پلیز میرا بیٹ دے دو۔“  
امیرتیق کو اپنی زیادتی کا احساس ہوا تو اس نے فوراً میزاب کا بازو چھوڑ دیا، وہ اس کی آنکھ میں آنسو نہ دیکھ سکتا تھا کجا یہ کہ وہی اس کے آنسوؤں کا سبب بنے، امیرتیق کی نظریں گھڑی پر تھیں اس جھگڑے میں مزید سات منٹ گزر چکے تھے۔  
”لو مرو۔“ میزاب اپنا بازو مستی اس کا بیٹ سٹور سے نکال لائی۔

”یہ نا تم قبولیت دعا کا ہے اگر میں واقعی مر گیا تو۔“ امیرتیق نے باہر دن بھر کی کھٹی دھوپ کے بعد تلکھے اندھیرے پر نظر ڈالتے ہوئے میزاب کی آنکھوں میں جھانکا اور بیٹ تقریباً جھپٹ لیا مبادا وہ کہیں دوبار بیٹ لے کر نہ چلی جائے۔

”اللہ نہ کرے امیرتیق۔“ وہ تڑپ کر رہ گئی اس کی آنکھ میں اک آنسو چھلکا اس کے منہ سے بے دھیانی میں نکل گیا تھا ورنہ وہ اس کے لئے جان سے بڑھ کر تھا، امیرتیق بے خودی میں اسے دیکھتا رہ گیا، میزاب محبوب سی خود میں سہم گئی، امیرتیق کی والہانہ نظریں اسے پکھلانے لگیں، اگلے لمحے امیرتیق تیزی سے چلا گیا۔

☆☆☆

”امیرتیق کیا ممانے آپ سے میرے ایڈمیشن کا ذکر کیا تھا؟“ صبح ناشتے کی ٹیبل پر بھی افراد جمع تھے، عاذب باپ اور ماموں کے ساتھ ہی آفس آتا جاتا تھا، لیہا نے بے تکلفی سے خود سے پانچ سال بڑے امیرتیق کو نام لے کر مخاطب کیا تو بھی اس کے انداز مخاطب پر متوجہ ہو گئے، اسے آئے چوتھا دن تھا وہ اپنی اسٹڈی کا ہرج نہ کرنا چاہتی تھی، ممانے اسے فون پر امیرتیق سے داخلے کی بات کرنے کی تاکید کی تھی۔

”ہاں مجھے ممانی جان نے کہا تھا میں اچھے کالج کا پتہ کر کے تمہارا ایڈمیشن کروا دوں گا۔“  
امیرتیق نے بے جلت ناشتہ کرتے ہوئے اسے جواب دیا، اس نے اسد سے کسی بہترین کالج ڈھونڈنے کا کہہ رکھا تھا۔

”پلیز امیرتیق ذرا جلدی، میں گھر میں بور ہو رہی ہوں۔“ جو کئی مرد حضرات آفس، میزاب اور امیرتیق یونیورسٹی جاتے تو گھر کی خواتین باتوں میں محو گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹاتی اسے عورتوں میں بیٹھنا پسند نہ تھا اور عروہ سے ابھی اس کی دوستی نہ ہوئی تھی، لیہا کے چہرے پر بیزاری و کوفت تھی جو اس کے لہجے میں بھی سمٹ آئی تھی۔  
”تم میرے کمرے میں آ جایا کرو۔“ عروہ نے خلوص سے اسے پیکش کی، وہ بھی سارا دن تنہائی وی یار سارے پڑھ کر ٹائم گزراتی تھی۔



ان کا مان بڑھا دیا، ان کی آنکھوں میں آسودگی اور طمانیت ابھر آئی۔

☆☆☆

”کروا آئے اپنی کزن کا داخلہ۔“ ابریق نے اگلے روز ہی یونیورسٹی سے چھٹی کر کے اس کا داخلہ شہر کے بہترین کالج میں کروا دیا تھا، وہ سارا دن مصروف رہا اس کا میز اب سے بھی سامنا نہ ہو سکا تھا اور میز اب کو اسی بات پر رہ رہ کر نجانے کیوں شدید غصہ آ رہا تھا، وہ سخت چڑچڑی ہو رہی تھی، اس سے ابریق کا سامنا ہوتے ہی اسے بھرپور طنز سے نوازا تھا، وہ سارے دن کی بھاگ دوڑ سے کافی تھک چکا تھا میز اب کے طنز نے اس کی تھکاوٹ بڑھا دی وہ کچھ کہہ کر اسے مزید غصہ نہ دلانا چاہتا تھا سو خاموشی سے اسے نظر انداز کر کے آگے بڑھ گیا۔

”ہوں۔“ میز اب نے اس کے جانے کے بعد غصے سے پیر پٹختے ہوئے عروہ کے کمرے کا رخ کیا۔

”کیا ہوا ہے تمہارا منہ کیوں سو جا ہوا ہے۔“ وہ رسالہ پڑھتی عروہ کے قریب دھپ سے گری تو وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”تمہارا سر۔“ وہ کاٹ کھانے کو چڑھ دوڑی عروہ بیچاری بھونچکا اسے گھور کر رہی گئی۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے کچھ دیر قبل لوٹی تھی، اسے اپنی اسائنمنٹ مکمل کرنا تھا سو وہ کتابیں لئے لان میں آگئی، اس نے پڑھنے کے لئے بک کھولی تو اسے ہر صفحے پر ابریق کا مسکراتا چہرہ نظر آیا، اس کی آنکھوں میں درد کے سائے لرز نے لگے اور لب ضبط سے بھینچ گئے وہ ہمیشہ ابریق کے ساتھ مل کر اسائنمنٹ تیار کرتی تھی، اس پل اس نے شدت سے خود کو ابریق کے بناء ادھوار محسوس کیا،

”تمہارا دن ہی بارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتا ہے۔“ اس نے بظاہر عام سے لہجے میں اس کی آفر رد کر دی، وہ محنت سے سرخ پڑ گئی اس نے چورنگاہ نانی کے چہرے پر ڈالی، وہی اس کی نیند کی سب سے بڑی دشمن تھیں، وہ لائقیت سے ناشتہ کر رہی تھیں، اس نے بے ساختہ سکون بھری سانس لی باقی افراد خاموشی سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھے۔

”بیٹا! تم کل یونیورسٹی سے چھٹی کر کے اس کا ایڈمیشن کروا دو۔“ قاطرہ نے بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے ابریق کو تاکید کی، اس نے فرمانبرداری سے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

”گڈ مائی سن، ویل کم تو پور آفس۔“ زارون نے باب کا آفس جوائن کر لیا تھا، ملک نذیر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی وہ اسے فیکٹری کے تمام ورکرز سے ملوا کر اور فیکٹری کا چکر لگا کر آفس میں آئے تھے، زارون مسکرا دیا، وہ کورٹس بجا لانے کے انداز میں اپنی چیر کی طرف اشارہ کیے کھڑے تھے۔

”تھینک یو سوچ ڈیڈی۔“ زارون نے اس کی کرسی سنبھال لی، وہ اس کے سامنے میز پر ٹک گئے۔

”میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا بیٹا! دولت کمانا مشکل اور اجاڑنا آسان ہے، وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جو دولت کو وقت پر سنبھال لیتے ہیں۔“ انہوں نے اس کی مسکراتی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بڑے پتے کی بات کی تھی، انہوں نے بہت محنت اور کئی سالوں کی انٹھک کوششوں کے بعد یہ مقام پایا تھا۔

”ڈیڈی میں آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔“ زارون نے



اس نے بوجھل دل سے بک بند کر کے دونوں ہاتھ آپس میں رگڑ کر سردی کی شدت کم کرنا چاہتی، سرما کی خنک شام دھیرے دھیرے کائنات پر پھیل رہی تھی۔

”میزاب!“ ادھر سے گزرتے ایریق کی نظر کھوئی کھوئی میزاب پر پڑی تو قدم آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے، میزاب کے تن مردہ میں جان پڑ گئی، سکون تہہ در تہہ دل کی دھرتی پر اترنے لگا، اس نے ان سنی کر کے بک کھول لی وہ اس کی مصنوعی لا تعلقی پر مسکراتے ہوئے اس کے سامنے ٹک گیا۔

”میزاب کیا مجھے تمہیں یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے۔“ اس نے میزاب کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کبیر لہجے میں استفسار کیا، وہ اپنی جگہ سن بیٹھی اسے یک ٹک دیکھے گئی، وہ لیہا کو مہمان ہونے کی حیثیت سے خصوصی پروٹول دے رہا تھا، میزاب اس کے معاملے میں خاصی پوزیو تھی، اسی لئے وہ اس سے دو روز سے خفا تھی، میزاب کے دل نے بے ساختہ اک بیٹ مس کی۔

”میزاب!“ اس نے آنکھیں چراتے ہوئے خواہ مخواہ بک کھول کر اس میں منہ چھپالیا تھا، ایریق نے نرمی سے بک نیچے کر کے اس کا من موہنا چہرہ اونچا کیا۔

محبت و حیا کی سرخی نے اس کے حسن کو دو آتھہ کر دیا تھا، ایریق کے لئے اس کے چہرے سے نظریں ہٹانا محال ہو گیا، اس کی نگاہوں کے بھرپور ارتکاز سے میزاب کے وجود میں دھڑکنوں نے اودھم مچا دیا۔

”سوری یار! تم میری وجہ سے ہرٹ ہوئی ہو۔“ اس نے اپنے کان پکڑ کر معذرت کی، وہ اسے ستانے کا تصور تک نہ کر سکتا تھا اور نہ ہی اس

کی خنکی سہہ سکتا تھا، لیہا بھی گھر میں اسی سے نزدیک تھی وہ کالج سے آکر اس سے ساری باتیں شیئر کرتی اور وہ مروت و لحاظ میں اس کی باتیں سنی جاتا، جس سے میزاب کی بدگمانی بڑھتی گئی۔

”ایریق!“ میزاب نے تڑپ کر اس کے ہاتھ نیچے کیے، وہ اسے اپنے سامنے شرمندہ نہ دیکھ سکتی تھی، غلطی اس کی تھی کہ اس نے دل میں خواہ مخواہ بدگمانی پال لی تھی، محبت میں بدگمانی زہر قاتل ہوتی ہے، وہ تو سرتاپا صرف اسی کا تھا۔

”تم وعدہ کر آئندہ میرے بناء اسائنمنٹ مکمل نہ کرو گی۔“ دونوں کا ٹاپک یکساں تھے ایریق نے اطمینان بھری دلکش ہنسی سے اپنی بکس کھول لیں، وہ اس کی سنگت چاہتا تھا میزاب کے لئے یہی کافی تھا، اس کے چہرے پر محبت کا مان بکھر گیا۔

☆☆☆

”آپا، ہمیں یہاں مزید ایک ہفتہ لگ جائے گا، خلیل کو کوئی ضروری کام پڑ گیا ہے، آپ لیہا کا خیال رکھیے گا۔“ خلیل صاحب کو گھر محکمے کی طرف سے بلا تھا انہوں نے لاہور میں پراپرٹی خریدی ہوئی تھی وہ چاہتے تھے کہ وہ پراپرٹی بیچ کر اگلے ماہ سے جوائننگ دیں، قاخرہ نے فون پر قاطعہ کو ہدایت کی، وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی ان کا پریشان یا اداس ہونا فطری تھا، قاخرہ بھی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھیں جبکہ خلیل اور قاطعہ دو بہن بھائی تھے اور دونوں کو قدرت نے اکلوتی اولاد سے نوازا تھا۔

”بھابی آپ بالکل فکر نہ کریں بھلا یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔“ قاطعہ کو بیٹی کی شدید خواہش تھی مگر اللہ کی مرضی نہ تھی وہ ایریق کی پیدائش پر کچھ عجیبگی کی بناء پر دوبارہ ماں نہ بن سکیں، انہوں نے دلاسا دینے کے بعد الوداعی



کلمات ادا کرتے ہوئے فون بند کر دیا۔

”کیا لیہا یاد آ رہی ہے۔“ قاخرہ نے فون بند کر کے آنکھیں موندیں تو پاس بیٹھے خلیل پوچھے بنام نہ رو پائے تھے، ان کے لبوں پر رنجیدہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

”لیہا کے جانے سے گھر کتنا سونا سونا ہو گیا ہے نا۔“ ان آواز میں بھی کھل گئی۔

”ہاں یہ تو ہے۔“ خلیل بھی اداس ہو گئے، انہوں نے تائید کرتے ہوئے اپنی عینک درست کی، ماحول پر یکدم بوجھل پن آن کر اٹھا۔

☆☆☆

”عاذب بھائی!“ اسے آفس کے لئے جلدی لگنا تھا، سو وہ ناشتہ کیے بنا آفس جانے لگا عاذب گاڑی پورج سے نکال رہا تھا کہ لیہا پھولی سانسوں سے دوڑتے ہوئے اسے آوازیں دیتی ہوئی آگئی، اس نے گاڑی روک دی۔

”آپ مجھے کالج چھوڑ دیں۔“ وہ سوال جواب کیے بنام دھولس جھاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئی، عاذب کا دل جب سے اسے دغا دے گیا تھا وہ اس لڑکی سے کترانے لگا تھا، وہ سارا دن آفس میں مصروف رہتا اور گھر آ کر ڈنر کرتے ہی اپنے کمرے میں گھس جاتا، وہ ڈنر پر دانستہ ایسی جگہ بیٹھتا جہاں سے لیہا کا چہرہ واضح نظر نہ آئے، ان کے درمیان ایک آدھ بار سلام دعا سے زیادہ بات چیت نہ ہوئی تھی، وہ امیریت سے خاصا فریج تھی اور اپنی فرمائشیں بھی اسی سے پورا کرواتی تھی، بلکہ وہ تو گھر میں فریج ہی صرف امیریت سے تھی اس کی باقی سب سے گفتگو تکلفاً ہوتی تھی، وہ گاڑی میں بیٹھی تو عاذب لمحہ بھر کو بوکھلا گیا وہ اسے کالج ڈراپ کرنے پر لیٹ ہو سکتا تھا۔

”لیہا! مجھے آفس جلدی پہنچنا ہے آپ

امیریت سے کہیں۔“ وہ اس کی قربت سے گھبرار رہا تھا، وہ اپنے دل کو بے شکل سمجھا پایا تھا امی اس کے لئے لڑکی ڈھونڈ رہی تھیں، عاذب نے نرمی سے اسے ٹوکا، لیہا کا منہ لٹک گیا، اس کی کالج وین چھٹی پر تھی، امیریت میزاب کے ساتھ یونیورسٹی بس پر یونیورسٹی جاتا تھا، عاذب کے انکار کا مطلب اس کی چھٹی تھا اور وہ چھٹی نہ کرنا چاہتی تھی۔

”اٹس اوکے میں چھوڑ دیتا ہوں۔“ اس کی نظر جو نہی لیہا کے اترے چہرے پر پڑی اس کا دل باغی ہو گیا، وہ اس کی اتری شکل نہ دیکھ سکتا تھا۔

”تھنک یو سوچ عاذب بھائی!“ وہ گلاب کی نازک نگلی کی مانند خوشی سے کھل اٹھی، عاذب کے لبوں پر لفظ بھائی نے درزیدہ مسکراہٹ بکھیر دی، وہ درود دل دہاتا گاڑی گیٹ سے باہر نکالنے لگا۔

☆☆☆

نہ شکایتیں نہ گلے کرتے کوئی شخص ایسا ہوا کرے جو میرے لئے ہی سبھی کرتے جو مجھ ہی سے باتیں کیا کرے کبھی روئے جائے بے پناہ، کبھی بے تحاشا اداس ہو

کبھی چپکے چپکے دے قدموں، میرے پیچھے آ کر ہنسا کرے

میری چاہتیں، میری قربتیں، کوئی یاد رکھے قدم قدم

میں طویل سفر میں ہوں اگر، میری واپسی کی دعا کرے

اس نے جو نہی سبز فیتہ کاٹا ماحول تالیوں کے شور سے گونج اٹھا، مقامی کالج میں ماسٹرز کلاسز کے لئے الگ ڈیپارٹمنٹ تعمیر ہوا تھا جس



زوبیہ نے ڈیپارٹمنٹ کے افتتاح کی خوشخبری سنائی تو وہ دلوں مارے اشتیاق کے چلی آئیں، زوبیہ کافی دیر سے زارون کی وجاہت کی تعریفوں میں طب اللسان تھی جس سے عروہ کو فتنہ محسوس کر رہی تھی۔

”عروہ تم کتنی بد ذوق ہو یا.....“ زوبیہ نے اسے ٹوکتے ہوئے آنکھیں میچ کر تاسف سے بات ادھوری چھوڑ دی، غالباً اسے زارون کے شایان شان الفاظ نہ مل سکے تھے، وہ بمشکل حسن کی دیوی سے نظر چرا کر پلٹ گیا اسے یہاں اپنا اور اس معصوم حسن کا تماشا نہ لگوانا تھا۔

☆☆☆

ساجدہ اور حنیف کو قدرت نے ارشد اور عائشہ سے نوازا تھا، انہوں نے دونوں بچوں کو ناز و نعم سے بالاد تھا، ارشد اور فاطمہ کی اکلوتی اولاد نرینہ امیر لڑتی تھا جبکہ عائشہ اور شاہد کی دو بیٹیاں، میزاب عروہ، ہر ایک بیٹا عاذب تھا، شاہد کے والد حنیف کے دوست تھے، عائشہ شادی کے بعد جلدی سسرال سے الگ ہو گئی تھیں، شاہد نے کئی بزنس شارٹ کیے مگر قسمت نے یاوری نہ کی، بالآخر انہوں نے بیوی کے کہنے پر اپنا سرمایہ ارشد کے بزنس میں الو-سمٹ کر دیا، شوکی قسمت شاہد کو سانجھ داری راس آگئی اور ان کا بچھا کچھا سرمایہ مزید برباد ہونے سے بچ گیا، عائشہ نے ابتداء میں سسرال کے قریب الگ گھر لیا تھا پھر وہ ساس سر کی ڈ-جھ کے بعد یکے ہی آن بیسی تھی، بچوں نے جلد ایک دوسرے کو قبول کر لیا تھا، عاذب سب سے بڑا تھا، میزاب اور امیرتیق میں محض ایک ماہ کا فرق تھا میزاب اکثر امیرتیق پر اپنے بڑے پن کا رعب جما ڈالتی تھی مگر امیرتیق اس کے رعب میں نہ آتا، عروہ سب سے چھوٹی اور گھر بھر کی لاڈلی تھی، ساجدہ نے شوہر کی ڈ-جھ کے

میں شہر کے مخیر حضرات نے جی کھول کر حصہ ڈالا تھا، ملک نذیر نے اس ضمن میں خاصا پیسہ خرچ کیا تھا کالج کی پرنسپل نے ڈیپارٹمنٹ کی تعمیر مکمل ہونے پر انہیں بطور مہمان خصوصی مدعو کیا تھا، انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کی بناء پر پرنسپل سے معذرت کر لی کہ انہیں ذاتی تشدد خاص پسند نہ تھی مگر پرنسپل کا اصرار بڑھتا گیا، ناچار انہیں زارون کو بھیجنا پڑا زارون کا پرنسپل نے اسے سٹاف اور چند طالبات کے ساتھ مل کر مجبوسی سے استقبال کیا، اسے سلج پر لے آئیں، جہاں زارون نے مختصر اعلیم نسواں پر زور دیا اس کی مختصر تقریر کے بعد ریفر-شمنٹ کا بندوبست کیا گیا تھا۔

”واؤ یار کتنا پنڈ سم بندہ ہے۔“ وہ ریفر-شمنٹ کے بعد سلج سے اتر کر جانے لگا تو اس کے کانوں سے کسی کی دبی سرکوشی ٹکرائی، وہ اپنی مردانہ وجاہت سے واقف تھا اور لوگوں سے تعریفیں بھی وصول کرتا رہتا تھا، اس کے لبوں پر احساس تفاخر بکھر گیا، لڑکیاں اس پر دیوانہ وار مرتی تھیں۔

”تو میں کیا کروں۔“ اس کے لئے اپنی تعریف نئی نہ تھی یہ اکتایا اور کو فتنہ زدہ لہجہ نیا تھا، آج تک کسی نے اسے نظر انداز نہ کیا تھا، اس کے بڑھتے قدم لمحہ بھر رک گئے اور نظر ساری دنیا سے بیزار بیٹھی عروہ پر پڑی، وہ رائل بلیو شیفون کے وائٹ ہلکے کا مدار سوٹ اور وائٹ پرل کی جیولری میں میک اپ کے نام پر صرف لپ اسٹک لگائے بے حد حسین لگ رہی تھی، زارون کا دل پہلی مرتبہ لڑکھڑایا، وہ یورپ میں حسن کی فراوانی دیکھ چکا تھا مگر اس کی جج دجج تو سب سے نرالی تھی، عروہ کا رزلٹ آچکا تھا اور وہ اسی کالج سے ماسٹرز کرنا چاہتی تھی اسے اس کی بیسٹ فرینڈ



بعد بچوں کو زمانے کی سرد گرم ہوا سے بچائے رکھا تھا۔

☆☆☆

”ارشاد میری ایک بات مانو گے۔“ ساجدہ بیگم کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا، وہ رو بہ صحت ہو کر آج ہی گھر آئیں تھیں، تمام افراد خانہ انہی کے گرد جمع تھے، فاطمہ کے ہاتھ سے سوپ پتی ساجدہ نے بیٹے سے التجا کی، انہوں نے اشارتاً مزید سوپ بننے سے انکار کر دیا، فاطمہ پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر کٹش سے ان کا منہ صاف کرنے لگیں۔

”بیٹا تم ابریق اور میزاب کا میری زندگی میں نکاح کر دو بھلے رخصتی میرے بعد کرتے رہنا۔“ وہ دونوں انہیں بے حد پیارے تھے ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اک رشتے سے جڑ جائیں، انہوں نے برسوں اپنی دلی مراد کو لبوں تک آنے سے روکے رکھا تھا وہ دونوں کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے تک یہ ذکر نہ چھیڑنا چاہتی تھیں مگر انہیں بیماری نے سہا دیا تھا۔

”آپ کو کچھ نہیں ہو گا امی۔“ ارشد نے محبت سے انہیں اپنی پناہ میں سمیٹ لیا، ابریق کی شوخ نگاہیں بار بار میزاب کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں میزاب سے وہاں بیٹھنا دو بھر ہو گیا وہ نا محسوس طریقے سے اٹھ گئی۔

”بیٹا تو مجھے ٹال رہا ہے نا۔“ انہوں نے گلہ آمیز آبدیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔

”بالکل نہیں امی، میں آپ کی درازی عمر کی دعا مانگ رہا ہوں۔“ انہوں نے نرمی سے وضاحت دی، عائشہ کی بھی یہی دلی خواہش تھی ابریق انہیں بھی بہت پیارا تھا۔

”فاطمہ تم مجھے بتاؤ کیا تمہیں اس رشتے پر کوئی اعتراض ہے۔“ انہوں نے بہو کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”امی میں نے ابھی ابریق کے لئے کسی لڑکی کا یوں نہیں سوچا ہے مگر میزاب گھر کی دیکھی بھالی بچی ہے مجھے تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ فاطمہ نے مکمل صاف گوئی سے ساس کا ہاتھ محبت سے تھام لیا۔

”بس پھر آج شام ہی ابریق اور میزاب کا نکاح ہو گا۔“ انہوں نے مطمئن ہوتے ہوئے اپنا فیصلہ سنا ڈالا، ان کی عجلت پر بھی حیران رہ گئے جبکہ ابریق کا دل خوشی سے لڈیاں ڈالتے کو چاہا تھا۔

”شاید میں تم سے میزاب مانگتی ہوں ابریق کے لئے۔“ اچانک ساجدہ نے کچھ خیال آنے پر داماد سے باقاعدہ رشتہ مانگا۔

”آپ مجھے شرمندہ مت کریں امی، آج شام کو نکاح ہو گا۔“ شاید نے شرمندگی بھری انکساری سے رضامندی دے دی اور پھر اسی شام دونوں کا نکاح کر دیا گیا تھا۔

☆☆☆

صبح سحر کے وقت سب کی آنکھ فاطمہ کی دروازہ چیخ سے کھلی تھی، ساجدہ بیگم تہجد کے وقت اٹھنے کی عادی تھیں، وہ نماز فجر کے بعد وظائف و اذکار میں کافی دیر تک مشغول رہتیں، صبح فاطمہ نماز فجر کے لئے جاگیں تو انہیں سوتا سمجھ کر وضو کرنے چلی گئیں، ان کے کمرے کا دروازہ ہنوز بند تھا، فاطمہ نماز فجر سے فارغ ہوئیں تو انہیں دسو سے ستانے لگے۔

”بھابھی! امی کبھی اتنی دیر تک نہیں سوئیں۔“ عائشہ نے آکر ان کے کمرے کا بند دروازہ دیکھتے ہوئے تشویش بھری حیرت کا اظہار کیا، وہ دونوں اکٹھی اندر گئیں فاطمہ آگے تھیں ان کی جونہی امی پر نظر پڑی ان کے حلق سے چہنیں برآمد ہوئیں، عائشہ دہل کر آگے بڑھیں، وہ بے



سدمہ کا رپٹ پر اوندھی پڑی تھیں ان کے قریب گلاس بھی گرا ہوا تھا، وہ رات کے کسی پہر پانی پینے کے لئے انھیں مگر موت نے انہیں مہلت نہ دی، لمحہ بھر میں بھی ان کے کمرے میں جمع ہو گئے، رات کو بھی ان کی نکاح کی عجلت پر حیران تھے اور اب سب کو ان کی عجلت کی وجہ سمجھ میں آگئی تھی، انہیں اشارہ غیب مل گیا تھا کہ ان کا وقت رخصت قریب ہے۔

یونیورسٹی سے ان دونوں کے تمام کلاس فیلوز اور ٹیچرز اطلاع ملتے ہی تعزیب کے لئے آگئے تھے، وہ دونوں نکاح کی خوشی کو صحیح طرح انجوائے بھی نہ کر پائے تھے کہ انہیں ساجدہ بیگم کی دائمی جدائی کا صدمہ سہنا پڑ گیا تھا۔

☆☆☆

زمانے کو چلتے دو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں نئی دنیا بنانے کو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں ہمیں جیون کا ہر لمحہ تمہارے نام کرنا ہے یہی وعدہ بھانے کو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں سنا ہے مل کے چلتے سے مقدر جاگ جاتے ہیں یہی بات آزمانے کو چلو ایک ساتھ چلتے ہیں وہ گھنٹہ بھر سے آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا مگر اپنی تیاری سے مطمئن نہ ہو پارہا تھا، اس نے اپنا تعیدی جائزہ لینے کے بعد تیاری سے مطمئن ہو کر پرفیوم کا سپرے کیا، پرفیوم کی خوشبو برآمدے کے آگے راہداری تک پہنچ چکی تھی، اس نے رسٹ وایج کلائی پر باندھی اور اپنا لپ ٹاپ و موبائل لے کر گاڑی میں آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

صبح کے وقت سڑکوں پر ٹریفک رواں دواں تھی، سب کو اپنی منزل پر پہنچنے کی بے قراری تھی، وہ معروف شاہراہ سے یوٹرن لینے کے لئے جونہی رکا، وہ بے یقینی سے قریبی گاڑی میں جھانکنے لگا،

بلاشبہ وہی تھی، کالج یونیفارم میں حسن و سادگی کا حسین امیزاج لگ رہی تھی، وہ اپنے ساتھ موجود لڑکی سے باتوں میں محو تھی، دفعتاً اس کی نظر اٹھی، زارون کو اس کی آنکھوں میں ہیجان کے رنگ ابھرتے نظر آئے جو اگلے لمحے معدوم ہو گئے وہ اس کے چہرے کی گہری سنجیدگی سے اس کے تاثرات نہ بھانپ سکا، اگلی گاڑی ٹریفک کلیئر ہوتے ہی جا چکی تھی، اس نے یوٹرن سائس لیتے ہوئے گاڑی آفس کی راہ پر ڈال دی۔

☆☆☆

”ایرین بیٹا تم اپنی ممانی کو گھر کے لئے کچھ شاپنگ کروالاؤ۔“ قاخرہ اور غلیل کو گھر مل چکا تھا، وہ اسے اپنی پسند سے ڈیکوریٹ کروا کر شفٹ ہونا چاہتے تھے، قاخرہ دن میں کئی چکر بازار کے لگاتیں، اس روز قاطرہ کی طبیعت کچھ ناساز تھی انہوں نے ایرین کو ساتھ بھیج دیا، وہ انہیں لے کر مارکیٹ چلا گیا۔

”ممانی یہ کلاک کیسا ہے؟“ ایرین کو شاپ میں ایک وال کلاک پسند آیا تو اس نے قاخرہ کو دیکھایا، قاخرہ کو بھی کلاک بے حد پسند آیا تھا۔

”بہت پیار ہے تم یہ بیک کروالو، میں ذرا کوئی اور چیز دیکھ لوں۔“ قاخرہ اسے کہہ کر گھریلو اشیاء کے سیکشن کی طرف بڑھ گئیں جہاں کچن کے تمام آئٹمز تھے، ان کی شاپنگ میں چار گھنٹے لگ گئے تھے۔

”ایرین تمہاری فوج چلا نک کیا ہے؟“ وہ شاپرز سے لدی پھندی گاڑی کی طرف بڑھیں۔

”میں فارماسوٹک میں ایم فل کر کے اپنی فارما سونیکل کمپنی بنانا چاہتا ہوں۔“ ایرین نے تمام سامان کھجلی سیٹ پر رکھ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی قاخرہ بھی فرنٹ سیٹ پر آن بیٹھیں۔

”زبردست بیٹا! تم اپنا بزنس کرنا چاہتے



ہو۔“ قاخرہ نے اسے بے حد تو صبری لگا ہوں سے دیکھا، ابریق نے گاڑی گھر کے رستے پر ڈال دی تھی۔

”جی ممانی ایسا ہی ہے۔“ ابریق کی نگاہیں سامنے روڈ پر مرکوز تھیں وہ محتاط ڈرائیونگ کر رہا تھا، قاخرہ کو اس کی سحر انگیز شخصیت اور باوقار انداز متاثر کر گیا تھا۔

”تم اپنے ڈیڑی کا بزنس کیوں نہیں سنبھالتے ہو۔“ گاڑی میں چند لمحے خاموشی رہی جسے قاخرہ نے توڑا تھا، ان کی گہری پرسوج نظریں اسی پر جمی تھیں، وہ کروڑوں کی پراپرٹی کا تہاوار تھ، تعلیم، وجاہت، ذہانت اور قد بت میں بھی کوئی کمی نہ تھی، ان کے ذہن و دماغ میں سوچیں ابھرنے لگیں، وہ آئیڈیل شخصیت کا مالک تھا، لیہا کے لئے بھی ایسا ہم سفر ہی ہونا چاہیے تھا، وہ انہیں اپنی اکلوتی بیٹی کے لئے بے حد مناسب لگ رہا تھا، مسئلہ صرف اس کے نکاح کا تھا۔

”ممانی یہ میرا شوق ہے۔“ ابریق نے ان کی بات کا برا مانے بغیر نرمی سے جواب دیا، ان کا ذہن شاطرانہ انداز میں سوچے لگا کوئی بھی ابریق کو داماد بنا کر فخر محسوس کر سکتا تھا، ان کے لبوں پر پراسرار و مبہم مسکراہٹ بکھر گئی۔

☆☆☆

”تم بے ایمانی کر رہی ہو عروہ۔“ لیہا کی زوردار چیخ نما آواز پورے ہال میں بکھر گئی وہ عروہ اور میزاب کے ساتھ مل کر لڈو کھیل رہی تھی، عروہ نے بے ایمانی کرتے ہوئے موقع پاتے ہی اپنی ایک گوٹ کھسکالی تھی، لیہا نے جونہی اس کی بے ایمانی بھانپی اس نے شور مچا ڈالا، میزاب کے معاملے کی کچھ خبر نہ تھی سو وہ دونوں کی لڑائی میں خاموش تماشا کی بنی بیٹھی تھی۔

”میں نے کوئی بے ایمانی نہیں کی ہے۔“ عروہ صاف مکر گئی، وہ لیہا سے ہمیشہ لڈو میں ہار جاتی تھی، اس نے جیتنے کا غلط حل نکالا تھا، عروہ بھی اسی کی طرح اونچی آواز میں بولی وہ دب کر ہارنا نہ چاہتی تھی، وہ ڈھٹائی سے اپنی بے ایمانی پر ڈٹ گئی۔

”یہاں تمہاری ایک گوٹ تھی وہ کہاں ہے؟“ لیہا نے نیلے گھر پر انگلی رکھی، اس نے خود عروہ کی گوٹ یہاں دیکھی تھی، وہ بھلا کیسے بھول سکتی تھی۔

”میزاب باجی آپ بتائیں لیہا کو پچھلے پانچ منٹ سے کوئی چھکا آیا ہے۔“ لیہا نے اپنی لڑائی میں میزاب کو بھی کھسیٹ لیا جو لا تعلق سے بیٹھی دونوں کا تماشا دیکھ رہی تھی، میزاب کو یاد آ گیا اس نے عروہ کی گوٹ کچھ دیر قبل ماری تھی اور اسے واقعی ہی ابھی تک چھکا بھی نہ آیا تھا، عروہ نے اس کی آنکھوں میں چھپی سوچ پڑھ کر اسے آنکھوں میں مکر کرنے کا اشارہ کیا، میزاب سخت تذبذب میں پڑ گئی عروہ اسے متواتر اشارے کیے جا رہی تھی کیونکہ لیہا کا رخ میزاب کی طرف تھا اسی لئے وہ عروہ کے اشارے نہ دیکھ پائی۔

”السلام علیکم!“ میزاب کے کچھ کہنے سے پہلے عاذب آفس سے لوٹ آیا، وہ گوٹ اتار کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنا وہیں ہال میں صوفے پر ٹپک گیا۔

”وعلیکم السلام!“ تینوں نے باجماعت جواباً سلامتی بھیجی، اس کی آمد سے لڑائی ختم گئی، میزاب بھاگ کر بھائی کے لئے پانی کا گلاس لے آئی۔

”بتائیں نے میزاب باجی۔“ وہ عاذب کو پانے دے کر آئی تو لیہا نے لڑائی کا ٹوٹا سلسلہ جوڑا۔

”ہم دوبارہ بھائی کے ساتھ کھیلتے ہیں۔“



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



عروہ نے بے ایمانی کی انتہا کرتے ہوئے لڈو پلٹ دی جبکہ اس کی بات پر عاذب چونک گیا۔

”پارٹنر پارٹنر بھائی۔“ عروہ نے مصومیت سے عاذب کو دیکھ کر آنکھیں شیشائیں، میزاب اور لیہا بھی اسے دیکھتی رہ گئیں۔

”میں تمہارے ساتھ نہیں کھیلوں گی۔“ عروہ نے بہن کا بازو پکڑ کر لیہا کو اکڑ دکھائی آخر اس نے اس سے جیت جانے کا سنہرا موقع چھین لیا تھا، میزاب اور لیہا کی دو جبکہ عروہ کی ایک گھٹ (بے ایمانی کے بعد) رہ گئی تھی۔

”مجھے بھی تمہارا پارٹنر بننے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ دوسری سمت لیہا تھی جو کبھی کسی کے رعب میں نہ آئی تھی اسے عروہ کی بلا وجہ کی اکڑاک آنکھ نہ بھائی اس نے دو بدو جواب دیتے ہوئے عاذب کا بازو پکڑ لیا، عاذب ساکت رہ گیا۔

☆☆☆

یونہی اداس ہے دل بے قرار تھوڑی ہے مجھے کسی کا کوئی انتظار تھوڑی ہے نظر ملا کے میں تم سے گلہ کوئی کروں کیسے تمہارے دل پہ میرا اختیار تھوڑی ہے مجھے بھی نیند نہ آئے اسے بھی چین نہ ہو ہمارے بچ بھلا اتنا پیار تھوڑی ہے خزاں ہی ڈھونڈتی رہتی ہے در بدر مجھ کو میری تلاش میں پاگل بہار تھوڑی ہے نہ جانے کون یہاں اپنا کے چھوڑ جائے یہاں کسی کا کوئی اعتبار تھوڑی ہے ”عروہ! وہ لڑکا کتنا ہنڈسم و خوب و تھانا؟“ وہ

دونوں شام کو اکثر واک کے لئے کالونی کی روڈز ناپا کرتی تھیں، شام کو کالونی کی مین روڈ پر اکا دکا لوگ ہوتے تھے، لیہا کو واک کا چکر مکمل کر کے کالونی کے آخری سرے پر موجود کوشی کے لان سے جھانکتی کاسنی پھولوں کی تیل سے پھولوں کا

کچھا توڑتے ہوئے اچانک یاد آیا، لیہا لان سے جھانکتے آم کے درخت کی سب سے چلی ٹہنی سے آم توڑنے کی کوشش کر رہی تھی اس کی بات پر اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو رک گئے، اسے بھی وہ انجی یاد تھا، اس نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا تھا مگر کہاں؟ اسے لاکھ یاد کرنے پر بھی یاد نہ آیا تھا، اس کے دل میں خوشگوار پھل بج گئی تھی، وہ اپنے دل و دماغ سے انجی کا خیال کمرچ چکی تھی مگر لیہا کو نہ جانے کیسے اس کا خیال آ گیا تھا، اس نے پلٹ کر لیہا کو دیکھا جو اپنے دھیان میں مگن پھولوں کا کچھا سونگہ رہی تھی اس کے چہرے کی مصومیت و بھولپن نے اسے ہر سکون کر دیا۔

”تمہیں وہ آج کیسے یاد آ گیا۔“ اس نے بظاہر عام مگر کھونچنے والے انداز میں پوچھا، کہیں وہ اس کا بھید تو نہ پا گئی تھی، ان دونوں میں خاصی دوستی ہو گئی تھی، وہ کالج سے آ کر سارا وقت عروہ کے ساتھ گزارتی تھی۔

”اوہو، تو تمہیں بھی یاد ہے وہ۔“ لیہا نے اس کے دل کی چوری پکڑ لی تھی، اس نے اسے شوخی سے چھیڑا، ان دونوں کے درمیان زارون کا ذکر پہلی مرتبہ آیا تھا۔

”وہ بہت ہنڈسم ہے یہ ماننے کی بات ہے۔“ عروہ نے کھلے دل سے اعتراف کر لیا لیہا نے اسے معنی خیز شوخ گہری نگاہوں سے گھورا تھا۔

”نہ جانے وہ کسی سے محبت کرتا ہو یا میرا ہوا؟“ عروہ لیہا کی شوخ گھوری سے خائف رخ موڑ گئی، دل میں اٹھتے دسو سے اسے ہراساں کرنے لگے تھے، دل کسی ضدی بچے کی طرح مچلے جا رہا تھا، اس نے ذہن میں بار بار آنے والے خیال کو جھٹک کر خود کو بھلانے کی کوشش کی تھی لیکن دل اسے اک انجانی دنیا میں بے جانے



پر بضد تھا، جہاں خواب و سراب تھے، وہ خود کو سراپوں کے حوالے نہ کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

”عاذب بھائی! آپ میرے ساتھ ذرا مارکیٹ تک چلیں۔“ وہ آفس سے ابھی لوٹا ہی تھا کہ لیہا عجلت میں چلی آئی، اس کے ہاتھ میں دو شاپنگ بیگز تھے، وہ جتنا لیہا سے کتراتا تھا، وہ اتنا بے تکلفی سے اس کے سامنے آجانی، دراصل اسے یہ غلط نہیں ہو چکی تھی کہ وہ ایریق سے ایچ ہے، اس کے ایریق سے فریک نیس بھی کم ہو چکی تھی حالانکہ ایریق اسٹڈی میں بے حد بڑی ہونے سے اسے ٹائم نہ دے پارہا تھا۔

”سوری لیہا! میرے پاس ٹائم نہیں ہے۔“ عاذب سے معذرت کر لی، وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا، لیہا کو اپنے شوز بدلوانا تھے۔

”تم ایریق کے ساتھ چلی جاؤ۔“ لیہا کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی، اسے شوز چینیج کروانے کے ساتھ ہینڈ بیک بھی خریدنا تھا، عاذب سے اس کی مایوسی نہ دیکھی گئی تو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی مشورہ دے ڈالا۔

”اگر وہ گھر ہوتے تو میں آپ کے پاس کبھی نہ آتی۔“ لیہا نے زوشے لہجے میں رکھائی بھرا جواب دیتے ہوئے پلٹ گئی، نہ جانے عاذب کو اس سے کیا دشمنی تھی وہ اس سے ہمیشہ کتراتا رہتا تھا، وہ سخت بددل ہو کر گئی تھی۔

”اوہ، تو تم میرے پاس مجبوری میں آئی تھی۔“ عاذب کی رنجیدہ نظروں نے اس کا دور تک پیچھا کیا تھا۔

”تم گئی نہیں پھر۔“ وہ غصے سے تن فن کرتی کمرے میں داخل ہوئی، اس نے شاپرز بیڈ پر شے اور خود دھب سے بیڈ پر ڈھے گئی، ڈائجسٹ کے مطالعے میں مگن عروہ نے چوبک کر سر اٹھایا۔

”منع کر دیا تمہارے بھائی، محترم کے پاس وقت نہیں ہے۔“ لیہا کا غصے سے برا حال تھا اس نے غصے سے یوں دانت کچکپائے جیسے دانتوں تلے عاذب ہو۔

”وہ تھک گئے ہوں گے تم کل چلی جانا۔“ عروہ نے فوراً بھائی کی حمایت کی، عاذب صبح کا گیا شام گئے گھر لوٹا تھا، اس کا واپسی پر ٹھکن سے برا حال ہوتا تھا، وہ ڈنر کے بعد جلدی سو جاتا تھا، عاذب ویسے بھی خواتین کی شاپنگ سے خار کھاتا تھا۔

”تمہارے بھائی خود کو سمجھتے کیا ہیں؟“ لیہا کا غصہ کسی طور کم ہونے کا نام ہی نہ لے رہا تھا اس نے کراؤن کے سہارے اٹھتے ہوئے گئی سے عروہ سے پوچھا۔

”تمہیں کوئی غلط نہیں ہوئی ہے عروہ، بھائی بہت اچھے اور فرینڈلی نیچر کے ہیں۔“ عروہ نے خل سے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا، وہ دونوں بہنیں عاذب کی بے حد لاڈلی تھیں اور اس سے بے حد دوستی بھی تھی، اسے اپنے بھائی کے خلاف ایک لفظ بھی سننا مشکل لگ رہا تھا۔

”تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں ورنہ وہ لگتے نہیں ہیں۔“ لیہا نے کندھے اچکاتے ہوئے ڈائجسٹ کھول لیا عروہ کو اس کی بات سخت ناگوار گزری مگر وہ چپ رہی۔

☆☆☆

”یار تم دونوں کتنے بے مروت ہو، تم نے اپنے نکاح کی مجھے بھی خبر نہ ہونے دی۔“ ایریق اور میزاب لاہیری میں کہاں اسٹڈی کر رہے تھے، ان کے فاسٹ فوڈ کے ایگزٹریز قریب تھے، ان دونوں کے مشترکہ دوست اسد نے آکر ان کے سر پر دھماکا کیا، انہوں نے کسی کلاس فیلو کو اپنے نکاح کی خبر نہ دی تھی، نبجانے اسد کو کہاں



سے خبر ہو گئی، وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

”یار! میں تمہیں بتانے ہی والا تھا۔“ ابریق نے اسد کے غصے سے لال بھسوکا چہرے کو دیکھتے ہوئے اپنی غفلت مٹانا چاہی، اس نے اسد سے کبھی کوئی بات نہ چھپائی تھی، یہ پہلا موقع تھا اس کی غفلت اور غصہ بالکل جائز تھا، دراصل وہ دونوں ایگزامز کے قریب کوئی ”سکینڈل“ کریٹ نہ کرنا چاہتے تھے، اکثر کلاس فیلوز تو ان کی کزن شپ سے بھی لاعلم تھے۔

”ہاں، تم تو دو مہینے سے بتانے ہی والے تھے۔“ اسد نے اس کی بات چٹکیوں میں اڑائی، ان کے نکاح کو دو مہینے گزر چکے تھے، اسے ان دونوں سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ اپنی خوشی اس سے شیر نہ کر س گے، وہ ان سے سخت خفا تھا۔

”ایکھو بلی اسد! ہم نانی جان کی اچانک ڈھچک سے کافی ڈسٹرب تھے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں نہ بتاتے۔“ میزاب نے زبان کھولی، وہ دونوں ساجدہ کی ڈھچک پر اتنا افسردہ تھے کہ ان کا دل اپنی خوشی صحیح طرح محسوس ہی نہ کر پائے۔

”ہوں۔“ اسد نے پل بھر میں خفگی بھلا دی ان کی بات بھی معقول تھی ساجدہ بیگم تو اسد سے بھی ابریق کی طرح محبت کرتی تھیں۔

”خیر میری طرف سے تم دونوں کو نئے سفر کی بہت مبارک ہو۔“ اسد نے خلوص دل سے دونوں کو مبارکباد دی تھی، وہ دونوں مسکرا دیئے۔

☆☆☆

”شعیب کو اندر بھیجیں۔“ زارون نے انٹر کام پر اپنی پرسنل سکریٹری کو تاکید کی اور ٹیبل کے گرد گھوم کر دائیں سائیڈ رکھے صوفے پر آن بیٹھا۔

”میں نے تم سے کوئی کام کہا تھا۔“ شعیب دو منٹ بعد اس کے سامنے تھا، وہ دونوں کلاس فیلوز تھے، شعیب اسی کی کمپنی میں جاب کرتا تھا، وہ بے حد ذہین و جوان تھا، زارون نے اسے بہترین سیلری پر رکھ لیا تھا۔

”یار! مجھے کچھ دن دو یہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔“ شعیب نے لاچاری سے اس کی عجلت پر اسے ٹوکا، زارون نے اسے عروہ کو ڈھونڈنے کا ٹاسک دیا تھا، اس نے شعیب کو عروہ کے کالج اور سبجیکٹ کا نام بتایا تھا، اس نے عروہ کو اسی کالج کے یونیفارم اور سبجیکٹ کے مخصوص دوپٹے کی وجہ سے پہچانا تھا اور شعیب کو تفصیلاً اس کا حلیہ بتا کر اسے ڈھونڈنے کی ذمہ داری سونپی تھی۔

”تو جلدی کچھ کر یار!“ زارون نے منت بھری نظروں سے التجا کی، وہ عجب مجتوں سا ہوتا جا رہا تھا، اسے ہر سمت اور ہر شے میں عروہ کا چہرہ نظر آتا تھا، گھر میں اسے پسند کی لڑکی اپنانے کی مکمل آزادی تھی مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ لڑکی پسند کرنے کے باوجود اس سے انجان و ناواقف تھا، اس کے دل کی ایسی حالت پہلے تو کبھی نہ ہوئی تھی۔

”ریلیکس یار!“ شعیب نے اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اسے حوصلہ دیا، وہ اس کا شریک راز تھا اور اس کی ہر ممکن مدد کی بھرپور کوشش کر رہا تھا مگر اسے فی الحال کامیابی نہ ملی تھی، وہ دوبارہ کالج کے کلرک کے پاس گیا تھا جس نے اسے کسی بھی لڑکی کا ایڈریس یا ملوانے سے صاف انکار کر دیا تھا وہ کلرک کو اعتماد میں لینے میں ناکام رہا تھا، زارون نے سرد آہ بھری شعیب نے زری سے اس کا ہاتھ دبا کر چھوڑ دیا۔

☆☆☆

”فاطمہ تم نے کچھ عجلت کا مظاہرہ نہیں کیا۔“



مرد حضرات آفس، بچے یونیورسٹی و کالج اور عائشہ اپنے کمرے میں تھیں، قاطمہ ناشتے کے بعد کچن کا سامان سمیٹ رہی تھیں، قاخرہ کچن میں قاطمہ کی مدد کے خیال سے چلی آئیں وہ اپنے گھر ایک آدھ روز میں شفٹ ہو رہی تھیں، غلیل صاحب نے شہر کے پوش ایریا میں ایک جدید طرز تعمیر کا حامل بنگلہ خریدا تھا، قاخرہ کئی روز سے ایریق کا عیشی نگاہوں سے جائزہ لے رہی تھیں، انہیں ساجدہ بیگم پر بھی سخت غصہ تھا جو بجلت ان کی بیٹی کا حق غائب کر گئی تھیں، ان کا شاطرائہ ذہن حالات کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا اسی لئے وہ کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھیں تاکہ وہ ر کے ذہن میں بھی اپنا خیال اٹھیل سکیں، قاخرہ نے ان کا ہاتھ بٹاتے ہوئے اچانک گفتگو کا دھارا بدلا۔

”کس بات کی عجلت بھابھی۔“ قاطمہ کے برز صاف کرتے ہاتھ رک گئے وہ ابھی نظروں سے قاخرہ کو دیکھنے لگیں جن کے چہرے پر سوچ کی گہری لکیر تھی جیسے وہ کچھ خاص بات کرنا چاہتی ہوں۔

”ایریق اور میزاب کے نکاح کی۔“ قاخرہ نے بظاہر عام سے لہجے میں بات مکمل کر کے ان کا رد عمل جانچنا چاہا تھا، قاطمہ نے کبھی ان کے سامنے میزاب سے اپنی دلی وابستگی کا اظہار نہ کیا تھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی میزاب کو انہیں خصوصی پروٹوکول دیتے دیکھا تھا، انہیں ان دونوں کے تعلقات کا بالکل اندازہ نہ تھا، دراصل وہ انہیں اندر سے ٹٹولنا چاہ رہی تھیں۔

”عجلت کیسی بھابھی! جب بچے جوان ہو جائیں تو انہیں بیاہنا تو ہوتا ہی ہے۔“ قاطمہ کے چہرے پر نرم دھیمی مسکراہٹ بکھر گئی ان کے لہجے میں محبت و شفقت چھپی تھی۔

”کیا تمہیں میزاب پسند تھی۔“ وہ آسانی سے اہم ہارنے والوں میں سے نہ تھیں وہ حتیٰ نتیجہ تک پہنچنا چاہتی تھیں تاکہ وہ جانے سے پہلے اپنا ترپ کا ہتا پھینک سکیں۔

”بھابھی حقیقت تو یہ ہے کہ وہ مجھے بطور خاص پسند نہ تھی مگر وہ گھر کی دیکھی بھالی بچی ہے اسی لئے مجھے کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔“ قاطمہ کے لہجے کی نرمی ابھی بھی برقرار تھی، ان کی سمجھ میں قاخرہ کی گفتگو کا مقصد نہ آرہا تھا، وہ کچھ الجھ گئی تھیں، انہوں نے کبھی یوں بطور خاص انہیں نہ کریدا تھا، دونوں کے درمیان واضح پراسرار چین بھری خاموشی پھیل گئی، قاطمہ کی آنکھیں بڑھنے لگی۔

”بھابھی آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں۔“ قاطمہ نے کچن انکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے بظاہر عام لہجے میں چہرے پر مسکراہٹ طاری کرتے ہوئے اپنی آنکھیں دور کرنا چاہی تھی وہ ان لوگوں میں سے نہ تھیں جو دوسروں کی باتوں میں چھپے معنی از خود اخذ کر کے رائی کا پھاڑ بنا لیتے ہیں، وہ سچ جو اور صاف نیچر کی مالک تھیں ان کی عادت تھی کہ وہ دل میں آئی بات دباتی نہ تھیں، ان کے خیال میں دل میں وسوسے پال کر بغض پیدا کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ دوسرے بندے سے صاف بات کر کے حقیقت جان لی جائے۔

”قاطمہ تم تو عقلمند تھی اگر اماں عجلت دکھا رہی تھیں تو تمہیں تو کم از کم سمجھداری سے کام لینا چاہیے تھا۔“ قاخرہ نے موقع پااتے ہی کاری ضرب لگائی، وہ بالآخر اپنے دل کی جلن و کڑھن کو زبان پر لے آئیں۔

”کیا مطلب بھابھی!“ قاطمہ کے ماتھے پر ناگواری کی کئی سلوٹیں پڑ گئیں، انہوں نے لہجے میں کچھ کھلنے سے بمشکل روکی تھی، وہ حقیقتاً سخت متذبذب تھیں۔



”مطلب یہ قاطعہ! اگر تمہیں گھر کی بچی کو  
 ہی اکلوتی بہو بنانا تھا تو لیہا بھی تو تمہاری بچی  
 تھی۔“ بالآخر ملی تھیلے سے باہر آگئی، قاطعہ کا دل  
 دھک سے رہ گیا، قاخرہ نے اکلوتی بہو ہونے کے  
 باطلے بہت ناز برداریاں اٹھوائی تھیں وہ چاہتی  
 تھیں کہ لیہا بھی کسی کی اکلوتی بہو بنے، وہ ان کی  
 نازوں و نعم میں پٹی بڑھی بچی تھی ان کی خواہش تھی  
 کہ اس کے ناز و نعم سسرال میں بھی قائم رہیں،  
 قاخرہ انہیں سوچوں میں گمراہ چھوڑ کر وہاں سے  
 چلی گئیں۔

☆☆☆

”شکر ہے ابریق ارشد کو بھی ہمارے لئے  
 ٹائم ملا۔“ وہ اپنے کمرے میں سخت بو رہا تھا،  
 بابا، ماموں اور عاذب بھی ابھی تک آفس سے نہ  
 لوٹے تھے وہ اکیلا تنہائی سے اکٹا کر عروہ اور لیہا  
 کے مشترکہ کمرے میں آگیا جہاں میزاب بھی  
 موجود تھی مومگ پھلی کا دور چل رہا تھا اور وہ تینوں  
 کسی تازہ دیکھی مووی پر زور و شور سے تبصرہ کر  
 رہی تھیں، اس پر سب سے پہلے پرانے والی نگاہ  
 لیہا کی تھی، وہ مسکراتا ان کے قریب بیٹھ گیا اور  
 ہاتھ بڑھا کر مومگ پھلیاں مٹھی میں بھر لیں  
 میزاب محبوب سی خود میں سٹ گئی۔

”کیوں کیا میں تمہیں ٹائم نہیں دیتا ہوں۔“  
 ابریق نے مسکرا کر لیہا کا گلہ دور کرنا چاہا وہ  
 اسٹڈی میں بڑی ہونے سے لیہا کو پہلے طبیسی  
 کہتی نہ دے پاتا تھا، اس کا شکوہ بجا تھا، لیہا کے  
 چہرے پر بچکانہ معصومیت تھی جس نے میزاب کو  
 خفیف کر دیا، اسے بے ساختہ ابریق سے اپنی عقلی  
 یاد آگئی تھی۔

”چلیں پھر آج آئسکریم کھانے چلتے  
 ہیں۔“ لیہا نے خوشدلی سے فرمائش کی وہ جوتوں  
 میں کپڑوں سے مومگ پھلی کے چھلکے جھاڑتی ہوئی

کھڑی ہو گئی۔

”او کے چلو۔“ ابریق تیار ہو گیا۔

”میزاب آپنی اور عروہ آپ بھی ہمارے  
 ساتھ چلیں نا۔“ لیہا نے ان دونوں کو شخص بیٹھا  
 دیکھ کر حیرانی سے کہا، ان کا جانے کا بالکل موڈ نہ  
 تھا میزاب کو کھانے کی تیاری میں امی کا ہاتھ بٹانا  
 تھا اور عروہ کا پسندیدہ ڈرامہ لگنے والا تھا۔  
 ”نہیں تم جاؤ۔“ دونوں نے نرمی سے انکار  
 کیا۔

”پھر میں بھی نہیں جا رہی ہوں۔“ وہ روٹھ  
 کر منہ پھلاتے ہوئے دوبارہ بیٹھ گئی۔

”ارے تم تو جاؤ۔“ دونوں بہنیں ہکا بکا اک  
 دوسرے کی صورت دیکھنے لگیں، میزاب نے  
 اسے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

”پھر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔“ لیہا  
 نے جھٹ فرمائش کر ڈالی میزاب نے ابریق پر  
 نظر ڈالی جس کی خاموش نگاہیں بھی لیہا کا تقاضا  
 دہرا رہی تھیں ناچار اسے اٹھنا پڑا، ابریق کا چہرہ  
 خوشی سے کھل اٹھا۔

”جینک یو میزاب آپنی!“ لیہا جھٹ اس  
 کے گال چومتی اس سے لپٹ گئی جبکہ اندر آتی  
 قاخرہ محض آخری دو جملوں سے ہی ساری پتھویشن  
 سمجھ گئی تھیں، انہیں اپنی نادان بیٹی پر شدید غصہ آیا  
 تھا، وہ دل میں کڑھتی پلٹ گئیں۔

☆☆☆

”لیہا تمہیں کس دن عقل آئے گی بیٹا۔“  
 قاخرہ نے موقع ملتے ہی بیٹی کو آڑے ہاتھوں لیا،  
 وہ واپسی پر سب گھر والوں کے لئے آئس کریم  
 لائے تھے، لیہا کا قیام عروہ کے کمرے میں تھا،  
 انہوں نے لیہا کو سونے سے پہلے اپنے کمرے  
 میں بلوایا تھا۔

”کیا ہوا ہے ماما!“ انہوں نے اسے آتے



عی لٹاڑتے ہوئے خشکیوں نظروں سے گھورا تو وہ پریشان ہو گئی، خلیل واٹس روم میں تھے، قاخرہ مطمئن تھیں کہ انہیں بیٹی سے بات کرنے کے لئے تنہائی میسر تھی۔

”تمہیں بھلا کیا ضرورت تھی میزاب کو ساتھ لے جانے کی۔“ وہ دبے دبے لہجے میں غصے سے دھاڑیں، لیہا حیرت کی زیادتی سے گنگ رہ گئی، قاخرہ نے اسے بھی نہ ڈانٹا تھا اسے ماں کی محض میزاب کو ساتھ لے جانے پر ناراضگی سمجھ نہ آئی وہ ناہمی سے ماں کو دیکھے جا رہی تھی جن کا چہرہ غصے کی زیادتی سے سرخ پڑ گیا تھا، ان کی آنکھوں میں چھپی غصے کی لالی نے لیہا کو سراسیمہ کر دیا تھا۔

”مما! ابریق مجھے لے کر جا رہے تھے تو مجھے میزاب آپنی کے بغیر جانا مناسب نہ لگا۔“ ابریق نے اسے جانے کی آفر کی تو اسے واقعی ہی تنہا جانا آکورڈ لگا تھا اسی لئے اس نے میزاب کو بھی جانے پر راضی کیا تھا، اس نے نرمی سے سچائی بیان کی۔

”کیا وہ تمہیں گود میں اٹھا کر لے گئی تھی۔“ ان کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا، انہیں سمجھ نہ آئی کہ وہ اپنی نادان و معصوم بیٹی کو کیسے سمجھائیں، لیہا کے ماتھے پر ناگواری کی لہریں ابھر آئیں، اسے ماں سے یہ توقع نہ تھی۔

”مما! آپ کہتا کیا چاہتی ہیں۔“ وہ ناگواری سے انہیں ٹوک گئی۔

”بیٹا! تم سمجھ دار ہو، تمہیں ابریق کے ساتھ اکیلے ہی جانا چاہیے تھا۔“ قاخرہ کا دل بیٹی کی نادانی اور بھولپن پر اپنا سر پیٹ لینے کو چاہا جو ان کی بات نہ سمجھ رہی تھی یا پھر وہ، سمجھنا نہ چاہتی تھی۔

”مما! آپ بالکل غلط سوچ رہی ہیں۔“ وہ

لہجہ بھر میں بات کی تہہ تک پہنچ گئی اسے ماں کی بات اور تقاضے نے ششدر کر دیا تھا، وہ میرڈ تھا اور ماما جانتے ہوئے بھی انجان بن رہی تھیں، وہ غصے سے تن فن کرتی اٹھ کر چلی گئی، قاخرہ نے اپنا سر پکڑ لیا، ان کا ذہن تیزی سے تانے بانے بن رہا تھا، رفتہ رفتہ ان کے چہرے سے تشویش کم ہونے لگی۔

”وہ نا سمجھ و نادان ہے، وقت کے ساتھ سمجھ جائے گی۔“ ان کے چہرے پر گہرا اطمینان اور لیوں پر آسودہ مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

☆☆☆

”عاذب بھائی! کیا آپ مجھ سے خفا ہیں۔“ اس روز خلیل اور قاخرہ اپنے گھر شفٹ ہو رہے تھے، عاذب کا دل لیہا کے جانے کے تصور سے ہی صبح سے اداس تھا، سارا دن سامان کی منتقلی میں گزر گیا تھا، قاخرہ ہفتے بھر سے روزانہ جا کر وہاں ملازماؤں سے صفائی کروا رہی تھیں، ان کی دوبارہ قاطعہ سے بات نہ ہو سکی تھی، قاطعہ کا رویہ بھی پہلے جیسا تھا جس سے وہ کچھ اخذ نہ کر پائی تھیں اور نہ ہی انہیں اپنی بے پناہ مصروفیات میں ان سے جواب لینے کا موقع مل سکا تھا، وہ اسی پر مطمئن تھیں کہ وہ قاطعہ کے ذہن میں بات ڈال چکی ہیں، عاذب اداں تھا اپنے کمرے میں لیٹا تھا کہ لیہا چلی آئی۔

”نہیں لیہا! میں تم سے کیوں خفا ہوں گا۔“ وہ اٹھ بیٹھا اور نرمی سے اس کا گال تھپکا وہ کسی ننھے بچے کی مانند لگ رہی تھی اس کے چہرے کی معصومیت و بھولپن تھا۔

”آپ مجھ سے کتنے کتنے کیوں رہتے ہیں۔“ وہ ذرا مطمئن نہ ہوئی، اس نے بے یقینی سے سوال کیا، اس کی آنکھیں بے یقینی سے مزید پھیل گئیں وہ اسے بھلا کیا بتاتا، وہ تو اس کے



سائے سے بھی گھبراتا تھا۔

”لیہا بیٹا!“ قاخرہ اسے آوازیں دے رہی تھیں سب گھر والے انہیں الوداع کہنے گیٹ پر جمع تھے، صرف عاذب غائب تھا، لیہا نا محسوس طریقے سے کھسک کر اس کے کمرے میں آگئی، جلد ہی اس کے نام کی پکار پڑنے لگی تو اسے جانا پڑا۔

”آپ ہمارے گھر ضرور آئیے گا عاذب بھائی۔“ لیہا نے پر زور اصرار کیا اس نے مسکرا کر سراثبات میں ہلا دیا۔

☆☆☆

”فاطمہ! اماں بی کافی تیز اور چالاک عورت تھیں، انہوں نے بیٹی کو بھی سیٹل کروالیا اور تو اسی کو بھی تمہاری جائیداد کا مالک بنا ڈالا، کبھی کبھ تو وہ ماں بیٹیاں لے اڑیں، تمہارے ہاتھ بھلا کیا آیا۔“ خلیل اور قاخرہ نے نئے گھر کی خوشی میں دعوت دی تھی، مہمان چاچکے تھے البتہ عائشہ اور فاطمہ بچوں سمیت رات گھمہرنے کے لئے رک گئی تھیں، نوجوان پارٹی لاونج میں براجمان خوب انجوائے کر رہی تھی۔

مرد حضرات کاروباری و سیاسی گفتگو میں محو تھے جبکہ عائشہ اور فاطمہ قاخرہ کے ساتھ کچن میں چائے تیار کر رہی تھیں، عائشہ چائے مردوں کو دینے لگیں تو قاخرہ کے دل کی جلن زبان پر کھلے لفظوں آگئی، فاطمہ کی خاموشی نے ابھی انہیں ڈھارس دی تھی وہ انہیں کسی بات پر نہ ٹوکتی تھی اور نہ ہی کبھی ناگواری کا اظہار کیا تھا، نتیجتاً قاخرہ کا حوصلہ بڑھتا جا رہا تھا، عائشہ نوجوان پارٹی کے لئے چائے لینے آئیں تو قاخرہ نے چپ سا دھ لی، فاطمہ کے چہرے پر گہری سوچ کر واضح چھاپ دی۔

عائشہ کی اپنی سرال میں کسی سے نہ بنی تھی،

وہ الگ ہو کر ان کے ہاں آگئی تھی اماں بی نے انہیں گھر اور کاروبار میں حصہ دیا تھا۔

”بھابھی صحیح کہہ رہی ہیں۔“ پتھر پر قطرہ قطرہ بوند گرے تو اس میں بھی جو تک لگ جاتی ہے وہ تو پھر گوشت پوست کی نرم انسان تھیں، انہیں قاخرہ کی بات بالکل درست لگی تھی، اماں بی نے عائشہ کو ان کا حق بھی دے ڈالا تھا، وہ ایسا سوچتے ہوئے اماں بی کی تمام تر محبتیں اور شفقتیں بھول گئی تھیں انہیں یہ بھی خیال تک نہ آیا کہ اگر وہ دونوں ماں بیٹی مل کر ان کے خلاف محاذ بنالیتیں تو وہ ان کا کیا بگاڑ سکتی تھیں، ارشداپنی ماں کے بے حد فرمانبردار تھے ان کی ذہنی رو بھی قاخرہ کی طرح سوچنے لگی تھی۔

☆☆☆

کچھ دور ہمارے ساتھ چلو  
ہم دل کی کہانی کہہ دیں گے  
کچھ نہ جسے تم آنکھوں سے  
وہ بات زبانی کہہ دیں گے  
پھولوں کی طرح ہونٹوں پہ  
اک شوخ تبسم بکھرے گا  
دھیرے سے تمہارے کانوں میں  
ایک بات پرانی کہہ دیں گے  
اٹکھارو قائم کیا جانو.....!  
اقرارو قائم کیا جانو.....!  
ہم ذکر کریں گے غیروں کا  
اور اپنی کہانی کہہ دیں گے

”عاذب بھائی! آپ کو فیس بک سے دلچسپی ہے۔“ چائے کا دور کب کا ختم ہو چکا تھا، سب سونے جا چکے تھے، اسے نیند نہ آرہی تھی اس نے ٹائم پاسنگ کے لئے لیپ ٹاپ پر فیس بک کھول لی، وہ فیس بک میں منہمک تھا کہ لیہا کی اشتیاق بھری استفہامیہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرانی،



☆☆☆

تو میری سوچ ہی کوئی اور تمہیں سوچے  
تو کیوں؟

تو میرے لبوں کا نغمہ ہے کوئی اور تمہیں گنگنائے  
تو کیوں؟

تو میری نظر کا آئینہ ہے کوئی اور تمہیں دیکھے  
تو کیوں؟

تو صرف میری دعا ہے کوئی اور تمہیں مانگے  
تو کیوں؟

تو صرف میری زندگی ہے کوئی اور طلب کرے  
تو کیوں؟

تو میرے دل کی تمنا ہے تجھے کوئی اور آرزو کرے  
تو کیوں؟

تو میری خواہش ہے تجھے کوئی اور پائے  
تو کیوں؟

”زارون میں تمہاری جلد شادی کرنا چاہتی  
ہوں بیٹا اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو مجھے بتا دو۔“

ملک صاحب بزنس ٹور پر دو ہفتے کے لئے بیرون  
ملک گئے ہوئے تھے زارون نے نہایت ذمہ

داری سے ان کی غیر موجودگی میں ان کا بزنس  
سنجھالا ہوا تھا، ڈائمنگ ٹیبل پر ناشتہ کرتے

زارون کو پانی پیتے اچھو لگ گیا، وہ ماں کی بات پر  
ٹکڑ ٹکڑان کی صورت دیکھنے لگا، اس کے پاس ماں

کو اپنی پسند کے متعلق بتانے کو کچھ نہ تھا اور پسند  
کے بغیر زندگی گزارنا اس کے لئے سوہان روح

تھا۔

”ماما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ ان کی بات  
سنی ان سنی کرنا اٹھ کر کوٹ پہننے لگا۔

”بیٹھو زارون۔“ انہیں اس کی بے نیازی  
پر تپ چڑھ گئی وہ ان کی کسی بات کو سنجیدگی سے نہ

لے رہا تھا اور شادی کا نام سنتے ہی بدکنے لگا تھا،  
ان کے سوشل سرکل میں ان کی نظر میں کئی رشتے

عاذب نے چوٹ کر اسے دیکھا غالباً اسے بھی  
نیند نہ آرہی تھی، وہ لاؤنچ میں روشنی دیکھ کر چلی  
آئی تھی، وہ لیپ ٹاپ پر جھک گئی، عاذب کے  
حواس ساتھ چھوڑنے لگے، بڑی بڑی دلکش  
آنکھیں، صراحی دار گردن، گداز ہونٹ، سرخ و  
سفید رنگت وہ بلاشبہ بے حد حسین تھی عاذب کا دل  
اداسی کی دبیز تہہ میں ڈوبنے لگا۔

”کیسا آپ ابھی تک سوئی نہیں ہیں۔“  
عاذب نے ہوش میں آتے ہوئے اس کے دلکش

سراپے سے بمشکل نظریں چراتے ہوئے کھوئے  
لہجے میں سوال کیا، وہ نجانے کیوں بار بار اس سے

ٹکڑا جاتی تھی، وہ اس سے گریز کی کئی راہیں اپناتا  
مگر وہ گریز کی دیواریں گرانے پر تلی ہوئی تھی۔

”نہیں۔“ وہ مختصر جواب دے کر میسج  
میں کھوئی رہی، اس نے محبت کھوئی تھی مگر اس کے

چہرے پر کہیں احساس نارسائی نہ تھا، وہ ہر وقت  
ہستی ٹھکراتی رہتی، وہ اس کے چہرے کو بغور

کھوج رہا تھا کہ اس نے چوٹ کر عاذب کو  
دیکھا، عاذب نے گڑبڑا کر نظریں پھیر لیں، لیہا

ٹھٹھک کر اسے دیکھنے لگی۔

”عاذب بھائی! کیا میں آپ کو بری لگتی  
ہوں؟“ لیہا ماں کی طرح منہ پھٹ اور صاف

بات کہہ دینے کی قائل تھی وہ عاذب کے روکے  
روے کو بالکل نہ سمجھ پائی تھی وہ نیچرلی اپنی دونوں

بہنوں سے بالکل مختلف تھا، وہ دونوں جلد گل مل  
جانے والی تھیں اس نے عاذب کو کبھی کسی سے

فری ہو کر باتیں کرنے نہ دیکھا تھا۔

”نہیں۔“ اس کے سوال نے عاذب کو  
حریہ گڑبڑا دیا، اسے اس لڑکی کا سامنا کرنا دنیا کا

مشکل ترین امر لگتا تھا، اگلے پل نجانے کیا ہوا  
لیہا کچھ بھی کہے سے بناء اٹھ کر چلی گئی، عاذب

ناہمی سے اسے کا نقش پاد دیکھتا رہ گیا۔



تھے بلکہ کئی بیگمات تو انہیں اپنی بچیوں کے لئے واضح اشارہ دے چکی تھیں لیکن وہ بیٹے کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرنا چاہتی تھیں ان کا غصہ بالکل فطری تھا، ناچار اسے بیٹھنا پڑا۔

”مجھے اپنی پسند بتاؤ۔“ وہ اس کے گریز سے بھانپ چکی تھیں کہ وہ کسی کو پسند کرتا ہے، انہوں نے سیدھے الفاظ میں پوچھا تو وہ زنجیدگی سے سر جھکا گیا، وہ خود اس کے متعلق کچھ نہ جانتا تھا اور نہ ہی شعیب نے اسے کوئی معلومات فراہم کر تھیں وہ ماما کی خود پر جی نظروں سے گھبرا کر پہلو بدلنے لگا۔

”زارون!“ ماما نے اس کی خاموشی سے چڑ کر تنبیہی انداز میں ٹوکا۔

”ماما! میں خود اس کے متعلق کچھ نہیں جانتا ہوں۔“ زارون نے بالآخر بھرمانہ انداز میں اعتراف کر لیا۔

”بیٹا! زندگی یوں نہیں گزرتی ہے۔“ وہ پریشان ہو گئیں، وہ شوہر اور بیٹے کے آفس جانے کے بعد سارا دن گھر میں تنہا پور ہو جاتی ہیں انہیں سوشل ایکٹیویٹیز سے زیادہ دلچسپی نہ تھی ورنہ اپنی تنہائی اور پوریت دور کرنے کے لئے زارون کی جلد شادی کرنا چاہتی تھیں مگر وہ اکلوتی اولاد پر اپنی مرضی نہ تھوپنا چاہتی تھیں۔

”ماما! مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ ان کی مزید کوئی بات سنے بغیر آفس چلا گیا، جبکہ وہ پریشانی سے سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

”ممائی! آپ بیٹھیں میں کرتی ہوں۔“ فاطمہ کچن میں کھانا تیار کر رہی تھیں امیرتی نے بریانی اور کوفتہ کی فرمائش کی تھی، کچن سے اٹھتی اشتہا انگیز خوشبوئیں میزاب کو کھینچ لائیں، فاطمہ نے اس کی آمد کا کچھ خاص نوٹس نہ لیا، ان کے

انداز میں میزاب کے لئے مخصوص محبت و گرمجوشی بھی مفقود تھی، وہ کافی دیر سے مصروف تھیں محسن ان کے چہرے سے مترشح تھی، وہ بریانی کو دم پر لگا کر کوفتے کا مصالحہ بنانے لگیں، تو میزاب نے ان کے ہاتھ سے سالن کا چمچ لے لیا اس سے ان کی محسن نہ دیکھی گئی۔

”تم رہنے دو میں کر لوں گی۔“ فاطمہ نے تقریباً حصّے کے انداز میں چمچ واپس لے لیا ان کا لہجہ دھیما مگر کھردراتھا، میزاب متحیر رہ گئی، انہوں نے پہلے بھی اس سے اس لہجے میں بات نہ کی تھی، فاطمہ کے چہرے سے چھلکتی بھری بے زاری نے میزاب کو ملول کر دیا، وہ نجانے کیوں اسے بدلی بدلی لگ رہی تھیں، وہ پہلے کی طرح نہ تو عائشہ کے پاس گھنٹوں بیٹھ کر لایعنی باتیں کرتی تھیں اور نہ ہی اس کے لئے گرمجوشی دکھاتی تھیں۔

فاطمہ بے نیازی کی انتہا پر تھیں وہ اسے یکسر نظر انداز کیئے کھانا بنانے میں یوں مگن تھیں جیسے وہ موجود نہ ہو، میزاب بو جھل دل سے لوٹ گئی۔

☆☆☆

موسم بے حد خوشگوار تھا، شہنڈی میٹھی ہوا ہر طرف جھوم رہی تھی، خوشبوؤں کے قافلے ہوا کے دوش پھلتے ماحول کو معطر کر رہے تھے، آسمان سے بوند باندی گرنے لگی، وہ بارش کی دیوانی تھی اور اسے بارش میں نہانا بے حد پسند تھا، وہ وسیع لان کے کنارے برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑی پلر سے کندھا ٹکائے سوچوں میں گم تھی بوند باندی جلدی تھم گئی، وہ نیچ نیچ کر قدم اٹھاتی لان میں چیر پر آن بیٹھی، دن ڈھلنے کو تھا۔

ہوا کے شریر جھونکے نے اس کے بال بکھیر دیئے، اس نے بال سمیٹ کر کچر میں مضبوطی سے جکڑے، آسمان پر پردے اسنے آشیانوں کی سمت محو پرواز تھے، اس نے چیر کی بیک سے سر



ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں، بند پلکوں کے نیچے عاذب کا وجیہہ چہرہ چہم سے آن ٹھہرا، اس نے گھبرا کر فوراً آنکھیں کھول دیں۔

”لیہیا!“ سامنے برآمدے میں عاذب کھڑا اسے ہاتھ کے اشارے سے بلارہا تھا۔

بلیک پینٹ اور لائٹ براؤن شرٹ میں اس کا دراز قد نمایاں تھا، گوری رنگت، کھڑی ناک، سلیقے سے جے بال اور تکیے نقوش، وہ نجانے خود دو وجیہہ حقیقتاً تھا یا اسے ہی لگ رہا تھا۔

”لیہیا!“ وہ بے یقینی سے اسے دیکھے جا رہی تھی کہ اس نے دوبارہ ہاتھ سے اشارہ کیا وہ دعوت کے بعد دوبارہ ان کے ہاں نہ آیا تھا اور نہ ہی اس نے پلٹ کر اس کی کوئی خبر لی تھی وہ بے یقین نہ ہوتی تو کیا کرتی، وہ یقین کی منزلوں سے گزر کر اس کی سمت بڑھنے کو تھی کہ وہ یکدم غائب ہو گیا۔

”ہا۔“ اس کا دل دھک سے رہ گیا وہ حیرت کی انتہا پر بھی کیا گمان اتنے پر فریب پا طاقتور ہو سکتے ہیں کہ انسان انہیں حقیقت سمجھ بیٹھے، وہ دیوانوں کی طرح لپک کر برآمدے میں پہنچی، وہ پاگلوں کی طرح برآمدے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کئی بار بھاگی مگر وہ وہاں ہوتا تو نظر آتا تھا۔

”عاذب!“ وہ تھک کر برآمدے میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی، آنسو اس کی آنکھوں سے بھل بھل بہنے لگے، وہ جس حقیقت سے فرار حاصل کرنے کو خود کو کئی بار جھٹلا چکی تھی، وہ فریب نہ تھا، اسے یکطرفہ محبت، شدت سے رلانے لگی، اسے لاکھ یاد کرنے پر بھی کوئی ایسا پل یاد نہ آیا تھا جب عاذب نے اس سے فرینکلی گھٹلو کی ہو اس کی یادداشت میں کوئی ایسی ساعت محفوظ نہ تھی، جب عاذب نے اسے بھرپور کہنی دی ہو، وہ تو

اس کے سائے سے بھی بھاگتا تھا اور وہ..... وہ کتنی نادان تھی کہ اس نے بناء سوچے سمجھے محبت کی خاردار وادی میں قدم رکھ دیا تھا اور دل..... دل اس کی سنگت کا شدت سے تمنائی تھا اور آنکھیں..... آنکھیں اس کی دید کی پیاسی تھیں، اس کے آنکھوں تیزی سے اس کے گالوں پر بہنے لگے۔

☆☆☆

”میزاب بیٹا! تم مجھے کچھ پریشان لگ رہی ہو۔“ عائشہ نے بیٹی کا بچھا چہرہ دیکھ کر محبت بھری تشویش سے استفسار کیا، وہ کچھ بچھی بچھی سی رہنے لگی تھی، فاطمہ کا رویہ بھی ان سے کچھ کھنچا کھنچا تھا، وہ بھابھی کے بدلے روپے سے پریشان تھیں کہ میزاب کی پریشانی بھانپ نہ سکیں۔

”مما! فاطمہ ممائی کا رویہ کچھ بدل گیا ہے نا۔“ میزاب نے ماں کی ہمدردی پا کر اپنا دل کھول کر رکھ دیا، عائشہ کی پریشانی بڑھ گئی، وہ میزاب سے بھی کھنچی کھنچی رہنے لگی تھیں انہیں بالکل خبر نہ تھی، آخر ایسا کیا ہو گیا ہے کہ وہ بدل گئی ہیں عائشہ کا ذہن بری طرح الجھ گیا۔

”نہیں بیٹا! تمہاری غلط فہمی ہے، وہ تو تمہیں بے حد چاہتی ہیں۔“ عائشہ بیٹی کو پریشان نہ کرنا چاہتی تھیں اسی لئے مصلحتاً جھوٹ کا سہارا لیا۔

”مما! آپ مانیں یا نہ مانیں، کہیں کچھ غلط ضرور ہے۔“ میزاب نے ماں کی بات رد کر دی، وہ روزانہ فاطمہ سے ملنے جاتی تھی انہوں نے دوبارہ اس سے روڈ لی بات نہ کی تھی مگر پہلے جیسی پر جوش محبت بھی قصہ پارینہ بن گئی تھی، پھر میزاب اسے کیسے اپنا دہم مان لیتی، ایسا دو چار بار نہیں کئی بار ہوا تھا۔

”تم فضول باتوں کو ذہن پر سوار نہ کیا کرو۔“ وہ غصے سے بیٹی کو ڈپٹی نماز عصر کے لئے اٹھ گئیں غالباً وہ خود کو جھٹلانا چاہتی تھیں مگر بعض



حقیقتیں اتنی تلخ اور بھیانک آمیز سچائی لئے ہوتی ہیں کہ بے بس ہو جاتا ہے میزاب بھی نماز عصر کی تیاری کرنے لگی، نماز کا وقت تنگ پڑ رہا تھا۔

☆☆☆

”بھابھی مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے۔“ فاطمہ ملازمہ سے سارے گھر کی صفائی کروا رہی تھیں، وہ ملازمہ کو فرش پر کپڑا لگانے کی ہدایت کر کے ذرا ستانے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھیں تو عائشہ نے انہیں تنہا پا کر گھبرایا، ان کی تہدیلی مزاج وہ بھی محسوس کر چکی تھیں جسے انہوں نے اپنا وہم سمجھ کر جھٹلایا تھا لیکن اگر ایک بات کو دو لوگ بیک وقت محسوس کر رہے ہوں تو وہ وہم نہیں ہوتی اس میں کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہوتی ہے۔

”کہو۔“ فاطمہ انہیں ترچھی نظروں سے دیکھتی خود کو ہر طرح کی صورتحال کے لئے تیار کرنے لگیں، ان دلوں نے سدا محبت و اتفاق سے وقت گزارا تھا پھر ایسا کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ ان کی تبدیلی مزاج کو محسوس نہ کریں۔

”بھابھی! میں چاہتی ہوں کہ میزاب کی جلد رخصتی کر دوں۔“ عائشہ نے تمہید باندھی، ماؤں کے دلوں پر بیٹیوں کے دکھ کسی دہی کی طرح اترتے ہیں ان کا دل میزاب کے ساتھ ان کے بدلے مزاج کا سن کر بری طرح کھٹک چکا تھا، دال میں ضرور کچھ کالا تھا، انہوں نے فاطمہ سے ان کے بدلے مزاج کا پوچھنے کی بجائے ڈائریکٹ میزاب کی رخصتی کا فیصلہ کر لیا تھا، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بات زیادہ بڑھنے سے میزاب پر برا اثر پڑے۔

”کیا؟“ فاطمہ کے سان وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ رخصتی کی بات کریں گی، ان کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔

”میزاب اور ابرار بقی کا فائل ایگز امز قریب ہے اس کے بعد دیکھیں گے۔“ فاطمہ کا انداز صاف ٹالنے کا تھا، عائشہ نے بھابھی کے ساتھ برسوں گزارے تھے، وہ ان کی مزاج آشنا تھیں، ان کا شک درست تھا ان کا دل اندر سے دکھ کر رہ گیا۔

”بھابھی اپنے رخصتی کے بعد ایگز امز دے لیں گے۔“ عائشہ نے اپنے دکھ پر قابو پاتے ہوئے تقاضا جاری رکھا، وہ بھرم نہ کھونا چاہتی تھیں، بعض اوقات بھرم ٹوٹنے سے رشتے ٹاٹے روئی کے گالوں کی طرح گھر جاتے ہیں۔

”مجھے اپنے بچے کا اکیڈمک ریکارڈ خراب نہیں کرنا ہے۔“ انہوں نے دلیل ڈھونڈ کر صاف انکار کر دیا، عائشہ چپل رہ گئیں۔

☆☆☆

”نڈھیا آپ زارون سے بات کریں کہ وہ اپنی ضد چھوڑ دے۔“ وہ صبح ہی وطن لوٹے تھے وہ فریش ہو کر لاؤنج میں بیٹھے نیوز چینل سرچ کر رہے تھے کہ صدیقہ ان کے لئے چائے لے آئیں، انہوں نے ان کی واپسی کا بے چینی سے انتظار کیا تھا، زارون ان کی کوئی بات نہ ٹالتا تھا۔

”کون سی عہد بیگم۔“ انہوں نے چائے کا کھونٹ پیتے ہوئے ٹی وی آف کر دیا اور ہمہ تن گوش ہو گئے جواباً وہ انہیں ساری بات بتانے لگیں۔

”ہوں۔“ نڈھیر صاحب نے پوری بات سن کر پر سوچ ہنکارا بھرا، ان کے ماتھے پر سوچ کی مگنی سلوٹیں تھیں اور ذہن کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

”آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ ان کی خاموشی طویل ہو گئی تو صدیقہ نے جڑ کر پوچھا۔

”صدیقہ وہ ہماری اکلوتی اولاد ہے ہمیں



اس پر زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔“ نذیر چائے پی  
چکے تھے انہوں نے کپ میل پہ رکھے، ہوئے  
بیگم کو مسکرا کر دیکھا۔

”وہ آپ کے بے جالاؤ پیار سے ہی بگڑا  
ہے۔“ صدیقہ بیگم کپ اٹھا کر خٹکی سے پاؤں پٹختی  
ہوئی چلی گئیں۔

☆☆☆

”عروہ! کیا تم نے کبھی کسی سے محبت کی  
ہے۔“ وہ فری پریڈ میں کالج کینٹین میں اپنی  
بیسٹ فرینڈ کے ساتھ کولڈ ڈرنک پی رہی تھی کہ  
اس نے اچانک پوچھا۔

وہ گھبرا گئی تھی نازش سمو سے کھانے میں مگن  
تھی اس نے کن اکھیوں سے اس کا جائزہ لیا اس  
کے چہرے سے جھلکتے انداز لا پرواہی نے اسے  
سنجھنے کا موقع دیا۔

”نہیں۔“ اس نے سمو سے نلکتے ہوئے دو  
ٹوک انکار کیا تو دو چمکدار براؤن شکوہ کناں  
آنکھیں تصور میں در آئیں، اس نے گھبرا کر  
بجلیت سمو نہ نگل لیا۔

”ہتا ہے عروہ محبت انسان کو خود سے یونہی  
عافل کر دیتی ہے جیسے آج کل تم خود سے بھی بے  
نیاز رہنے لگی ہو۔“ نازش نے سمو سے کھا کر خالی  
پلیٹ اور بوتل سائیڈ پر رکھ کر ہاتھ جھاڑے، وہ  
پیشی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔

”مان لو عروہ شاید محبت تمہارے اندر بس  
چکی ہے۔“ وہ اس کی بہترین دوست تھی اس کی  
مزاج آشتی، وہ اس سے مزید انکار نہ کر سکی وہ اس  
کی نظریں جھک گئیں چہرے پر پھیلی شرمیلی  
مسکراہٹ نے اسے مزید حسین بنا دیا تھا، دو  
براؤن چمکدار آنکھیں تصور میں آئیں تو دل تیزی  
سے دھڑک اٹھا وہ محبت سے ہار چکی تھی، اس نے  
محبت کی حقیقت لیہا کے سامنے جھٹلائی تھی مگر

دوست کے سامنے اقرار کر بیٹھی تھی، نازش نے  
محبت سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

☆☆☆

”فاطمہ! تم عائشہ اور میزاب سے کتنی کھنٹی  
کیوں رہنے لگی ہو۔“ وہ نماز عشاء کے بعد معمول  
کے وظائف سے فارغ ہو کر سونے کے لئے  
لیٹ گئیں، ارشد اس کے فراغت کے منتظر تھے  
جب ارشد صاحب نے پوچھا۔

”اوہ، تو آپ سے میری شکایت کی گئی  
ہے۔“ سونے کے لئے لیٹی فاطمہ کے ابرو تن گئے  
ان کا دل و دماغ قاخرہ کی مٹھی میں تھا، وہ انہی  
کے ذہن میں سوچنے لگی تھیں وہ جتنا اس پہلو پر  
سوچتیں ان کے پچھتاؤے میں اتنا ہی اضافہ ہو  
جاتا تھا، انہیں ساجدہ بیگم کی چالاکی پر بھی تاؤ آتا  
تھا حالانکہ انہوں نے ساری زندگی ساس اور نند  
کی عزت کی تھی، ان کے دل کا بغض بڑھ گیا۔

”واٹ؟ کیا کہا تم نے؟“ وہ حیرت کی  
زیادتی سے اپنی جگہ اچھل پڑے وہ عائشہ کے  
ساتھ روزانہ شام کی چائے پیتے ہوئے گھنٹوں  
باتیں کرتی نہ چھوڑتی تھیں، میزاب انہیں چائے بنا کر  
دیتی تھی کبھی کبھار ارشد جلدی گھر آ جاتے تو وہ بھی  
ان کے ساتھ چائے اور گفتگو میں شریک ہو جاتے  
انہوں نے آغاز میں کچھ خاص نوٹس نہ لیا لیکن  
اب زیادہ دن گزر گئے تھے، وہ عائشہ سے بھی نہ  
ملتے تھے انہوں نے بر سبیل تذکرہ بات چھیڑی تھی  
فاطمہ کے غصے سے تنے ابرو انہیں چوٹا گئے، کہیں  
کچھ دال میں کالا تھا، فاطمہ فطر کا نرم دل اور صلح جو  
طبیعت کی مالک تھیں انہوں نے بھی ان سے  
عائشہ یا اماں کی روایتی بہوؤں کی طرح کوئی  
شکایت نہ لگائی تھی انہیں فاطمہ کی یہی عادت بے  
حد پسند تھی۔

”عائشہ نے آپ سے کیا کہا ہے؟“ ان



کی پر سوچ نظریں انہی پر جمی تھیں، انہیں جلد معاملہ بگڑنے سے بل سلجھانا تھا۔

☆☆☆

”لیہا بیٹا! تم اپنی کیئر کیا کرو میری جان۔“ وہ کالج سے آتے ہی سو گئی تھی اس کی آنکھ شام کو کھلی وہ تلکے کپڑوں اور الجھے بالوں سمیت فریش ہوئے بغیر لاؤنج میں آ گئی، جہاں فاخرہ ٹی وی دیکھتے ہوئے اپنے ناختوں کی ہیپ بنا رہی تھیں، وہ دوپہر کو پارلر سے فیشل میڈی کیور اور پیڈی کیور کروا آئی تھیں ان کا چہرہ فیشل سے تروتازہ لگ رہا تھا، انہوں نے اپنا ہیئر سٹائل بھی پیسج کیا تھا، نیا ہیئر سٹائل ان پر بے حد سچ رہا تھا، لیہا نے سستی سے صوفے پر ٹانگیں پھیلائیں تو وہ اسے ٹوکے بناء نہ رہ سکیں، وہ اس کے لئے کچھ سوچے بیٹھی تھیں مگر وہ نادان لڑکی کچھ سمجھنے پر تیار ہی نہ تھی۔

”مما! آپ میرے لئے ایک کپ چائے کا بنوائیں میں فریش ہو کر آتی ہوں۔“ وہ جمائی روکتے ہوئے اٹھ گئی، وہ چند لمحوں بعد آئی تو اس کا حلیہ نسبتاً بہتر تھا، اس کی شہابی رنگت کی سنگھار کی محتاج نہ تھی، اس کی جلد چمکی اور بال قدرتی لمبے اور سلکی تھے، وہ حسین و سادگی کا مرقع مگر خود سے غافل تھی، وہ اس کا تفصیلی جائزہ لے رہی تھیں۔

”مما!“ لیہا ان کے جائزہ لینے پر جزیب نہیں حبیبہ کر گئی، لیہا من مو جی لڑکی تھی وہ خلاف موڈ کی کوئی بات گوارا یا برداشت نہ کرتی تھی اسی اثناء میں ملازمہ چائے بنا کر لے آئی۔

”لیہا! بیٹا تم اپنے پھپھو کے ہاں کسی ویک اینڈ رہنے چلی جانا۔“ وہ گرم لوہے پر ضرب در ضرب لگانے کی قائل تھیں تاکہ لوہا جلد ٹوٹ جائے، ان کے ذہن میں آئیڈیا آیا تو انہوں نے چائے پتی بیٹی کو دیکھا، گھونٹ گھونٹ چائے پتی

کے تہور و انداز ہی نہیں الفاظ اور لہجہ بھی ٹیکھا تھا اماں نے کبھی انہیں گھریلو معاملات میں انوالو کر کے گھریلو سیاست میں نہ جھونکا تھا، اسی لئے انہوں نے کبھی کسی گھریلو معاملہ میں دخل نہ دیا تھا یہ نہ تھا کہ وہ لا پرواہ عادت و طبیعت کے مالک تھے بلکہ وہ اماں کے خوش اسلوبی سے ہر معاملہ حل کرنے سے گھریلو معاملات سے بے فکر و آزاد تھے، انہیں ماں کی کمی شدت سے محسوس ہوئی، انہیں احساس کو تا ہی بھی کچھ کے لگانے لگا تھا، وہ ماں کے بعد بہن سے بھی غافل رہنے لگے تھے۔

”بتائیں نا، کیا بات ہوئی ہے؟“ وہ ندامت میں گھرے چپ سادھے بیٹھے تھے، فاطمہ ان کی خاموشی سے چڑ کر رہ گئیں وہ انہیں تاسف سے دیکھ کر رہ گئے۔

”فاطمہ مجھے تو عائشہ سے ملے کافی دن گزر گئے ہیں۔“ ان کے دل پہ بہن کی یاد نے چٹکی بھری وہ بس یہی کہہ سکے ان کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ فاطمہ کے دل پر اطمینان و ندامت بیک وقت چھانے لگی، وہ مطمئن تھیں کہ ارشد حقیقت سے لاعلم ہیں اور انہیں ندامت اپنی غفلت پر ہوئی تھی، حالانکہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ عائشہ کی عادت غیبت کی بالکل نہیں ہے بلکہ انہیں میزاب بھی اسی لئے پسند تھی کہ وہ عادتوں میں ماں کا پر تو ہے۔

”آپ کی غلط فہمی ہے میں کسی سے کھنچی کھنچی نہیں رہتی ہوں۔“ فاطمہ کی ندامت لمحہ بھر میں زائل ہو گئی، وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ارشد ان سے بدگمان ہوں وہ سلیقے سے معاملہ سنبھالا چاہتی تھیں تاکہ سانپ بھی مر جائے اور لاشی بھی نہ ٹوٹے، جواباً ارشد نے انہیں بے یقینی بھری نظروں سے دیکھا، وہ دل میں بہن سے بات کرنے کا مہم ارادہ کر کے سونے کیلئے کروٹ بدل گئے، فاطمہ



لیہا کا ہاتھ لرزا اور گرم چائے اس کی زبان چھلکا گئی۔

”دھیان سے بیٹا۔“ قاخرہ نرمی سے اسے ٹوک کر رہ گئیں، درد دل نے لیہا کی آنکھوں میں نمی پھیلا دی، وہ عاذب کا سامنا نہ کرنا چاہتی تھی۔

”سوری ماما! مجھے نہیں جانا میری اسٹڈی ڈسٹرب ہوگی۔“ لیہا قطعیت سے کہتی چائے ادھوری چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”لیہا..... لیہا بیٹا رکو۔“ وہ اسے پکارتی رہ گئیں مگر وہ ان کی ہر پکار نظر انداز کر کے جا چکی تھی، وہ غصے سے کھول انھیں، انہوں نے دانت کچکچا کر اس کے کمرے کے بند دروازے کو گھورا تھا ان کی گرفت ریموٹ کنٹرول پر سخت ہو گئی۔

☆☆☆

”میزاب تم اپنی پریشانی مجھ سے شیئر نہ کرو گی تو کس سے کرو گی۔“ وہ دونوں لائبریری کی سیڑھیوں پر بیٹھے تھے میزاب کافی دیر سے فارمولا حل کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی، ابریق کافی دیر سے اسے دیکھ رہا تھا وہ فارمولا درست اپلائی کر کے بھی سلو کرنے میں ناکام تھی، وکندہ بن نہ تھی، ابریق نے اس کے سامنے سے نوٹ بک اٹھا کر بناء کہے تو میری پل حل کر کے نوٹ بک اس کے سامنے رکھ دی تھی، اس نے سراٹھا کر ابریق کی آنکھوں میں جھانکا، آج محبت بھری آنکھوں میں اس کے لئے پہلی بار شکوہ چل رہا تھا، میزاب نے ماں اور نانی سے زندگی کا یہی اصول سیکھا تھا کہ عورت مرد کو گھریلو سیاست سے دور رکھ کر اسے پریشانی و کمینشن سے بچائے۔

”تم زیادہ سارٹ نہ بنو، میں ابھی حل کرنے ہی والی تھی۔“ میزاب نے شوخی بھری شریر مسکراتی آنکھوں سے اسے گھورا، ابریق کے

چہرے پر اطمینان کی لہر ابھر آئی۔

”چلیں، پوائنٹ کا ٹائم ہونے والا ہے۔“ میزاب نے گھڑی پر ٹائم دیکھتے ہوئے سابقہ شوخی سے اس کا کندھا ہلایا، یونیورسٹی آف کا وقت ہونے کو تھا۔

”چلیں جناب!“ ابریق بھی مسکرا دیا، میزاب کے لئے اس کا اطمینان ہی کافی تھا۔

☆☆☆

”زارون بیٹا! آج شام کو اکٹھے گھر چلیں گے۔“ ملک نذیر اور زارون فیکٹری کا معمول کا وزٹ کر رہے تھے وہ زارون کی کارکردگی سے خوش و مطمئن تھے، اس نے ورکرز سے خاصی علیک سلیک کر لی تھی، ملک کی رائے میں ورکرز سے اچھی علیک سلیک بے حد ضروری ہے، زارون اپنے آفس جانے لگا تو انہوں نے پیچھے سے آواز لگائی۔

”مگر پاپا آپ کی گاڑی؟“ وہ دونوں الگ الگ گاڑیوں میں فیکٹری آتے تھے، زارون نے الجھ کر پوچھا تو انہوں نے ہاتھ اٹھا کر نرمی سے اس کی بات ٹوکی۔

”بیٹا آج رات گاڑی پارکنگ میں رہے گی۔“ وہ سر ہلا کر چلا گیا اور شام کو انہیں ساتھ لئے پارکنگ میں آ گیا وہ زارون کی گاڑی میں آن بیٹھے۔

”بیٹا تم اپنی ماں کی بات مان کیوں نہیں لیتے ہو۔“ زارون نے گاڑی روڈ پر ڈالی، ٹریفک کا خاصا رش تھا جیسے ہر فرد گھر جلد پہنچنا چاہتا ہو، زارون نے گاڑی رش سے نکال کر نسبتاً پرسکون روڈ پر ڈالی تو ملک نذیر نے گفتگو کا آغاز کیا۔

”آپ اسی لئے میرے ساتھ ہیں ڈیڈی۔“ زارون کا لہجہ قدرے خفکھا ہو گیا۔

”بیٹا تم کب تک اس لڑکی کے لئے شادی



نہ کرو گے۔“ ملک نذیر کو بھی غصہ آ گیا، انہوں نے غصے سے مگر دھیمے لہجے میں اسے ڈپٹا۔

”وہ جب تک مجھے مل نہیں جاتی ہے۔“ زارون نے ان کی ڈانٹ کی بالکل پرواہ نہ کی، ملک صاحب بیٹے کی قطعیت بھرے لہجے پر اسے خاموش تاسف بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئے۔

☆☆☆

شام ہونے کو تھی، مہما اسے کئی بار آوازیں دے چکی تھیں، سردی بڑھ چکی تھی، وہ گرم کپڑوں اور سویٹر سے بے نیاز لان میں چیئر پر بیٹھی تھی، اس کا ارادہ اندر جانے کا نہ تھا دل تنہائی کا متنی تھا، اس دشمن جان کی یادوں نے دل و دماغ کو جکڑ رکھا تھا، اسے عاذب سے ملے کئی روز گزر چکے تھے دل اس کی ایک دید کے لئے ضدی بچے کی طرح مچلے جا رہا تھا، ذہن پر دور ایک ہیپہ ابھری جو رفتہ رفتہ حقیقت بن کر آنکھوں میں ٹھہرنے لگی، وہ یک تک ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

”کیسی ہو لیہا؟“ عروہ آتے ہی سلام دعا کے بعد خوشی سے اس سے لپٹ گئی، لیہا مارے خوشی کے روٹھ گئی تھی، وہ اپنی آنکھوں میں آنکھیں چھپاتے ہوئے عروہ سے گرجوشتی سے جوابا لپٹ گئی۔

”کسے ہیں آپ عاذب؟“ وہ عروہ کا سوال گول کر کے عاذب کے سامنے کسی داسی کی طرح مودب کھڑی تھی، محبت کی آنچ سے پھلتا اس کے نرم لہجے نے ان دونوں کو چوٹا دیا، عروہ اور عاذب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے عاذب نے ساعت بھر لیہا کو گہری نظر سے دیکھا، لیہا کا دل شدت سے چاہا کہ یہ بلی ٹھہر جائیں وہ یونہی اس کے سامنے کھڑا رہے، وہ اک ٹرانس میں بے خودی سے عاذب کو دیکھ رہی تھی۔

”ہوں ہوں۔“ عروہ نے خواہ مخواہ کھانسی کر اسے ہوش دلایا وہ تجل ہو کر حیا سے سرخ پڑ گئی، حیا کی گلابی نے اس کے حسن کو دو آتشہ بنا دیا تھا۔

”اندر چلیں۔“ اسے حق پہربانی یاد آیا تو اس کی اندامت بڑھ گئی، عاذب دھپسی سے اسے دیکھ رہا تھا، لیہا انہیں لئے رہائشی حصے میں آگئی۔

”نجانے عاذب میرے بارے میں کیا سوچتا ہوگا؟“ وہ سخت زدہ سوچ رہی تھی وہ ان دونوں کو لئے ڈرائنگ روم میں آگئی۔

”السلام علیکم!“ وہ تینوں باتوں میں مگن تھے قاخرہ بھی انہیں دیکھ کر آگئیں عاذب اور عروہ نے بیک وقت انہیں کھڑے ہو کر سلام کیا۔

”علیکم السلام!“ قاخرہ نے ساڑھی کا قال درست کرتے ہوئے نخوت بھرے انداز میں سلام کا جواب دیتے ہوئے انہیں سر تا پا گھورا، عاذب اور عروہ کے چہروں پر سنجیدگی چھا گئی۔

”کسے آنا ہوا تمہارا؟“ انہوں نے کھڑے

کھڑے ناگواری سے استفسار کیا، انہیں ان دونوں کی آمد پسند نہ آئی تھی، انداز سراسر جان چھڑانے والا تھا۔

”آئی ہم یہاں سے گزر رہے تھے تو لیہا

سے بھی ملنے چلے آئے۔“ عروہ نے سنجیدگی و آہستگی سے مرے مرے لہجے میں جواب دیا،

عاذب احساس توہین سے سلگ رہا تھا اسے ان کی کاٹ دار نگاہیں جسم کے آر پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں، درحقیقت عروہ کو اپنی دوست کے گھر جانا تھا، عاذب اسے واپسی پر لے کر قریب سے گزر رہا تھا تو عروہ نے لیہا سے ملنے کی فرمائش کر ڈالی تھی۔

”کیا یہ سچ کہہ رہی ہے لیہا۔“ قاخرہ نے

اس کی بات سننے کے بعد لیہا سے مشکوک انداز



☆☆☆

اسی روز سنڈے تھا، ارشد اور ابریق چھٹی والے دن دیر تک سوتے رہتے تھے، ارشد کو خلاف معمول نیند نہ آرہی تھی، وہ فریش ہو کر عائشہ کے پورشن چلے آئے، وہ سب ناشتہ کر چکے تھے، وہ بہت دنوں بعد بہن سے ملے تھے ان کا دل ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بہن سے دوری پر نام تھا، عائشہ ان کے لئے ناشتہ تیار کر کے لے آئیں ساگ کے ساتھ گرم پرائیڈ نے ان کی بھوک جگا دی، عائشہ انہیں ناشتہ دے کر چائے بنانے چلی گئیں۔

”عائشہ! ہم اماں کے بعد ایک دوسرے سے کتنا دور ہو گئے ہیں۔“ وہ بھائی کے لئے چائے بنا کر لائیں تو ارشد نے ان کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام لیا ان کے لہجے سے رنجیدگی چھلک رہی تھی۔

”بھائی ہم ساتھ ہیں۔“ عائشہ نے محبت سے ان کا مان بڑھایا ان کے چہرے پر کبھی ہمہ وقت دھیمی مسکان گہری سنجیدگی میں ڈھل چکی تھی وہ ان سے نظریں چرا گئے دل میں احساس کو تاہی شدت سے جاگ اٹھا، کہیں اک کی تھی جو انہیں اپنی گرفت میں لئے یہاں کھینچ لائی تھی۔

”عائشہ! تم قاطعہ سے کھینچی کھینچی رہنے لگی کیوں؟“ ارشد نے ان کے چہرے کو بغور کھوجتے ہوئے حقیقت جانتا چاہی تھی، قاطعہ تو انہیں ٹال چکی تھیں لیکن ان کا دل مطمئن نہ تھا اسی لئے وہ بہن کے روبرو تھے انہیں اپنی بے پناہ مصروفیات میں وقت نہ مل سکا تھا۔

”بھائی وہ.....“

”اوہ تو یہاں میری شکایتیں لگائی جا رہی ہیں۔“ عائشہ ان سے کوئی مناسب بہانہ کرنے کو نہیں کہ قاطعہ آگئیں وہ ارشد کے تعاقب میں آئی

میں تصدیق مانگی تو وہ جزیبہ رہ گئی، اسے باتوں میں مگن بالکل دھیان نہ رہا کہ وہ ان سے آمد کا مقصد پوچھ لیتی، وہ ماما کے بدسلوک رویے کی وجہ سے قاصر تھی ماما تو بہت خوش اخلاق اور مہمان نواز تھیں پھر ان دونوں سے اتنی بدسلوکی اور ہنگ آمیز رویہ کیوں؟

”ماما عروہ جب چاہے یہاں آ سکتی ہے۔“ وہ ماں کے رویے سے خائف بمشکل غصہ دباتی ہوئی نرمی سے گویا ہوئی، اسی اثناء میں ملازمہ چائے اور دیگر لوازمات سے بھٹی ٹرائی لے آئی۔

”ہوں۔“ قاخرہ کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ بکھر گئی، عاذب کی برداشت جواب دے گئی وہ تیزی سے چائے پیئے بنا چلا گیا۔

”اللہ حافظ لیہا!“ عروہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور الوداعی کلمات کہہ کر تیزی سے بھائی کے پیچھے لپکی۔

”لیہا!“ وہ عروہ کو گیٹ تک رخصت کرنے جانے لگی تو قاخرہ کا غصہ آسمان کو چھونے لگا، مگر اس نے ان کے غصے کی قطعاً پرواہ نہ کی اور عروہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گئی، قاخرہ کی عیسیٰ نظروں نے دونوں کا دور تک تعاقب کیا، مگر وہ بھی انہی کی بیٹی تھی۔

”سوری عاذب اچھوٹلی ماما.....“ عروہ پورچ میں گاڑی میں آ بیٹھی لیہا نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے عاذب سے تذرت کرنے کے لئے کھڑکی سے اندر جھانکا لیہا نے وہ اس کی پوری بات سنے بغیر گاڑی زن سے بھاگ لے گیا، عروہ عاذب سے شرمندہ تھی وہ اسی کے بے حد اصرار پر یہاں آیا تھا حالانکہ اسے آفس میں ضروری کام تھا اور اسے جلدی واپس آفس پہنچنا تھا، لیہا بے بسی سے نمی بھری آنکھوں سے گاڑی دور جانا دیکھتی رہی۔



تھیں وہ دانستہ ان کی باتیں سننے کو رک گئی تھیں، انہوں نے زمانے بھر کی محنتی لہجہ و آنکھوں میں سمو لی۔

”فاطمہ!“ ارشد غصے سے فاطمہ پر گرے جبکہ عائشہ اپنی جگہ سن بیٹھی رہیں۔

”آپ بھی مجھے ڈانٹیں گے آخر بہن نے میرے خلاف پٹیاں جو پڑھا دی ہیں۔“ فاطمہ ان کے غصے کی پرواہ کیے بغیر بولیں ان کا بس نہ چل رہا تھا وہ عائشہ کا خون پی جاتیں بدگمانی نے ان کی آنکھوں اور دل سے محبت و اعتماد چھین لیا تھا۔

”بھابھی! میں نے کوئی پٹی نہیں پڑھا کی ہے آپ کو.....“ عائشہ نے بات حرید بگڑنے سے پہلے سنبھالنے کے لئے اپنی صفائی دینا چاہی۔

”ہاں ہاں تم تو پارسا ہو میں ہی بری ہوں۔“ فاطمہ نے ان کی بات کاٹ کر اندر کی کھولن نکالی، ارشد ہکا بکا ان کا نیا روپ دیکھ رہے تھے۔

”میری ایک بات آپ دونوں کان کھول کر سن لیں، امیرتی کی شادی لیہا سے ہوگی میزاب سے نہیں۔“ وہ بات کھل کر کے دونوں کو کڑی نظروں سے دیکھتی غصے سے تن فن کرتی چلی گئیں، عائشہ دکھ سے ڈھے گئیں ان کا وہم بدترین حقیقت کا روپ دھارے سامنے آچکا تھا، ارشد کا منہ حیرت و بے یقینی سے کھلے کا کھلا رہ گیا، جبکہ برآمدے میں ڈسٹنگ کرتی میزاب کا دل کسی نے منہ می میں سمجھ لیا تھا۔

☆☆☆

”آپی!“ وہ نہ جانے کب سے برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس گھٹنوں کے گرد بازو باندھے کھٹکی باندھے غیر مرئی نقطے کو دیکھتی سوچوں میں غلطیاں تھیں، اس نے بچپن سے فاطمہ

ممائی کی آنکھوں سے محبت دیکھی تھی، اسی لئے ان کی نفرت سہتا سوہان روح تھی اور امیرتی سے جدائی کا تصور ہی جان نکال دینے والا تھا، عروہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اس کے قریب ٹک گئی، دونوں کی نظریں ملیں، عروہ کی آنکھوں میں چھپی تشویش نے اس کی آنکھیں نم کر دیں، وہ جو بہن کو تسلی دینے آئی تھی اس کے تمام الفاظ کہیں گم ہو چکے تھے، اس نے میزاب کو بچوں کی مانند سینے سے لگا لیا، میزاب کسی مہربان آغوش کی منتظر تھی، اس نے اپنے آنسوؤں کو پسے دیا، عروہ محبت سے اس کی کمر سہلانے لگی، دور بہن سے انہیں دیکھتی عائشہ کے دل سے اک ہوک اٹھی تھی۔

☆☆☆

”تم اپنے دماغ کا فٹور نکال دو اور اپنی اولاد کی بھلائی سوچو۔“ ارشد نے دو روز سے فاطمہ سے قطع کلامی کر رکھی تھی، فاطمہ اپنی من مانی پر عمل چکی تھیں مگر وہ ارشد کی کھل رضا مندی اور انہیں رام کیے بغیر کچھ نہ کر پاتیں اسی لئے وہ انہیں منانے لگیں، ارشد بیوی کے بدلے طور طریقے سے سخت خائف تھے، انہوں نے سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے ٹیکے چوتھوں سے انہیں گھورا۔

”آپ میری بات سمجھنے کی کوشش تو کریں ارشد۔“ فاطمہ اپنے موقف سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھیں، وہ الٹا انہیں پر جھنجھلا اٹھیں اور کھٹکی سے منہ پھلایا۔

”شادی بیاہ کوئی گڈی گڈے کا کھیل نہیں ہے یہ عمر بھر ساتھ بھانے کا وعدہ ہوتا ہے فاطمہ، میں اپنی بہن کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ امیرتی بھی ایسا ہی چاہے گا۔“ ارشد نے قطعیت بھرے غصیلے لہجے میں بات ختم کر کے ٹی وی آن کر لیا، وہ آفس



سے آکر بٹا کھانا کھائے کمرے میں ریٹ کے لئے آگئے تھے، ان کی تو فکر سے بھوک پیاس اڑ گئی تھی وہ آفس میں بھی بجھے بجھے سے رہے تھے اور فاطمہ کو کسی بات کا احساس نہ تھا، نہ رشتوں کے تقدس اور نہ ہی اکلوتی اولاد کی خوشیوں کا، وہ الٹا انہیں غلط سمجھ رہی تھیں۔

”السلام علیکم! میں کیا چاہوں گا ڈیڈی!“  
امریق کے کانوں نے ان کا آخری جملہ اچک لیا، اس کے چہرے پر الجھن تھی، وہ باپ کے پریشان چہرے کو دیکھ کر تشویش زدہ تھا، اس نے والدین کے مابین کشیدگی بھانپ لی تھی اور انہیں سنجیدہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

”امریق تمہیں میزاب کو رخصت کروانا ہے یا اسے طلاق دینی ہے۔“ ارشد نے سنجیدگی سے استفسار کیا، وہ ہکا بکا رہ گیا، وہ حیرانگی سے غیر متوقع سوال پر بت کی مانند ساکت تھا۔

”دیکھا، دیکھا تم نے فاطمہ۔“ ارشد اس کی کیفیت سے ہی اپنے سوال کا جواب پا گئے تھے انہوں نے فاطمہ کو شرمندہ کرنا چاہا مگر وہ رتی بھر پشیمان نہ ہوئیں بلکہ انہوں نے غصے سے منہ پھیر لیا۔

”تم اپنے دل سے لپیٹا کا خیال نکال دو فاطمہ، امریق کا نکاح ہوا ہے منگنی نہیں۔“ وہ چند لمحوں بعد اٹھ کر جانے لگیں، ارشد کی تنبیہ بھری آواز نے ان کا دور تک پیچھا کیا تھا، امریق بھول چکا تھا کہ وہ یہاں کیا کرنے آیا ہے۔

☆☆☆

”پچھو! میزاب کہاں ہے؟“ وہ آندھی طوفان کی طرح غصے سے تن فن کرتا ہوا آیا تھا، اس نے لاؤنج میں بیٹھی عائشہ سے پوچھا وہ نماز عشاء کے بعد وظائف میں مشغول تھیں، عائشہ نے تسبیح سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اسے متحیر نظروں سے

دیکھا، دل تو ویسے ہی دوسووں کی آماجگاہ بن چکا تھا، امریق کوئی جواب نہ پا کر بٹا جواب لئے تیزی سے بیڑھیاں چڑھنے لگا، بالائی منزل پر وسیع لاؤنج میں جھولا رکھا گیا تھا، جس سے دائیں سمت لان صاف نظر آتا تھا، میزاب کو پورے کمرے میں یہ جگہ بے حد پسند تھی وہ گھنٹوں جھولے پر بیٹھ کر لان کی ہریالی اور نیلگوں آسمان کو محویت سے دیکھتی رہتی تھی، امریق اسے کمرے میں نہ پا کر عائشہ کے پاس آیا پھر اسے میزاب کی پسندیدہ جگہ کا خیال آیا تو وہ ادھر آ گیا۔

”میزاب!“ وہ حسب توقع سوچوں میں گم دور نیلے آسمان پر نظریں نکائے ہوئی تھی، چودھویں کا چاند آسمان کے تھال پر تمکنت سے سجا تھا، امریق اس کے سر پر جا پہنچا، اس نے اک جھٹکے سے ہولے سے ہلتا جھولا روک دیا تھا، سوچوں میں گم میزاب بری طرح چوکی تھی، امریق کی آنکھوں میں غصے کی سرخی اور چہرے پر غصے کی ویرہی تھی۔

”تم نے مجھ سے یہ سب کیوں چھپایا۔“ امریق نے غصے سے منہ بگاڑتے ہوئے خود کو ناگہی سے گھورتی میزاب کا ہاتھ جھٹکا، زنجیر اس کے ہاتھ سے ذرا سا لڑکھڑا کر چھوٹ گئی تھی، اس کے انداز پر ہی میزاب کو سمجھا گئے کہ وہ حقیقت جان چکا ہے، وہ طویل بو جھل سانس بھرتی اٹھ کر ٹیرس میں آ گئی۔

”بے وقوف لڑکی! تم تنہا اتنے روز پریشان رہی اور مجھے کچھ بتایا تک نہیں۔“ وہ اس کے پیچھے چلا آیا، محبت بھرے نرم دھیسے پر شکوہ لہجے نے اس کی آنکھوں میں نمی بھر دی، وہ اس سے نمی چھپانے کو دانستہ رخ موڑ گئی۔

”میزاب تم بالکل بے فکر ہو جاؤ ہمیں دنیا کی کوئی طاقت بھی جدا نہیں کر سکتی ہے۔“ وہ



روئے اور اسے خبر نہ ہو ایسا کبھی نہ ہو سکتا تھا، ابریق نے اس کے سامنے آکر اس کے پلوں پہ سج موتی اپنی پوروں پہ جن لئے، میزاب نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا، ابریق کے محبت بھرے لہجے اور مان بھرے استحقاق نے اس کی آنکھوں کی چمک بڑھا دی تھی، اس کے لبوں پر مسکراہٹ چھب دکھا کر قائب ہو گئی، یوں جیسے آسمان پر گہرے بادلوں میں چھپا چاند اپنی اک جھلک دکھلا کر چھپ جاتا ہے، ابریق مبہوت سا اسے دیکھے گیا، میزاب نے دھڑکتے دل سے نظریں چرا کرتا روں سے سجے آسمان پر نکا دیں۔

☆☆☆

ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں بھیڑ میں زمانے سے ہاتھ چھوٹ ہی جاتے ہیں دوست زدہ لہجوں میں سلوٹیں سی پڑتی ہیں اک ذرا سی رنجش سے، شک کی زرد دھنی پر پھول بدگمانی کے اس طرح کھلتے ہیں زندگی سے بھی پیارے اجنبی سے لگتے ہیں، غیر بن کے ملتے ہیں

عمر بھر کی چاہت کو آسرا نہیں ملتا، دشت بے یقینی میں راستہ نہیں ملتا

معذرت کے لفظوں کو روشنی نہیں ملتی، لذت پذیرائی پھر کبھی نہیں ملتی

پھول رنگ وعدوں کی منزلیں سکڑتی ہیں واہ مڑنے لگتی ہیں

بے رخی کے گارے سے بے دلی کی مٹی سے قاصد کی اینٹوں سے اینٹ جڑنے لگتی ہے خاک اڑنے لگتی ہے

خواب ٹوٹ جاتے ہیں، واہموں کے سائے سے عمر بھر کی محنت کو، ہل میں ٹوٹ جاتے ہیں اک ذرا سی رنجش سے، ساتھ چھوٹ جاتے ہیں

بھیڑ میں زمانے کی، ہاتھ چھوٹ جاتے ہیں ساتھ ٹوٹ جاتے ہیں

کمرشل ایریا میں مصروف شاہراہ پر بے حد رش تھا، ٹریفک کا شور اور آفس کی تھکاوٹ نے اس پر کوفت و بیزاری طاری کر دی تھی، وہ سارا دن آفس میں بیڑی رہا تھا اسے عروہ نے صبح آفس آتے ہوئے اپنا ریڈی میڈ سوٹ پہنچ کر دوانے کے لئے دیا تھا، عاذب نے گاڑی بمشکل جنریشن سے باہر گاڑیوں کی طویل قطار میں جگہ بنا کر لاک کی اور سوٹ لے کر اندر چلا گیا۔

”عاذب آپ؟“ وہ سوٹ پہنچ کر دوا کر چند ٹاپے بعد لوٹا تو باہر آتے ہوئے بعجلت کسی سے ٹکراتے بچا تھا، ابھی وہ بے مقابل سے سوری کرنے کو تھا کہ اسی کی غلطی تھی، ایک جانا پہچانا لہجہ اس کے کانوں سے نکرایا تھا، لائٹ لیمن کلر پر بلیک کڑھائی کیے سوٹ میں ملبوس لیہا بے حد فریش لگ رہی تھی اس کے دائیں شانے پر دوپٹہ سلیقے سے دھرا تھا، کانوں میں پڑے بڑے بڑے بلیک آویزے اس کے حسن کو چار چاند لگا رہے تھے، وہ نہ چاہتے بھی رک گیا، وہ اپنی بے عزتی بھولا نہ تھا، وہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنے محسنوں اور بے عزتی کرنے والوں کو کبھی نہیں بھلا تے ہیں۔

”عروہ کیسی ہے؟“ لیہا نے اس کے وجہہ چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے اک جذب سے پوچھا، عروہ کا تو بس بہانہ تھا ورنہ وہ تو اس سے بات کرنا چاہتی تھی، اسے ماما کی بدسلوکی پر عداوت بھی تھی۔

”وہ آپ کو بہت یاد کرتی ہے۔“ عاذب نے نہ چاہتے ہوئے بھی رسماً اسے عروہ کی خیریت سے آگاہ کرنے کے بعد مروت بھائی، اسے اپنی توہین کا احساس ڈسنے لگا، لیکن اس میں



لیہا کا کوئی قصور نہ تھا، اسی لئے وہ فارمیٹی بھارہا تھا۔

”میں کسی روز چکر لگاؤں گی۔“ لیہا کا موڈ عاذب سے باتیں کرنے کا تھا جبکہ وہ غفلت میں تھا۔

”سوری لیہا میں ذرا جلدی میں ہوں۔“ وہ معذرت کرتا آگے بڑھ گیا لیہا بو جھل قدموں اور مضمل دل سے کلکیشن سینٹر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

”جی جی جی بھائی جان بالکل آپ کی بات درست ہے۔“ قاخرہ کچھ دیر ٹہل دوست کے ہاں سے لوٹی تھیں لیہا پاپا کو اپنی شاپنگ دکھا کر جا چکی تھی، اس کی عادت تھی وہ مارکیٹ سے آکر اپنی تمام شاپنگ ڈیڈی کو ضرور دکھاتی تھی، قاخرہ فریش ہو کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنا میک اپ صاف کر رہی تھیں، دفعتاً خلیل کے موبائل پر کال آئی، وہ سلام دعا کے بعد سے بس جی جی کے لیے جا رہے تھے، مخالف سمت سے انہیں کوئی بات کرنے کا موقع ہی نہ دیا جا رہا تھا، قاخرہ کے اندر کھد بد ہونے لگی انہوں نے ہاتھوں پر کلیننگ کریم لگاتے ہوئے کن اکھیوں سے شوہر کو دیکھا جو انہیں ہی کڑی نظروں سے گھور رہے تھے وہ جربز ہو کر پہلو بدل گئیں۔

”جی آپ بالکل بے فکر ہو جائیں میں قاخرہ کو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔“ انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے بیوی کو گھورتے ہوئے مخالف سمت یقین دہانی کروائی، قاخرہ کو بے چینی و تجسس نے گھیر لیا، انہیں شوہر کے کڑے و جارحانہ تیوروں نے سہا دیا تھا، وہ ساری عمر اپنی من مانی کرتی آئی تھیں، خلیل نے ان کی ہر خواہش پوری کر کے انہیں آسودہ زندگی دی تھی، نتیجتاً وہ ہٹ دھرم و ضدی ہو گئیں وہ اپنی بات

منوانے کی اتنی عادی ہو چکی تھیں کہ وہ اکثر خلیل کی خواہشات بھی پس پشت ڈال دیتیں، خلیل جو رو کے غلام کی مانند ان کی ہر خواہش پوری کر کے خوشی محسوس کرتے تھے، فون بند کر کے تک ان کے چہرے پر شدید تناؤ پھیل چکا تھا۔

”قاخرہ! مجھے تم سے اتنے گھٹیا پن کی امید نہ تھی۔“ وہ موبائل آف کر کے غصے و پشیمانی سے بیوی پر گر رہے، وہ پہلی بار انہیں اتنے شدید غصے میں دیکھ رہی تھیں، انہوں نے ہمیشہ خلیل کا مشفق روپ دیکھا تھا۔

”کیا مطلب؟“ قاخرہ ہکلاتے ہوئے سہم گئیں، ان کا دل سوکھے تھے کی مانند کاپنے لگا، اور حلق خوف سے سوکھ گیا، خلیل بے بسی و ضبط سے دونوں مٹھیاں بھینچے اپنے غصے کی شدت کم کرنے کی ناکام سعی کر رہے تھے، ان کا غصہ کسی طور کم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔

”قاخرہ! تم یہ کیا حماقت کرنے چلی تھیں تم نے کم از کم پہلے مجھے اعتماد میں لیا ہوتا۔“ خلیل کے لہجے سے بے بسی و ندامت مترشح تھی، انہیں گمان نہ تھا کہ قاخرہ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد میں ہر حد پھلانگ سکتی ہیں ان کے لئے کسی کی خوشیاں چھین لینا چنداں مشکل امر نہ تھا، غصے کی لالی ان کے چہرے پر بکھری تھی اور خون کنپٹیوں میں جوش مار رہا تھا، قاخرہ کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا، وہ تشویش زدہ ان کے غصے کی وجہ سمجھنے میں ناکام تھیں اور انہیں خلیل سے غصے کی وجہ پوچھنے کی ہمت بھی نہ ہو رہی تھی، ان کے کلیننگ کرتے ہاتھ ساکت تھے۔

”خلیل! آپ پلیز مجھے بتائیں تو آخر کیا ہوا ہے؟“ بالآخر انہیں ہمت کرنا پڑی، خلیل کا غیر معمولی رد عمل انہیں سہارا ہوا تھا، ان کا دل انجانے خدشے سے دہل کر دوسو سوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا



جبکہ ذہن کی سوئی کسی انہونی کے زیر اثر اٹکی ہوئی تھی، انہوں نے نرمی سے خلیل کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ان کا غصہ کم کرنا چاہا۔

”میں لیہا کی شادی ہرگز اہدیت سے نہ کروں گا اور اگر تم نے اس ضمن میں کسی قسم کی ممانی کرنا چاہی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“ خلیل نے غصے و نفرت سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا، وہ دکھ و اذیت کی انتہا پر تھے، وہ قاخرہ کی ہر بات بخوشی مانتے تھے اور قاخرہ نے ان سے اس موضوع پر مشورہ تک کرنا گوارا نہ کیا تھا، ان کا غصہ فطری تھا، انسانی فطرت ہے وہ عمل کا رد عمل من چاہا مانگتا ہے اگر دوسرا فرد ہمیں اگنور کرے تو دکھ و اذیت روح تک اتر جاتی ہے انہیں فون پر ارشد نے فاطمہ اور قاخرہ کی تمام ٹی بھگت سے آگاہ کر دیا تھا، قاخرہ حیرت کی زیادتی سے گنگ ہو گئیں، وہ تمام صورتحال قابو میں کر کے اپنے انداز میں خلیل سے بات کرنا چاہتی تھیں مگر بات سمجھنے سے پہلے ہی بگڑ گئی تھی، وہ لمحے کے ہزاروں حصے میں صورتحال سمجھ گئیں، وہ فاطمہ کی درگت کا بھی اندازہ لگا سکتی تھیں ان کا ہشیار و چالاک ذہن کچھ بھی سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا وہ لاکھ چاہ کر بھی خلیل کا غصہ کم نہ کر پائیں، ان کے جتنے اعصاب نے قاخرہ کی سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں سلب کر دیں، انہوں نے درزیدہ نظروں سے اپنے مجازی خدا کو دیکھا۔

”خلیل وہ میں.....“

”بس تم صرف یہ یاد رکھو کہ لیہا کی شادی اہدیت سے نہ ہوگی، تم نے تمام عمر اپنی من مانی کی میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا لیکن تمہیں کچھ تو خوف خدا ہونا چاہیے۔“ خلیل نے ان کی بات کاٹ دی ان کے لہجے کی نفرت اور نگاہوں کے تحفہ نے قاخرہ کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی ان

کے پاس خلیل کو مطمئن کرنے کے لئے ہزار دلیلیں تھیں مگر وہ سب دلیلیں لفظ ”خوف خدا“ کے سامنے بھول گئیں، خلیل کروٹ بدل گئے جبکہ ان کے کانوں میں ”خوف خدا“ کی بازگشت گونجنے لگی۔

☆☆☆

”زارون بیٹا تم کب تک ماں کو تڑپاؤ گے۔“ ممانے اسے پھر گھیر لیا تھا، وہ ماں کے مطالبے سے بچنے کے لئے صبح کا گیارہ رات کو لوٹا اور ڈنر کر کے اپنے کمرے میں جا گھستا، وہ ممانے کو ناشتہ اور ڈنر کے وقت نظر آتا تھا اس کی کوشش ہوتی کہ وہ جیسے تیسے جلد از جلد کھانا کھا کر اپنے کمرے میں جا گھسے، وہ معمول سے ذرا لیٹ گھر لوٹا تھا، ممانے اور ڈیڈی ڈنر کر چکے تھے، ممانے کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھیں ان کے ہاتھ میں موبائل تھا، وہ غالباً انتظار کی کوفت سے تنگ آ کر اسے ہی کال کرنے لگی تھیں، وہ جونہی لاؤنج میں آیا انہوں نے بلا تمہیدی بھری آنکھوں سے اس سے شکوہ کیا، وہ گود میں پوتے پوتیاں کھلانے کو بے چین تھیں اور وہ شادی کے نام تک سننے کا روادار نہ تھا، ناچار وہ ممانے کے قریب آ گیا، وہ ماں کو پریشان نہ دیکھ پایا۔

”ممانے! میں آپ کو کیوں تڑپانے لگا بھلا۔“ زارون کا لہجہ دھیما اور افسردگی لئے ہوئے تھا، وہ دھواں دھواں آنکھیں لئے بچوں کے بل ان کے سامنے ٹپک گیا، وہ ماں کے سامنے ہارنے لگا تھا، اس نے اجنبی لڑکی کو بسا رہے شہر میں ڈھونڈا تھا مگر وہ نہ ملی تھی شعیب نے بھی اس کی مدد میں معذوری ظاہر کر دی تھی، کالج انتظامیہ اپنا ریکارڈ خراب نہ کرنا چاہتی تھی۔

”زارون! میری جان۔“ ممانے پٹپٹ، وہ ماں تھیں ان سے اپنی اکلوتی اولاد کا یا سیت بھرا



لہجہ برداشت نہ ہوا تھا، اداس چہرہ، سرخ آنکھیں، سنجیدہ لب (جنہیں مسکرائے اک مدت گزر گئی تھی) ممانے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر مانتا تھا۔

”مما! مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے۔“  
زارون کی آنکھوں کی ویرانی بڑھ گئی، ممانے کا دل تڑپ اٹھا، وہ اپنا من چاہا فیصلہ سن کر بھی خوش نہ ہو پا رہی تھی حالانکہ وہ اسے ہر حال میں منانے کا تہیہ کر چکی تھی، لیکن دل اس کی خوشیوں کے لئے تڑپ رہا تھا، انہوں نے زارون کی آنکھوں میں جھانکا وہ ماں سے نظریں چراتا اٹھ گیا، ممانے کے چہرے پر اداسی پھیل گئی ان کا رواں رواں زارون کے لئے دعا گو تھا۔

☆☆☆

”ویل ڈن عاذب ویل ڈن۔“ ارشد صاحب نے انٹرکام پر اسے فوراً اپنے آفس بلوایا تھا، وہ جونہی آیا انہوں نے اٹھ کر فوراً جذبات سے اپنے سینے سے لگا لیا ان سے خوشی سنبھالنے نہ سنبھل رہی تھی، خوشی بھی تو معمولی نہ تھی، ملک اینڈ سنز سے ان کا معاہدہ مکمل ہوا تو انہوں نے اپنی دعویٰ برانچ کے لئے ارشد سے خرید سیکھل منگوائے، ملک صاحب نے ان کے تمام سیکھل پسند کر لئے تھے، آرڈر مکمل ہوا تو ملک نے انہیں امریکہ میں اپنی برانچ کے لئے شیرمگ بزنس کی آفر کر دی تھی، وہ چاہتے تھے کہ امریکہ برانچ کی تمام مصنوعات ارشد صاحب کی فیکٹری تیار کرے، ان کے قدم اس کامیابی پر زمین پر نہ ٹک رہے تھے، یہ کروڑوں کا منافع تھا جو اربوں تک جاسکتا تھا، وہ امریکہ برانچ کے لئے تمام مصنوعات کے آرڈر کی تیاری کا حکم دے چکے تھے عاذب اس خوشخبری سے بے خبر تھا وہ شاید کو خوشخبری سنا چکے تھے۔

”ماموں خیریت؟“ عاذب ان کے سینے سے لگے لگے ان کی خوشی میں خوش ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

”عاذب ملک نے اپنی امریکن برانچ کی تمام مصنوعات کا آرڈر بھی نہیں دے دیا ہے۔“ ارشد کی آواز خوشی سے کپکپا گئی۔

”واقعی ماموں جان۔“ عاذب اتنی بڑی کامیابی پر بے یقین تھا اس کا چہرہ خوشی سے سرخ پڑ گیا۔

”بالکل مائی سن۔“ انہوں نے محبت سے اسے الگ کرتے ہوئے اس کا گال نرمی سے تھپتھپایا اور اسے لئے صوفے پر آ بیٹھے۔

”عاذب بیٹا میں اور تمہارے ڈیڈی ملک اینڈ سنز پر نیب کیس کی وجہ سے انہیں سیکھل بھجوانے میں متذبذب تھے مگر تمہارا مشورہ صائب نکلا۔“ ارشد صاحب انٹرکام پر تین کپ چائے کا آرڈر دینے کے بعد اس سے گویا ہوئے، شاید بھی فیکٹری رازڈ مکمل کر کے آنے والے تھے ان کا موڈ اکبٹھے چائے پینے کا تھا، وہ حقیقتاً نیب کیس کی وجہ سے ملک گروپ کو سیکھل نہ بھجوانا چاہتے تھے یہ عاذب ہی تھا جس نے دن رات محنت کر کے وقت سے پہلے ان کا آرڈر مکمل کر کے انہیں بھجوا دیا تھا، ملک صاحب کی کامیابی کا اہم راز وقت کی پابندی تھا اور ارشد کمپنی کے وقت کی پابندی سے متاثر ہو کر ان سے مزید بزنس کا فیصلہ کر چکے تھے، ملک اینڈ سنز سے بزنس انہیں سے حد درجہ آسایا تھا ان کی کمپنی نے دلوں میں کافی ترقی کی تھی اور وہ کمپنی کی نئی برانچ لاہور میں بنانا چاہتے تھے، عاذب نرمی سے مسکرا دیا۔

”ماموں جان میں سوچ رہا تھا کہ ہم ملک صاحب کو چند نئے سیکھل بھی بھیج دیں تاکہ ہماری اوکاڑہ والی پارٹی بھی ہمارے ہاتھ سے نہ نکلے۔“



عاذب نے سنجیدگی سے ان کی رائے مانگی، آرڈر کافی زیادہ تھا، تمام پراڈکٹ اسی کمپنی میں تیار کرنا مشکل تھا وہ کچھ آرڈر اوکاڑہ سائٹ پر بھی تیار کرنا چاہتا تھا، اوکاڑہ سائٹ کی پارٹی کافی پرانی اور با اعتبار تھی۔

”اگر تمہیں مناسب لگتا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ ارشد صاحب نے تائیدی انداز میں سر ہلا کر رضا مندی دی، اوکاڑہ پارٹی نے کئی مواقع پر انہیں ارجنٹ آرڈر تیار کر کے دیا تھا، دوپٹی پراڈکٹ کی بروقت تیاری میں بھی اس پارٹی کا بڑا ہاتھ تھا۔

”یار بڑے موقع پر آئے ہو۔“ شاہد واپس آئے تو ارشد نے ان کی طرف جائے کاکپ بڑھایا، ملازم کچھ دیر پہلے چائے دے کر گیا تھا۔ ”شاہد کا خیال ہے ملک صاحب کو گھر انوائسٹ کیا جائے۔“ ارشد بزنس مین تھے اور وہ کاروباری ذہنیت رکھتے تھے، انہیں ملک صاحب سے بزنس میں بہت پرافٹ ہا تھا وہ انہیں دعوت دے کر فیملی ٹرمز بڑھانا چاہتے تھے۔

”ان سے تعلقات بڑھانے سے ہمارا بزنس مزید پھلے پھولے گا۔“ شاہد نے متفق ہوتے ہوئے ان کی بات آگے بڑھائی تھی، عاذب خاموشی مگر دلچسپی و تائید سے ان کی گفتگو سن رہا تھا پھر ارشد صاحب چائے ختم ہونے تک ملک صاحب کو گھر جلد انوائسٹ کرنے کا پروگرام بنا چکے تھے۔

☆☆☆

محبت خورد رو پودے کی مانند انسان کے اندر اپنی جڑیں گاڑھ کر بہت جلد تناور درخت بن جاتی ہے، انسان لاکھ چاہے بھی تو محبت کی جڑیں اپنے اندر سے کاٹ کر نہیں پھینک سکتا ہے، وہ لاکھ حقیقت پسند بنے، خود کو جھٹلائے یا جائے فرار

ڈھونڈے، محبت خود کو منوا کر رہتی ہے، انسان دنیا بھر سے جیت جائے مگر محبت سے نہیں جیت سکتا، یہ انسان کے اندر گھات لگائے تو پھر انسان محبت کے ہاتھوں مجبور و بے بس ہو جاتا ہے۔

عروہ کالج سے لوٹی تو میزاب کو خالی الذہن گود میں بک رکھے دور خلاؤں میں گھورتے پایا، اس کے چہرے کی اداسی اور آنکھوں میں پھیلی ویرانی نے عروہ کو دکھی کر دیا۔

”کیا محبت انسان کو یونہی رو لیتی ہے؟“ اس کے اندر سوال ابھرا تو دل نے بے ساختہ اک ہوک بھری، وہ بھی تو محبت کی ڈسی ہوئی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ میزاب حقیقت میں جیتی تھی اور وہ اک سراب کے پیچھے بھاگ رہی تھی، وہ کالج جاتے ہوئے روزانہ بلا ارادہ اس چوک پر زارون کو ڈھونڈتی تھی جہاں لیہا نے زارون کو گاڑی میں جاتے دیکھا تھا، وہ ہر چہرے میں محبوب کا چہرہ کھوجتی تھی اور ہر لہجے میں اسی لہجے کو سننے کی متمنی تھی۔

”عروہ تم کب آئی بیٹا۔“ عائشہ کی نرم آواز نے اسے چونکا دیا وہ بنا سلام کیے لمبی سانس بھرتی یو یو فارم چھیچ کرنے کے لئے چلی گئی، عائشہ کی تشویش زدہ نظروں نے اس کا دور تک تعاقب کیا، وہ چند روز سے چپ اور بچھی بچھی رہنے لگی تھی عائشہ نے اس کی سنجیدگی بھری خاموشی و اداسی کو بہن کی پریشانی سے محسوس کیا، لیکن اس کی آنکھوں کی وحشت ویرانی سے ان کا دل کانپ گیا تھا، ان کی آنکھوں میں سوچ کی گہری لکیر تھی۔

☆☆☆

”خلیل پلیز آپ میری بات تو سنیں۔“ قاخرہ نے گلو کیر لہجے میں کہتے ہوئے ان کی آنکھوں پہ دھرا بازو ہٹایا، وہ ان سے سخت خفا تھے،



انہوں نے قاخرہ سے قطع کلامی اختیار کر رکھی تھی، وہ ڈیوٹی سے گھر آ کر لیہا کے پاس کچھ وقت گزارتے اور اپنے کمرے میں جا کر سو جاتے، وہ قاخرہ کے لئے یکسر اجنبی بن گئے تھے، آخر انہیں قاخرہ کی وجہ سے بہنوئی کے سامنے خفت اٹھانا پڑی تھی یہ تو ارشد صاحب کا احسان تھا کہ انہوں نے نرمی سے ساری بات بتائی تھی ورنہ وہ ان کی بے عزتی بھی کر سکتے تھے، یہ کوئی معمولی بات نہ تھی وہ تو حیران تھے کہ قاخرہ کے ذہن میں یہ سودا کیسے سمایا اور اس نے کمال ہوشیاری سے قاطرہ کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا تھا، وہ بیوی کی فطرت و عادت سے آگاہ تھے مگر انہیں قاطرہ سے ایسی حماقت کی قطعاً کوئی امید نہ تھی، قاخرہ کمرے میں آئیں تو وہ سوتے بن گئے، قاخرہ کی بازی الٹ چکی تھی اور وہ ہارے جواری کی طرح تہی داماں اور سخت شرمندہ تھیں۔

”قاخرہ تم نے میرا مان اور بھروسہ توڑا ہے، مجھے تم پر اندھا اعتماد تھا، تم نے میری محبت کا غلط استعمال کیا ہے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔“ خلیل کے لہجے اور آنکھوں میں ہزاروں شکوے چل رہے تھے، ان کا بائیس برس کا ساتھ تھا، قاخرہ اپنی ذات کے زعم میں لیہا کی آئندہ زندگی کا فیصلہ خود کرنے لگی تھیں، انہوں نے خلیل سے مشورہ تو درکنار انہیں دودھ سے مکھی کی طرح باہر نکال دیا تھا، وہ لیہا کے باپ تھے انہیں بھی اپنی اکلوتی اولاد کے متعلق فیصلہ کرنے کا اتنا ہی حق حاصل تھا جتنا قاخرہ کو، ان کے لہجے میں ٹوٹے کانچ کی سی چیم تھی، جب انسان کا مان و اعتماد کرچی کرچی ہو جائے تو وہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے، قاخرہ ان کی سنگدلی پر آنسو بہائے جا رہی تھیں وہ اپنی صفائی دینا چاہتی تھیں مگر وہ انہیں کوئی موقع نہ دے رہے تھے وہ تو ان کی آواز تک

سننے کے روادار نہ تھے، وہ ماں ہو کر اولاد کی خوشی سے بے خبر تھی۔

”پلیز لائٹ آف کر دو۔“ انہوں نے چند لمحوں کے بعد آنسو بہاتی قاخرہ کو مخاطب کیا، یہ واضح اشارہ تھا کہ وہ ان کی کوئی بات نہ سننا چاہتے تھے، قاخرہ پوچھل دل سے اٹھ گئیں، ان کی غلطی بہت بڑی تھی، انہیں یقین تھا کہ وہ خلیل کا غصہ کم ہوتے ہی انہیں منالیں گی، وہ ان سے کبھی خفا نہ ہوئے تھے، قاخرہ کے دل پر بوجھ آن گرا تھا۔

☆☆☆

اوائل جنوری کے دن تھے، سردی اپنے پورے جوہن پر تھی، دھوپ سمٹ چکی تھی اور شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے گھر کا ماحول لگی بندھی روٹین کے تحت چل رہا تھا، اداسی جیسے ماحول کا مستقل حصہ بن چکی تھی، خلیل نے خود کو گھر سے باہر زیادہ مصروف کر لیا تھا، وہ پہلے شام ہوتے ہی گھر آ جاتے تھے مگر اب ان کی واپسی رات دس بجے سے پہلے نہ ہوتی تھی، وہ قاخرہ سے کچھ کہے سنے بغیر ڈنر کر کے سو جاتے تھے، بلکہ وہ اکثر ڈنر بھی گھر سے باہر کرنے لگے تھے، لیہا کالج سے آ کر اپنے کمرے میں مقید ہوتی تو ڈنر کے لئے باہر نکلتی اور پھر وہ ڈنر کرتے ہی دوبارہ کمرے میں مقید ہو جاتی، قاخرہ کے حصے میں صرف تنہائی اور پشیمانی آتی تھی، وہ انجانے میں سراسر گھائے کا سودا کرنے لگی تھیں اس روز قاخرہ سارے گھر میں تنہا بولائی سے پھر کر تنگ آ گئیں تو لیہا کے کمرے میں چلی آئیں، لیہا انہیں نظر انداز کیے ویلکی میگزین کی ورق گردانی کرتی رہی، ان کا دل انہوں کی حد درجہ بے اعتنائی سے پارہ پارہ ہونے لگا۔

”لیہا بیٹا! کیا تم اپنی ماں سے بھی بات نہ کرو گی۔“ وہ اس کی روکھائی بھری ناراضگی سے



پکھل گئیں، وہ ان کی اکلوتی اولاد تھی، وہ سب کچھ اسی کی خوشیوں کی خاطر کر رہی تھیں اور لیہنا ہی ان سے بات کرنا تو دوران کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھی، وہ اندر سے ٹوٹ چکی تھی ان کی ذات کا زعم اڑ چھو ہو چکا تھا، وہ تو صرف اپنوں کی توجہ پانے کے لئے تڑپ رہی تھیں۔

”مما! آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اپریتی سے شادی کر لوں گی۔“ وہ لاکھ خود سر اور عصیانی سی مکر اسے ماں کے رندھے لہجے نے نرم کر دیا تھا، وہ ان سے سخت ناراض تھی، اس نے ناراضگی بھلا کر ان سے پھولے منہ سے گلہ کیا، وہ ماں ہو کر اس کی خوشی نہ جان سکی تھیں اور انجانے میں کئی دل دکھانے جا رہی تھیں، وہ ماں کی فطرت سے واقف تھی مکر اسے ان سے ہرگز ایسی توقع نہ تھی، قاخرہ نے شرمندگی سے نظریں پھیر لیں۔

”مما! آپ کم از کم مجھ سے تو میری مرضی پوچھ لیتیں۔“ اس سے ماں کا پشیمان چہرہ نہ دیکھا گیا اس نے نرمی بھری محبت سے کہتے ہوئے ہاتھ میں تمبا میگزین سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور کرن برابر کرنے لگی ان کی زبان گنگ مچی جیسے وہ قوت گویائی کھو چکی ہوں۔

”مما آپ بالکل غلط کرنے لگیں تھیں، اپریتی کے لئے میزاب کے لئے اور میرے لئے بھی۔“ لیہنا نے ان کے قریب جگہ بناتے ہوئے محبت سے ان کے ہاتھ تھام لئے ان کا تنٹا ہوا ہو چکا تھا، انہوں نے چونک کر لیہنا کو دیکھا جس کے چہرے پر بہت خوبصورت رنگ بکھرے تھے، وہ ڈھلے ڈھالے لائٹ سکن کلر کے لائنگ کرتے اور ریڈ کلر کی جینز میں ملبوس بالوں کو ریڈ بینڈ میں مقید کیے خود سے بھی لا پرواہ لگ رہی تھی، اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھللاتا سنہرا عکس اسے بہت اٹوکھا اور نیا روپ دے رہا تھا وہ انہیں پہلے

کبھی اتنی حسین نہ لگی تھی، اس کی صراحی دار گردن پر ابھری سبز رگیں بھلی لگ رہی تھیں۔

”تمہارے لئے بھی۔“ ان کے لب پھڑپھڑائے، وہ اسی کے کامیاب اور خوشحال مستقبل کے لئے بھی کچھ کر رہی تھیں، وہ یہ کیا کہہ رہی تھی وہ متذبذب تھیں۔

”مما جو شخص آپ کی منزل نہ ہو اس کے ساتھ ساری عمر بتانا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا ہے۔“ وہ کتنی سمجھداری سے بات کر رہی تھی، وہ بھلا کب اتنی بڑی ہوئی کہ زندگی کو سمجھنا شروع کر دیا، وہ بے چینی سے پہلو بدل گئیں۔

”مما شادی تو دو دلوں کا میلاپ ہوتا ہے، میرا دل اپریتی سے کبھی نہ مل پاتا۔“ وہ اٹھ کر گلاس ونڈو کے پاس کھڑی ہو گئی باہر لان میں سرد ہواؤں کا بسیرا تھا۔

”تو؟“ قاخرہ کے لب ہلے اس کے لہجے میں کچھ ایسا خاص تھا کہ وہ چونک کر پوچھنے پر مجبور ہو گئی تھیں، ان کے ذہن میں عاذب کا سراپا لہرایا، انہیں اس پل شدت سے وہ لمحہ بھی یاد آیا جب انہوں نے ان دونوں کو بے عزت کر کے بھیجا تھا۔

”عاذب!“ دور کھڑی لیہنا کے لبوں سے سرگوشی نما آواز ہوا کے دوش پہ ان کے کانوں سے ٹکرائی، انہوں نے بے ساختہ آنکھیں موند لیں۔

عاذب اس روز کے بعد دوبارہ ان کے ہاں نہ آیا تھا اور ان کا رابطہ تو صرف قاطعہ تک ہی محدود رہ گیا تھا، انہیں اپریتی کے آگے کوئی دوسرا نظر ہی نہ آتا تھا، مگر دل کسی سودو زیاں کی پرواہ کیے بغیر محبت کی خار دار وادی میں قدم رکھا دیتا ہے، قاخرہ نے لیہنا کو دیکھا جس کے چہرے پر انوکھی چمک اور لبوں پر دل موہ لینے والی دھیمی مسکان تھی۔



”زارون بیٹا ارشد صاحب نے ہمیں اپنے گھر ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔“ زارون نے ممالی تنہائی کے خیال سے انہیں وقت دینا اور گھر جلدی آنا شروع کر دیا تھا، وہ ممالی اور ڈیڈی کے کمرے میں ممالی سے خوش گپیوں میں مصروف تھا، ملک نذیر صاحب اکنامک میگزین کا مطالعہ کر رہے تھے، انہوں نے اچانک یاد آنے پر گلاسز اتارتے ہوئے زارون کو آگاہ کیا، وہ بیوی کو فون پر بتا چکے تھے، ارشد نے انہیں فیکل سمیت کل فون پر بعد اصرار اپنے گھر ڈنر پر انوائٹ کیا تھا اور وہ ڈنر پر جانے کی ہامی بھی بھر چکے تھے۔

”ڈیڈی ڈنر کب ہے؟“ زارون نے مومک پھلی چھیل کر ممالی کے منہ میں ڈالی تھی، ملک صاحب اس کی بچکانہ معصومیت پر محبت سے مسکرا دیئے۔

”اسی ویک اینڈ کو۔“ انہوں نے مختصر جواب دیا۔

”ڈیڈی! آپ ممالی کے ساتھ چلے جائے گا، میری سچر ڈے ایوننگ میں امپورٹ میٹنگ ہے۔“ زارون نے فوراً معذرت کر لی، اس کی آفس منیجر اور شاف سے امپورٹ میٹنگ تھی جسے وہ کسی قیمت پر مسنوخ نہ کرنا چاہتا تھا۔

”تمہاری میٹنگ کتنی دیر رہے گی۔“ ممالی نے مومک پھلی چھیل کر اس کا خول ہاتھ سے پھونک مار کر جھاڑا، زارون ان سوشل ہو گیا تھا، اس کی تمام ٹرائیکٹوئیز آفس تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں، اس نے جھانہ جانا بھی چھوڑ دیا تھا، وہ نہ جانے کس سے فرار حاصل کرنا چاہتا تھا، ممالی کے ابرو قدرے تن گئے تھے۔

”دواڑھائی گھنٹے میٹنگ چلے گی پھر مجھے گھر آتے مزید ایک گھنٹہ لگ جائے گا۔“ زارون

نے ماں کے تیور بھانپ کر شرافت سے بتایا، وہ ڈنر پر نہ جانا چاہتا تھا کہ اسے پبلک گنڈرنگ میں بالکل انٹرسٹ نہ رہا تھا۔

”تمہاری واپسی ساڑھے نو بجے ہوگی، ہم تیار ہوں گے تمہارے آتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔“ ممالی نے اس کے بہانے کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے تائید طلب نظروں سے شوہر کو دیکھا، وہ اس کی آدم بیزاریت سے تنگ آ چکی تھیں۔

”تمہاری ممالی ٹھیک کہہ رہی ہیں بیٹا۔“ نذیر صاحب نے فوراً تائید کی، ان کی ارشد کہنی سے بزنس ٹرمز کافی بڑھ گئی تھیں، وہ کاروباری، محنتی اور لین دین کے معاملے میں گھرے اور ایماندار تھے، ملک صاحب کی پراڈکٹ امریکہ میں بہت پسند کی گئی تھی وہ بھی ڈنر مس نہ کرنا چاہتے تھے تاکہ ان سے مزید بہتر تعلقات استوار ہوں۔

”اوکے ایز یوش۔“ زارون نے جائے فرار نہ پا کر مسکیت سے ہامی بھری، ممالی نے محبت سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا۔

☆☆☆

”ممالی آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا۔“ گھر کا ماحول خاصا کبیدہ خاطر تھا، ارشد انہیں منانا کر تھک چکے تھے مگر انکی سوئی لیہا پر انکی ہوئی تھی، انہیں میزاب کی محبت اور آنکھوں کی نمی، ابریق کی محبت و تڑپ بھی نظر نہ آتا تھا، میزاب نے ان کے ہاں آنا چھوڑ دیا تھا حالانکہ دونوں پورھنوکالان مشترک تھا، وہ تولان میں بھی نہ ٹپکتی تھی، ابریق کو خبر ہوئی تو وہ پہلے تو میزاب سے خوب لڑا اور اب قاطعہ کے سر پر کڑے تیور لئے بدتمیزی و بد لجامی سے کھڑا تھا، اس کی آنکھوں کی لالی اندرونی کرب کی غماز تھی۔

”تم ماں سے بات کرنے کی تمیز بھی بھلا



بیٹھے ہو۔“ وہ اننا خنکی سے اس پر بگڑیں، امیرِ بقی کی اجڑی حالت دیکھ کر ایک بار ان کے دل کو دھکا لگا مگر انہوں نے خود کو سمجھا کر مضبوط کر لیا وہ صرف لیہا کو بہو بنانا چاہتی تھیں، عائشہ اور اماں بی نے ہمیشہ انہیں لوٹا تھا، وہ کبھی کبھی اماں بی کی چالاکی اور اپنی سادہ لوحی اور حماقت پر غصے سے گھول اٹھتیں، وہ ہر وقت اندر سے کڑھتی رہتی تھیں جبکہ ارشد خوشی بہ رضا بہمن کے آگے لٹنے کو تیار تھے ان کا بس چلتا تو فیکٹری بھی عائشہ کے نام کر دیتے، اماں بی نے گھر کی رجسٹری تو کمال ہوشیاری سے اپنے نام کروا کر عائشہ کو جائیداد میں حصہ تو دے ہی دیا تھا، ان کا ذہن ان دنوں بدگمانی کی انتہا پر تھا، وہ بدگمانی کی آنکھ سے دیکھتیں اور کان سے سنتیں تھیں، انہیں اماں اور عائشہ کی بے لوث محبت نرا ڈھکوسلہ لگتی تھی، وہ تو مری ساس کو بھی دل میں کوسنے سے باز نہ آتی تھیں، سچ ہے انسان سے زیادہ کوئی خسارے میں نہیں رہتا ہے، امیرِ بقی کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ گئی۔

”مما آپ بھی ایک بات یاد رکھ لیں میں ہرگز میزاب کو طلاق دے کر لیہا سے شادی نہیں کروں گا وہ میرے لئے چھوٹی بہن جیسی ہے۔“ امیرِ بقی غصے سے تن فٹن کرنا بات مکمل کر کے چلا گیا، قاطمہ کی نخوت بھری نظروں نے اسے سر تا پا گھورا، وہ ارشد کو منانے میں ناکام رہی تھیں اور بیٹا بھی خفا ہو گیا تھا لیکن وہ کسی قیمت پر بھی ان کی بات ماننے کو تیار نہ تھیں، وہ ہٹ دھرم یا ضدی ہرگز نہ تھی، انہیں صرف اپنی جائیداد کو بچانا تھا، انہوں نے وسیع و عریض بنگلے نما کوٹھی پر طائرانہ نگاہ ڈالی اور اپنے فیصلے پر سختی سے جم گئیں جبکہ ادھر ہے گزرتا عاذب اپنی جگہ پھر بن چکا تھا۔

☆☆☆

محبت میں بدگمانی جو تک بن کر محبت کو چاٹ جاتی ہے، بعض اوقات آنکھوں دیکھا اور کانوں سنا بھی غلط ہوتا ہے، وہ لب بھینچے ضبط کے کڑے مراحل سے گزرتا اندھا دھند گاڑی مختلف سڑکوں پر بھگائے جا رہا تھا، دل کو کسی پل قرار نہ تھا، اس کی آنکھوں کے سامنے مختلف مناظر گڈٹھ ہونے لگے، اسے امیرِ بقی اور لیہا کا ایک دوسرے کی پرواہ کرنا، لیہا کا ہر وقت امیرِ بقی سے چٹے رہنا، کالج سے آکر ہر بات اسی سے شیئر کرنا، امیرِ بقی کا نکاح، لیہا کی شفٹنگ سب کچھ یاد آ رہا تھا۔

”امیرِ بقی کو لیہا سے محبت ہوئی تو وہ ہرگز میزاب سے نکاح نہ کرتا۔“ اک اور سوچ اس کے ذہن سے ٹکرائی تو وہ تیزی سے گاڑی کو گھما گیا اسے اپنی بے وقوفی اور حماقت کا شدت سے احساس ہونے لگا تھا، اس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی، اک جنون تھا جو اسے تڑپا رہا تھا۔

عاذب کو نئے گھر دعوت پر لیہا کا بطور خاص اسے کہنی دینا یاد آیا تو درد دل نے اسے بے حال کر دیا گاڑی کی سپیڈ خطرناک حد تک بڑھ رہی تھی، مگر اسے کسی بات کی پرواہ نہ تھی اس نے لیہا سے دانستہ فاصلے بڑھائے تھے، اسے لیہا سے جنریشن پر ملاقات یاد آ گئی، اس کی آنکھوں کی چمک اسے دیکھتے ہی بڑھ گئی تھی، وہ اپنی ماما کی بدسلوکی پر بھی نادم تھی، اسے کیا کچھ یاد نہ آ رہا تھا۔

اس نے درد دل سے بے حال گاڑی سائیڈ پر روک دی اور سر اسٹیئرنگ پر جما دیا، آنکھوں میں سود و زیاں کی لالی تھی اور اپنی حماقتوں پر پچھتاوا، امیرِ بقی میزاب کے لئے پاگل ہوا جا رہا تھا، وہ قاطمہ ممانی سے لڑ پڑا تھا اور وہ..... وہ محبت میں بدگمان ہونے جا رہا تھا، محبت تو خلص و اعتماد کا دوسرا نام ہے اور اس نے خلوص



واعتقاد ہی بھلا ڈالا تھا، بھلا کوئی یوں بھی کرتا ہے، اسی کے پچھتاوے بڑھنے لگے تھے۔

☆☆☆

”کہاں جا رہے ہو ایریق۔“ عاذب نے سڑک کنارے چلتے ایریق کے قریب گاڑی روک دی، ایریق چونک کر دو قدم تیزی سے پیچھے ہٹا، دل پہ چھایا بدگمانی کا غبار چھٹا تو ہر چہرہ آئینے کی طرح شفاف نظر آنے لگا تھا، اس نے ایریق کا سامنا ترک کر دیا تھا اور اس سے گفتگو بھی برائے نام ہوتی تھی عاذب کی بٹاشت بھری چپکتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، عاذب آفس کے لئے تیار ہو کر نکلا تو گھر سے کچھ دور اسے ایریق مل گیا۔

”آؤ۔“ وہ متامل خاموش تھا کہ عاذب نے فرنٹ ڈور کھول دیا، اس کی عاذب سے بے حد تکلفی کبھی بھی نہ رہی تھی مگر وہ دونوں اکٹھے ہوتے تو وہ گھنٹوں کسی بھی ٹاپک پر گفتگو کرتے تھے، ان میں جھجک نہ تھی، پھر نہ جانے کیا ہوا کہ عاذب اس سے کتراتے لگا، وہ عاذب سے فری ہونے کی کوشش کرتا تو وہ ملائمت سے معذرت کرتا اٹھ جاتا، رفتہ رفتہ وہ بھی اپنے خول میں سمٹنے لگا تھا، عاذب اسے خطر ٹکا ہوں سے دیکھ رہا تھا، اس کے چہرے پر ایریق کی جھجک نے ہلکی خفت ابھرائی، ایریق آہستگی سے چلا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

”عاذب بھائی! آپ مجھے ایچ سیلٹر ڈراپ کر دیں۔“ ایریق کا یونیورسٹی پوائنٹ مس ہو گیا تھا، اسے ایچ سیلٹر سے یونیورسٹی بس پکڑنا تھی، عاذب نے گاڑی مطلوبہ راہ پر ڈال دی۔

”یار تمہارے انگیزا حرکت تک ہیں۔“ عاذب نے سابقہ بے تکلفی سے کہتے ہوئے اسٹیرنگ گھمایا، یونیورسٹی پوائنٹ میں خاصا وقت

تھا سو گاڑی کی سپیڈ مارٹرل تھی۔

”دو ماہ رہ گئے ہیں۔“ ایریق نے مختصر جواب دیا وہ ہنوز سامنے سڑک پر نظر میں جمائے ہوئے تھا، عاذب کو شدید ندامت نے گھیر لیا، وہ اس سے کھنچا کھنچا تھا اور اس میں سارا قصور عاذب کا تھا۔

”سوری ایریق! مجھے تھوڑی مس اندر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی۔“ عاذب نے سٹاپ پر گاڑی روکی تو ایریق سلام کر کے گاڑی سے اتر گیا، عاذب نے دور جاتے ایریق کو آواز دی اس کے معذرت خواہانہ انداز نے ایریق کو قدرے خفیف کر دیا۔

”عاذب بھائی! مجھے اپنی مس اندر اسٹینڈنگ کا نام ضرور بتائیے گا۔“ ایریق کی بس آ چکی تھی وہ اپنی سابقہ جون میں لوٹتے ہوئے شرارت سے مس پر زور دیتا بس پر سوار ہو گیا، عاذب اس کی شرارت پر جھینپ گیا۔

☆☆☆

کھڑکی کے پار رات دھیرے دھیرے بھیک رہی تھی، وہ رائیگ چیر کی پشت سے سر نکائے بیٹھے خود احتسابی کے کڑے دور سے گزر رہی تھیں، انہوں نے تمام عمر اپنی منوا کی تھی، والدین کے بے جالا ڈ پیار نے انہیں خاصا خود سر بنادیا تھا اور شوہر کی بے پناہ محبت نے مغرو، ان کی خود سری اور مغروریت نے انہیں سدھارنے کی بجائے مزید نگاڑا تھا وہ انجانے میں اپنی ہی اولاد کے آگے گڑھا کھودنے لگی تھیں، انہیں کتنا مان تھا، غلیل پر کہ وہ بلا چون و چرا مان جائیں گے، انہیں ایسا پر اندھا یقین تھا کہ وہ ان کی بات نہ ٹالے گی، ان کا مان و یقین بے بنیاد اور سراسر غلط تھا، ان کی پیشانی پر عرق ندامت کی بوندیں چمکنے لگیں، انہیں اپنی خود غرضی پر دکھ پچھتاؤا،



ندامت، افسوس بھی کچھ تھا۔

خلیل کا غصہ کم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا اور ان کا غصہ بے جا بھی نہ تھا، وہ اوروں کی خوشیاں چھین کر خود کیسے خوش رہ سکتی تھیں، خلیل اپنے بہنوئی کی بہت عزت کرتے تھے بقول ان کے قاخرہ نے انہیں ارشد بھائی سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے، وہ اپنی بے پناہ مصروفیات کے باعث ابھی تک قاطمہ سے بات نہ کر سکے تھے ان کا ارادہ جلد قاطمہ کے ہاں جانے کا تھا۔

وہ لاکھ خود غرض سہی مگر بے حس و دے رحم نہ تھیں وہ کسی کی خوشیوں سے نہ کھیل سکتی تھیں اور پھر ان کی اپنی بیٹی کی خوشیوں کا بھی سوال تھا، رات کافی بیت چکی تھی، وہ سونے کے لئے لیٹ گئیں، خلیل کروٹ بدلے محو نیند تھے، ان کے ہلکے خراٹے کمرے میں گونج رہے تھے۔

☆☆☆

ارشد اپنی کسی بزنس پارٹی کو فیملی سمیت گھر ڈنر پر انوائٹ کر چکے تھے، انہوں نے صبح آفس جاتے ہوئے قاطمہ کو دو روز بعد کے ڈنر کے متعلق بتایا تھا، قاطمہ کے سنتے ہی ہاتھ پاؤں پھول گئے، ارشد گروپ اینڈ کمپنیز کو اسی بزنس پارٹی سے بے پناہ فوائد ملے تھے ارشد ان سے بہتر تعلقات کے لئے انہیں گھر بلوا رہے تھے، قاطمہ ڈنر میں کوئی کسر نہ چھوڑنا چاہتی تھیں ان کی عائشہ سے بات چیت بند تھی انہوں نے فون کر کے قاخرہ کو ان کے انکار کے باوجود کچھ دیر کے لئے گھر بلوالیا۔

”منیر!“ قاطمہ کا فون آیا تو ڈرائیور لیہا کو پک کرنے کے لئے نکل رہا تھا انہوں نے بعجلت اسے آواز دے کر روکا اور اسی حلیے میں روانہ ہو گئیں۔

”مما ہم کہاں جا رہے ہیں؟“ لیہا خلیل کی

نسبت ماں کو دل سے معاف کر چکی تھی اور اسے ان سے کوئی گلہ بھی نہ رہا تھا، اس نے گاڑی میں انہیں اچانک دیکھا تو وہ حیران ہوئی مگر اس نے مصلحتاً خاموشی اختیار کیے رکھی منیر نے کار کچھ دیر بعد گھر کی مخالف سمت موڑی تو لیہا اچنبھے سے پوچھے بنانہ رہ پائی تھی۔

”بیٹا! تمہاری پھپھو کسی کی دعوت کرنا چاہ رہی ہیں وہ میرا مشورہ لینا چاہتی ہیں۔“ قاخرہ نے متانت بھرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے روڈ پر نگاہیں مرکوز رکھیں غالباً ان میں ہمت نہ تھی کہ وہ اس ذکر پر لیہا سے نظریں ملا سکیں، ان کے لہجے کی مخصوص رعونت قصہ پارینہ بن چکی تھی، لیہا کا دل پھیل کر سکڑا، گھر آ چکا تھا، منیر کے دوبارہ ہارن دینے پر ہی گیٹ کھول دیا گیا تھا۔

”مما پلیز ذرا جلدی کیجئے واپسی میں۔“

لیہا نے گاڑی سے اترتے ہوئے سامنے سے آتی قاطمہ کو دیکھا، اس کی التجا نے قاخرہ کو افسردہ کر دیا، وہ سر ہلاتی قاطمہ سے ملنے لگیں، وہ قاطمہ کی ہمراہی میں لاؤنج میں آگئیں، ملازم ان کے کھانے سے انکار پر چائے لے آیا، پھپھو ممما سے مشورہ کرنے لگیں، لیہا ان کی گفتگو سے اکٹا کر لان میں چلی آئی۔

ان کی ذہنی روعاذب کی سمت بھٹک گئی اس نے کلائی پر بندھی کھڑی میں ٹائم دیکھا، دوپہر کے اڑھائی بج رہے تھے، وہ دشمن جان گھر پر نہ تھا، اس کا دل یکدم عروہ سے ملنے کو پھل اٹھا۔

”آپ؟“ وہ برآمدے میں اترتی سیڑھیوں پر پہنچی تو عاذب گھر کی انٹریس ڈور سے بعجلت باہر نکل رہا تھا، لیہا کے لبوں سے ہلکی سرگوشی نکلی، اپنی دھن میں آگے بڑھتا عاذب چونک کر رک گیا، وہ کانچ یو فیگارم میں ملبوس بے حد منفرد و حسین لگ رہی تھی، وہ دونوں بے خودی میں ایک دوسرے کو



دیکھے گئے، وہ دونوں اک دوسرے کی آنکھوں سے دور مگر دل کے بے حد قریب تھے، وہ دل کے رشتے میں بندھے نازک ڈور سے کھینچے چلے گئے۔

”ہوں ہوں۔“ نہ جانے کتنے پل بیت گئے تھے، ابریق نے مصنوعی سنجیدگی سے ہنکارا بھرتے ہوئے انہیں ہوش دلایا وہ دونوں چونک گئے، ابریق کے وجہہ چہرہ پر شوخی و شرارت بھی تھی، لیہا مارے گھبراہٹ کے سر جھکا گئی، وہ دونوں اک دوجے کی دعا تھے مگر دونوں ہی کہنے سے گھبراتے تھے، انہیں انجانا خوف لاحق تھا، ابریق ان کے قریب آگیا، اس کے ہاتھ میں آفس فائل تھی۔

”کیسی ہو لیہا؟“ عاذب کی آنکھوں میں چھپا سوال ابریق نے پڑھ لیا تھا۔

”ہم زندگی گزار رہے ہیں ابریق، چاہے جیسی بھی گزرے۔“ لیہا نے دل کی دہائی دباتے ہوئے عاذب کو کن اکھیوں سے دیکھتے ہوئے ابریق کو جواب دیا، عاذب تڑپ کر خاموشی سے لب بھینچ کر رہ گیا، جانے زندگی ان کے ساتھ کیا کرنے چلی تھی وہ اس کی حاصل تمنا اور تمام تر دعاؤں کا مرکز تھی مگر بے بسی کی انتہا تھی کہ وہ اسے کچھ بتانہ سکتا تھا، وہ قاخرہ آنٹی کی بدسلوکی بھولانہ تھا۔

”عروہ کہاں ہے؟“ اک نامحسوس خاموشی کا وقفہ طویل ہونے لگا تو لیہا نے پوچھا۔

”ٹیرس پر۔“ ابریق کا مصروف انداز میں مختصر جواب آیا وہ عاذب پر بناء نگاہ ڈالے وہاں سے چلی گئی محبت میں محبوب کی بے رخی و بے مروتی کسی کڑی سزا سے کم نہیں ہوتی ہے عاذب کو پہلی بار اس کا ادراک ہوا تھا، ابریق عاذب کے بناء بتائے اس کی مس انڈر اسٹینڈنگ کا نام

جان گیا تھا، اس سے عاذب کی نگاہوں میں چھپی اداسی پوشیدہ نہ رہی تھی۔

☆☆☆

نرم سبک رو ہوا اس کے بالوں سے اٹھیلیاں کر رہی تھی، وہ نہا کر نکلی تو بال سکھانے ٹیرس پر آگئی اس کی نگاہیں عین سامنے وسیع خالی پلاٹ پر تھیں جہاں خورد رو پودے اور گھاس پھوس ہریالی کی صورت بکھری تھی، کہیں جا بجا جھاڑی نما درخت بھی تھے، سامنے درخت پردو قاختا کیں بیٹھی تھیں، وہ غالباً لمبی پرواز سے لوٹی تھیں، ٹیرس پر کھڑا ہو کر ریلنگ سے جھک کر لہوگرد گھروں کی طرز تعمیر، آتے جاتے لوگوں پر کنکشنس و بحث عروہ اور اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا، وہ دونوں بلا مکان کافی دیر اسی مشغلے میں لگی رہتی تھیں، قاختہ کا جوڑا اڑ کر دوسرے درخت کی اونچی ٹہنی پر جا بیٹھا، ان دونوں کی اس درخت کے متعلق شدید لڑائی ہوتی تھی، لیہا کہتی تھی کہ وہ انار کا درخت ہے جبکہ وہ اسے خورد دو جھاڑی نما درخت کہتی تھی، دونوں شدید بحث کرتیں اور پھر بناء کسی نتیجے پر پہنچے بحث ادھوری چھوڑ کر کسی نئے ٹاپک کو ڈسکشن شروع ہو جاتی۔

اس نے گیلے بال تولیے سے زور سے رگڑتے ہوئے ذہن سے لیہا کی پرچھائی مٹانا چاہی، بال رگڑتے ہوئے اس کی نظر سامنے اٹھی تو وہ نگاہ ہٹانا بھول گئی، لیہا اس سے آتے ہی لپٹ گئی، وہ بے مروت و بد لحاظ نہ تھی، گھر میں جو بھی کلیش چل رہا تھا اس کا اثر ان دونوں کی دوستی پر ضرور پڑا تھا، مگر اسے مروت و تہذیب سے منہ نہ موڑنا تھا، اس نے جواباً گرجوٹی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے گال پر نزاکت بھرا ہوسہ دیا۔

”یار تم میرے پیچھے کم از کم اس درخت کا



نام ہی کسی سے پوچھ لیتیں۔“ لہذا اس سے الگ ہو کر ریلنگ پر جھک گئی، بشارت و خوشگواریت اس کے روم روم سے جھلک رہی تھی، اسے ادھر آتے ابھرتے نے دیکھا تھا، یقیناً لہذا کو ابھرتے نے ہی بتایا تھا، وہ ہولے سے ہنس دی، لہذا کی لائینی باتیں شروع ہو چکی تھیں جو یقیناً جلد ختم ہونے والی نہ تھیں، عروہ کو بے ساختہ اس کے سنگ گزرا وقت یاد آ گیا تھا، لہذا نے جواب نہ پا کر گردن موڑی۔

”وقت کتنی جلد بدل جاتا ہے۔“ عروہ کے چہرے پر سوچ کی گہری لکیر تھی، دونوں کی نظریں ملیں اور پلٹ کر سامنے بڑے پر تک گئیں۔

”تمہارے خوابوں کے شہزادے کا کیا حال ہے؟“ دونوں کے بیچ واضح چھتی خاموشی تھی جسے لہذا کی سنجیدہ شوخی بھری آواز نے چیرا، عروہ چونک کر مڑی، اس نے تو اپنے دل کا بھید صرف نازش کو دیا تھا پھر اسے کیسے خبر ہوئی؟ وہ متحیر تھی۔

”ہم تو اڑتی چڑیا کے پر کن لیتے ہیں جناب!“ لہذا نے شان بے نیازی سے اپنے ہاتھ جھاڑے، عروہ لب بھینچ کر رہ گئی، وہ تو خود کچھ نہ جانتی تھی سے کیا بتاتی، بے خبری بعض اوقات نعمت ہوتی ہے مگر کبھی کبھار عذاب جان بن جاتی ہے۔

”محبت ہمیشہ چھپ کر وار کیوں کرتی ہے محبت تو انسان کو اتنا بہادر بنا دیتی ہے کہ انسان سارے زمانے سے لڑ پڑتا ہے، کوئی ہاتھ میں تیشا لے لیتا ہے تو کوئی مجنون بن کر جنگل کا رخ کرتا ہے پھر یہ خود کیوں بد دل ہوتی ہے۔“ لہذا نے دکھ سے سوچے ہوئے آسمان پر نظریں گاڑ دیں، قاختہ کا جوڑا تھوڑی دیر سستا کر اگلی منزل کی جانب محو پرواز تھا۔

”لہذا کتنی پیاری لڑکی ہے کاش یہ میری

بھابھی بن جاتی۔“ عروہ نے اس کے من موہنے معصوم چہرے پر اک نظر ڈالی، نہ جانے کیوں اس کا دل یہ بات ماننے سے انکاری تھا کہ لہذا میزبان کی جگہ لینا چاہتی تھی، وہ ابھرتے سے بے تکلف ضرور تھی مگر میزبان سے بھی ہنسی مذاق کر لیتی تھی، اسے لہذا کے چہرے پر ریا کی جھلک نہ دکھائی دیتی تھی۔

”میں تو تیار ہوں مگر وہ کھانٹر بھی مانے تو نا۔“ نہ جانے اس نے کیسے عروہ کی سوچ پڑھ لی تھی، لہذا نے ٹیرس پر رکھے گیلے میں سے گلاب کا پھول توڑ کر عروہ کے کھلے لیے نیم گیلے بالوں میں ٹکا دیا، عروہ کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا، لہذا غضب کی چہرہ شناس نکلی تھی۔

”لہذا!“ وہ جب تک بات کی تھیں میں پہنچتی تو قاختہ آٹنی اسے آوازیں دیتی آ گئیں تھیں، ان کے ہمراہ عائشہ بھی تھیں، یقیناً وہ ان سے مل چکی تھیں۔

”عائشہ! تم کبھی میری طرف چکر لگاؤ نا۔“ قاختہ کے لئے بیٹی کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہ تھا، انہوں نے وقت رخصت عائشہ سے محبت بھرا اصرار کیا عائشہ نے منانت سے مسکرا کر حق میزبانی نبھاتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا، انہیں واپسی کی جلدی تھی، عروہ کو لہذا سے کھل کر بات کرنے کا موقع بھی نہ مل سکا، خوشی اس کے روم روم میں بسی تھی، وہ دونوں ان سے مل کر گاڑی میں بیٹھ گئیں، لہذا کے چہرے پر اس کے دل کی خوشی کا پتہ دیتی گہری معنی خیز مسکراہٹ جمی تھی۔

☆☆☆

وہ بہت الجھی ہوئی تھیں، قاختہ کا بدلا رویہ اور بات بے بات چونکنا انہیں کھٹک رہا تھا، وہ بمشکل پونا گھنٹہ بیٹھی تھیں اور انہوں نے بلا مبالغہ کوئی بیسویں دفعہ جلدی جانے کا شور مچایا تھا، وہ



ان سے کچھ چھپا رہی تھیں، فاطمہ ان سے سکون و تسلی سے بیٹھ کر لیہا اور ابریق کے رشتے کی بات کرنا چاہتی تھیں انہیں فاخرہ کو ارشد اور ابریق کے واضح انکار اور ان کے لئے دیئے انداز کے بارے میں بھی بتانا تھا، وہ دانستہ اس موضوع کو چھیڑنے سے گریز کر گئیں، فاخرہ انہیں میڈیولسٹ اور تمام اشیاء کے نام بتا کر چلی گئیں، فاطمہ پہلے اماں اور عائشہ کے ساتھ مل کر کسی کی دعوت کرنا ہوتی تو انتظام کر لیتیں، انہیں پہلی بار تنہا دعوت کا انتظام کرنا تھا اسی لئے وہ قدرے ہراساں تھیں۔

”آپ دونوں میرے آنے سے چپ ہوئے ہیں، آپ باتیں کر پس میں ہی یہاں سے چلی جانی ہوں۔“ فاطمہ کالی الجھ گئی تھیں فاخرہ کا مبہم رویہ ان کی سمجھ سے بالاتر تھا، وہ سوچوں میں گم سنگ روم میں کسی ٹاک شو پر زور و شور سے تبصرہ کرتے ابریق اور ارشد کے پاس آ کر بیٹھ گئیں تو وہ دونوں خاموش ہو گئے تھے، فاطمہ پریشان تو تھیں ہی، ان کی خاموشی پر چڑ گئیں۔

”بیٹھو فاطمہ!“ ارشد نے ان کا ہاتھ تھام لیا، وہ نروٹھے بچے کی طرح منہ پھلائے بیٹھ گئیں ابریق ڈیڈی کو موبائل نیٹ پر ایک مشہور چینل کے ٹاک شو کے کلپس دکھا رہا تھا، وہ مہما کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے موبائل بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔

”کوئی پریشانی ہے تمہیں؟“ وہ ان کے پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھتے بناء نہ رہ سکے تھے، وہ فاطمہ سے ضرورتاً بات کرتے تھے، ابریق کی اپنی مصروفیات تھیں، ان سے فاطمہ کی تشویش دیکھی نہ گئی تھی۔

”ہوں آں۔“ وہ چونک کر ہکلائے لگیں ان کے چہرے کی رنگت متغیر ہو گئی جیسے کسی نے ان کا بھید پالیا ہو، ابریق کی کھوجی نظریں بھی

انہی پر تھیں۔

”میں ذرا کچن دیکھ لوں۔“ وہ یہاں بنا کر چلی گئیں، کہیں کوئی گڑبڑ ضرور تھی، جسے وہ کسی سے شیئر نہ کرنا چاہتی تھیں، ارشد گا ہے بگا ہے عائشہ کی طرف چکر لگا لیتے تھے فاطمہ گھر میں تنہا اپنے محاذ پر ڈٹی تھیں، ارشد نے تشویش سے ٹھوڑی مسلی۔

☆☆☆

”مما! عاذب بھیا کی بھی شادی کروا دیں۔“ سب سنگ روم میں لحاف میں گھسے چلتوزے کھا رہے تھے، عاذب نے عروہ کے سامنے سے چلتوزے اٹھائے تو اس نے بھائی کی ہتھیلی پر نرمی سے ہاتھ مارا۔

”ہائیں۔“ وہ بھونچکا رہ گیا، عروہ کی آنکھوں میں شوخی و شرارت اور چہرے پر مبہم مسکراہٹ تھی، میز اب بھی اسٹڈی چھوڑ کر دونوں کی نوک جھونک دلچسپی سے سننے لگی اس کے ایگزائمز قریب تھے اور وہ دن رات اسٹڈی میں جتی تھی تاکہ اپنا اکیڈمک ریکارڈ بحال رکھ سکے، وہ تین سال کی مارکس شیٹ میں ابریق سے چار نمبر پیچھے تھی ڈیپارٹمنٹ کی تاریخ میں پچھلے چودہ سالوں سے لڑکے گولڈ میڈیلسٹ تھے اسے اس سال ابریق سے میڈل جیتنا تھا، عاذب ہولے سے ہنس دیا۔

”تمہاری نظر میں کوئی لڑکی ہو تو بتاؤ۔“ عائشہ نے مبہم شریر لہجے میں عاذب کو چھیڑتے ہوئے عروہ کو دیکھا، عاذب سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”مما لڑکی مجھ سے پوچھیں، بھائی تو مشرقی لڑکے ہیں یہ کبھی انکار نہیں کریں گے۔“ عروہ مائل بہ شرارت تھی، وہ ہنوز غیر سنجیدہ تھی، عاذب کے تصور میں لیہا کا سراپا لہرایا۔

”آفس کورس بیٹا بتاؤ۔“ شاہد صاحب نے



بھی گفتگو میں حصہ لیا، فاطمہ گھر میں تنہا محاذ پر ڈٹی تھیں ارشد اور ابریق ان سے پہلے جیسا برتاؤ رکھے ہوئے تھے ان کے نہ رویے بدلے تھے اور نہ نیتیں، انسان ہمیشہ شیطان سے پہلی چوٹ نیت پر کھاتا ہے شکوک و سو سے نیت میں دراڑ ڈال کر شیطان کا کام آسان کر دیتے ہیں، شاہد کو امید تھی کہ قدرت ان کے ساتھ برانہ کرے گی، وہ میزاب اور عاذب کو اکٹھے شادیاں کرنا چاہتے تھے۔

”لیہا!“ لفظ تھایا بم، جو سب کے سروں پر پھٹا تھا، اس نے مخلوط نگاہوں سے سب کو دیکھا، جو حیرت کے تجسم بن گئے تھے، جبکہ عاذب تو سانس تک لینا بھول گیا تھا، عروہ سب کو دلچسپی سے لیہا کی باتیں بتانے لگیں۔

”کیا اس نے مجھے گھامڑ کہا؟“ عاذب جیسے ہوش میں آ کر دھیرے سے چلایا۔

”بیگم آپ کے برخوردار کو لیہا سے شادی پر نہیں، اس کے گھامڑ کہنے پر اعتراض ہے۔“ شاہد صاحب نے شکستگی سے عاذب پر چوٹ کی، وہ احتجاجاً واک آؤٹ کر گیا۔

”فاطمہ نہیں مانے گی۔“ سب کے چہرے حقیقی خوشی سے چمک اٹھے، عائشہ نے ذہن میں ابھرنے والی سوچ کو زبان دی تو میزاب کے مسکراتے لب بھیج گئے۔

☆☆☆

”خلیل پلیز مجھے معاف کر دیں، میں غلطی پر تھی۔“ خلیل کا موڈ کافی دنوں بعد بے حد خوشگوار تھا، وہ لیہا سے کافی دیر خوش گپیوں میں محو رہے تھے، فاطمہ بھی درمیان میں مداخلت کر لیتیں، خلیل انہیں کھل نظر انداز کئے ہوئے تھے، انہوں نے لیہا سے چائے کی فرمائش کی تو وہ ان کے لئے چائے بنانے چلی گئی، فاطمہ نے موقع پاتے

ہی رندھے لہجے میں معافی مانگی، وہ سخت شرمندہ تھیں، خلیل کا دل پکھل گیا، وہ ظالم نہ تھے وہ تو صرف انہیں راہ راست پر لانا چاہتے تھے۔

”لیہا بیٹا! اپنی ماما کے لئے بھی چائے لے آؤ۔“ خلیل نے شکستگی سے فاطمہ کو دیکھتے ہوئے ہانک لگائی، فاطمہ نے جھکے سے سر اٹھایا، وہ مسکرا رہے تھے، فاطمہ کی آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

”ارے۔“ خلیل نے دھیمی سرگوشی کرتے ہوئے ان کے آنسو پونچھے۔

”آپ مجھ سے خفا تو نہیں ہیں نا۔“ وہ کبھی فاطمہ سے ناراض نہ ہوئے تھے اور نہ ہی انہوں نے کبھی ان پر کوئی روک ٹوک کی تھی، وہ زندگی میں پہلی بار فاطمہ سے خفا ہوئے تو ان کی جان پر بن آئی، وہ انہی کی محبت کے زعم میں جتلا من مانی کرنے کی عادی تھی، جب ان کی محبت کا غرور ٹوٹا تو دل من مانی کرنا بھی بھول گیا، فاطمہ نے تصدیق چاہی۔

”میں تم سے خفا نہیں تھا بس تم یہ مجھے غصہ تھا۔“ خلیل کو غصہ بہت کم مگر شدید ترین آتا تھا انہیں فاطمہ کی خود غرضی نے بہت دکھ دیا تھا ان کا مان توڑ ڈالا تھا، انہوں نے نرمی سے مسکراتے ہوئے فاطمہ کا ہاتھ تھام لیا۔

”میں آج ہی فاطمہ سے بھی معافی مانگ لوں گی۔“ خلیل مانے تو انہوں نے جیسے کوئی معرکہ سر کر لیا تھا، خلیل نے ان کا ہاتھ تھپتھا کر تائید کی، اسی اثناء میں لیہا چائے لے کر آ گئی، اس نے دونوں کو باری باری کپ تھمائے اور ان دونوں کے درمیان چیر گھسیٹ کر بیٹھ گئی، منظر مکمل اور خوشگوار تھا، وہ طمانیت سے مسکرا دی۔

☆☆☆

ان کے قدم سامنے بڑھتے جا رہے تھے ان



کی چال میں واضح جھک اور ست روی تھی، وہ انٹرنس ڈور کے قریب رک گئیں، قاخرہ نے فون کر کے ان سے رو رو کر معذرت کرتے ہوئے معافی مانگی تھیں وہ بے حد نادم تھیں کہ وہ انجانے میں کسی کی بددعائیں سمیٹ رہی تھیں، قاطمہ نے مڑ کر پیچھے دیکھا، ارشد اور ابریق نے مسکرا کر انہیں حوصلہ دیا انہوں نے ڈور پر ہاتھ رکھا تو ڈور ہلکی سی چرچاہٹ سے کھل گیا سامنے وسیع لاؤنج بھائی بھائی کر رہا تھا، بالائی منزل سے جھولے کی چرچاہٹ کی آواز میزاب کی موجودگی کی غماز تھی، وہ آہستگی سے اندر داخل ہو گئیں، دائیں سمت کچن میں عائشہ مصروف تھیں، وہ کسی کے قدموں کی آہٹ پر چونک کر مڑیں اور اگلے پل خوشی سے گلگ ساکت رہ گئیں ان کی تمام دعائیں اور وظائف مستجاب ہو گئے، قاطمہ اہل حقیقت کی طرح ان کے سامنے تھیں ان کی نظریں قاطمہ کے کندھے سے پرے ارشد بھائی پر گئیں جو نرمی سے مسکرا کر سر ہلاتے ہوئے انہیں حقیقت کی یقین دہانی کروا رہے تھے، وہ آکر قاطمہ کے گلے لگ گئیں، ان کے لئے قاطمہ کی آمد کسی معجزے سے کم نہ تھی، ان کا رواں رواں رب کا شکر گزار تھا، قاطمہ سخت نادم تھیں عائشہ انہیں مزید شرمندہ نہ کرنا چاہتی تھیں، وہ ان سے خوشدلی سے باتیں کرنے لگیں، جلد ہی لاؤنج میں قہقہے گونجنے لگے، عائشہ نے انہیں بناء کہے معاف کر دیا تھا، وہ بڑی تھیں اور انہیں بڑا پن دکھانا تھا، میزاب نے قہقہوں کی آواز لاؤنج میں جھانکا تو وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی، اس کے چہرے پر آسودگی پھیل گئی۔

”سنا ہے لوگ یونیورسٹی کا چودہ سالہ ریکارڈ توڑنا چاہتے ہیں۔“ وہ نجانے کب آکر اس کے جھولے پر رکھے نوٹس اٹھا کر جھولا جھولنے لگا تھا،

میزاب چونک کر پلٹی وہ اس کے نوٹس سامنے پھیلانے الٹ پلٹ رہا تھا، چہرے پر محبت و شوخی تھی، میزاب اس سے کترانے لگی تھی، اسے اپنی عزت نفس بے حد عزیز تھی، وہ ان چاہی بن کر کسی پر خود کو مسلط نہ کرنا چاہتی تھی، سکون تہہ در تہہ اس کی ذات میں اترنے لگا، وہ ابریق کے لئے بہت تڑپتی تھی، اس نے راتوں کو جاگ جاگ کر اسے ربا سے اپنے لئے مانگا تھا۔

”آف کورس تم دیکھ لینا میں اس سال چار نمبر کا مارجن اوور کر لوں گی۔“ اس کے لہجے میں اعتماد و شوخی در آئی، وہی اعتماد جو اس کی ذات کا حصہ تھا لیکن وہ اسے اب کھونے کو تھی، اس نے ابریق کے قریب اپنی جگہ بنائی۔

”میری دعا ہے کہ تم زندگی کے ہر میدان میں کامیاب ٹھہرو۔“ ابریق نے محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر خلوص نیت سے اسے دعا دی، میزاب کی پلکیں بار حیا سے جھک گئیں، لاؤنج میں گونجنے قہقہے دونوں کو جلت رنگ لگ رہے تھے۔

☆☆☆

گاڑی انصاری ہاؤس کے سامنے رکی تو مستعد چوکیدار نے سرعت سے گیٹ کھول دیا، زارون گاڑی سے اترتے ہوئے ٹھٹھک کر رک گیا، سامنے لان سے آتی بلاشبہ عروہ ہی تھی، وہ لائٹ سکین کمر کے سوٹ میں لائٹ لب اسٹک لگائے دل میں اتر جانے کی حد تک پیاری لگ رہی تھی۔

”سین۔“ وہ لان سے ہو کر ارشد و لا کے انٹرنس ڈور کی طرف اپنی دھن میں گرد و پیش سے بے نیاز جا رہی تھی کہ کسی کے پکارنے پر پلٹی، اب اس کے حیرت زدہ ہونے کی باری تھی، اس نے اسے روزانہ شہر کی سڑکوں پر اک اک گاڑی میں تلاشا تھا اور وہ ملا بھی تو کہاں، اس کے اپنے گھر



میں، اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، ماما گاڑی سے اتر کر ان کے قریب آ گئیں، وہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے بت کی مانند کھڑے بنائے پلکیں جھپکائے اک دو جے کو دیکھ رہے تھے، زارون آہٹ پر ہوش میں آیا۔

”السلام علیکم آئی!“ عروہ نے خفت سے سرخ پڑتے ہوئے سوہسی خاتون کو سلام کیا، اسے اپنی پوزیشن سخت آکورد لگ رہی تھی، ماما پوچھے جان چکی تھیں کہ وہ زارون کی تلاش ہے۔

”وعلیکم السلام!“ انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی چومی، زارون کی والہانہ نگاہیں اس پر یوں جمی تھیں جیسے وہ دوبارہ کم ہو جائے گی، ارشد اور شامدان کی آمد کی اطلاع پاتے ہی انٹریس ڈور پر پہنچ گئے تھے، عروہ کھسک کر اپنے پورشن میں آ گئی، فاطمہ نے بھائی اور بھابی کی بھی دعوت کر ڈالی تھی، اسے لیہا کو خوشخبری سناتا تھی، وہ دھڑکتے دل اور خوشی سے گلزار چہرہ لئے رب کی مشکور تھی۔

☆☆☆

”عروہ! آج میں عائشہ آئی اور پھپھو سے اس درخت کا نام پوچھ کر رہی رہوں گی۔“ وہ ٹیرس پر رینگ رہ چکی ہوئی سامنے سبزے پر ٹکا ہیں مرکوز کیے ہوئے تھی، اس کی پشت پر آہٹ ابھری تو اس نے بناء پلٹے کہا، عروہ فاطمہ پھپھو کی طرف کسی کام سے جلد واپس آنے کا کہہ کر گئی تھی۔

”عروہ کی بچی، میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں۔“ قدموں کی آہٹ اس کی پشت پر آ کر رک گئی، مگر جواب نہ ادا کرتا تھا، وہ جھنجھلا کر پلٹی تو اپنے پیچھے کھڑے عاذب سے بمشکل ٹکراتی بچی۔

”اوہ آپ؟“ اس کا دل عاذب کی موجودگی کے تصور سے ہی دھڑکنے لگا، دھڑکنوں کے حصار تعاش نے اس پر گھبراہٹ طاری کر دی،

اس کی پلکوں کی چلمن گھبراہٹ میں تیزی سے لرزنے لگی، اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے راہ فرار اختیار کرنا چاہی تو عاذب اس کی راہ میں آ گیا۔

”لیہا! آئی ایم سوری یار میں مس انڈر اسٹینڈنگ کا شکار ہو گیا تھا۔“ عاذب نے اس کے حسین چہرے کو آنکھوں میں سموتے ہوئے جذب سے معذرت کی، لیہا نے الجھ کر نظریں اٹھائیں۔

”لیہا میں سمجھا کہ تم ابرہہ میں انٹرسٹڈ ہو۔“ عاذب نے قدرے نادم ہو کر مجرمانہ انداز میں اقرار کیا، محبت میں بہت طاقت ہوتی ہے وہ محبوب کی ہر غلطی معاف کر دیتی ہے، وہ حقیقتاً سخت شرمندہ تھا، وہ مہمانوں سے مل کر امی کے کہنے پر عروہ کو ڈھونڈنے آیا تھا۔

”اوہ۔“ لیہا نے اس کے گریز اور بے رخی کی وجہ جان کر بے ساختہ طویل سانس بھری تھی، محبت میں اتنی وسعت اور گہرائی ہوتی ہے کہ وہ محبوب کی ہر خامی معاف کر دیتی ہے، اس نے عاذب سے بچی محبت کی تھی اور اس میں اسے معاف کرنے کا بھی حوصلہ تھا۔

”اب تو آپ کو یقین آ گیا نا کہ میں آپ کو چاہتی ہوں۔“ وہ بے دھیانی میں شکوہ کر گئی، اس نے اسے رلایا بھی تو بہت تھا۔

”تم مجھے چاہتی ہو۔“ عاذب نے شوخی سے اس کی بات پکڑ کر اس پر اپنی آنکھیں ٹکائیں، لیہا نے شرما کر زبان دانٹوں تلے دبالی، وہ تیزی سے سائیڈ سے ہو کر نیچے بھاگی، عاذب کے جاندار قہقیہ نے اس کا پیچھا کیا تھا، خوشیاں دونوں کی منتظر تھیں، محبت کی بہار ان پر خوب برسنے کو تیار تھی۔

☆☆☆



# جمالِ گلشنِ قرۃ العین

قرۃ العین رائے





ماہ نم بھی یونہی چلتی ہوئی پھل دار باغ کو دیکھتی ہوئی ہارس گراؤنڈ کی جانب بڑھ گئی جس کے چاروں طرف بانس کا مضبوط جنگلا بنا کر لگایا گیا تھا وہ اس جنگل کے قریب آ کر یونہی کھڑی ہو گئی گھوڑوں کی ہنہاٹ کی آواز آرہی تھی اسے ارد گرد کی خاموشی اور نامحسوس سی چہل پہل مزہ دے رہی تھی وہ وہیں پر رک گئی کا کا جان نظر آ جاتے تو وہ انہیں وہ لسٹ تھما دیتی جو اس نے کیس روم دیکھتے ہوئے چند ضروری اشیاء کی بنائی تھی۔ زندگی بھی ایک پہیلی ہی ہے اور جب آپ اسے سلجھا لیتے ہیں تو حیران رہ جاتا ہیں کہ اچھا اس سوال میں پوشیدہ یہ جواب تھا اس کی زندگی بھی تو پہیلی ہی بنتی جا رہی تھی اور اب وہ خود کو ایک فارم ہاؤس پر یوں کھڑے اس پہیلی کا پوشیدہ جواب پا کر حیران سی کھڑی ہوئی تھی۔

”نہ جانے پھپھو کا کیا حال ہوگا؟ اور

دل نے دستر خوان بچھایا دعوت عشق ہے ہے قبول تو آ جا جاناں دعوت عشق ہے شکور اس کی آمد سے بے خبر مکن متوقع کی مناسبت سے گانا گارہا تھا ماہ نم گانے کے بولوں پر گڑ بڑا کر رہ گئی۔

”شکور بھائی جان کہاں ہیں؟“ اس نے جلدی سے شکور سے پوچھا۔

”وہ تو جی گھوڑوں کی طرف گئے ہیں۔“ مصروف سے شکور نے جلدی سے بتایا اور ماہ نم اٹنے پاؤں ہی باہر نکل آئی۔

”باورچی کہیں کا۔“ سیفی کے ایک اور خطاب میں اضافہ کرتے ہوئے باہر جاتی ماہ نم کو بغور دیکھا اور پھر جلدی سے اپنے سیل فون پر کسی کا نمبر ملا کر جلدی جلدی کچھ ہدایات دینے لگا شکور کچھ سمجھتا اور کچھ نہ سمجھتا اپنے کام میں مگن رہا۔

## مکمل ناول





چچا..... کیا ان کے دل میں میرے لئے کبھی بھی رحم نہیں جاگا ہوگا اپنے سفاک رویے پر وہ کبھی نادم نہیں ہوں گے؟“ خاموش سوچوں میں غلطاں تھی ارد گرد سے یکسر بے خبر۔

جبھی اسے اپنے بے حد قریب گھوڑے کی تیز ہنہاٹ سنائی دی اور وہ اپنے خیالات سے چونک کر بے اختیار پیچھے ہٹی گراؤنڈ میں ایک خوبصورت توانا براؤن کلر کا گھوڑا موجود تھا جس کی باگ کسی نوکر نے سنبھال رکھی تھی کا کا جان اسے دیکھ کر اس کے قریب آئے۔

”وہ میں یونہی آپ کو دیکھتی ادھر چلی آئی یہ لسٹ بنائی تھی آپ کو دینا چاہ رہی تھی۔“ ان کے سوالیہ انداز پر وہ جلدی سے بولی تھی۔

”آپ کا گھر ہے بیٹا رانی، میں ابھی آتا ہوں سیفی بابا آجائے ذرا یہ بہت اڑی کر رہا ہے کاشی نہیں ڈالنے دے رہا بہت عضلا ہے اب اسے سیفی بابا ہی سنبھالیں گے۔“ گھوڑے کی جانب دیکھتے ہوئے کا کا جان نے اپنے نرم لہجے میں کہا گھوڑا بہت بدک رہا تھا باگ تک نہیں پکڑنے دے رہا تھا بے چارے ملازم نے نہ جانے کیسی باگ سنبھال رکھی تھی ماہ نم کو اس سارے منظر میں بے حد دلچسپی محسوس ہوتی خاص طور پر وہ اس گھوڑے سے سیفی کو ہارتے ہوئے دیکھنے کی خواہش مند تھی نہ جانے کیوں تبھی اسے سیفی گراؤنڈ میں داخل ہوتا دکھائی دیا بلیو جینز کے اوپر سفید شرٹ جس پر اس نے براؤن سلیو کیس جیکٹ پہن رکھی تھی یہ لباس اس کے مضبوط اور کسرتی جسم کو بے حد نمایاں کر رہا تھا بلیو جینز کے نیچے لانگ شوز تھے اور آنکھوں پر سن گلاسز لگائے وہ پر اعتماد چال چلتا گراؤنڈ میں داخل ہوا تھا۔

”یہ انسان ہے یا چھلا وہ؟“ ماہ نم سوچ کر رہ گئی تھی ابھی کچھ دیر پہلے کچن میں باقاعدہ شیف

والا حلیہ بنائے ایک ماہر کک کی طرح کوکنگ کر رہا تھا اور اب کسی انگریزی فلم کا ہیرو جیسا حلیہ بنائے گھوڑے کی جانب بڑھ رہا تھا۔

”گھوڑے پر خاص طور پر اڑیل گھوڑے پر پہلا امپریشن بہت جاندار پڑھنا چاہیے اور نم ڈرے ہوئے سے اس کی لگام تھامے کھڑے ہو تمہیں تو وہ کسی گنتی میں شمار کرنے والا نہیں۔“ سیفی نے ملازم کے قریب آتے ہوئے کہا اور ماہ نم کو اس کا حلیہ بدلنے کی لالچک سمجھ آئی۔

”عجیب بات ہے۔“ وہ بد بدائی، دلچسپی میں مزید اضافہ ہوا تھا چاہ کر بھی وہ وہاں سے جا نہ پائی، کا کا جان بھی اس کے قریب آ کر مودب سے کھڑے ہو کر گراؤنڈ کی جانب دیکھ رہے تھے سیفی نے اس کی موجودگی کو نظر انداز کیا ہوا اس کی ساری توجہ صرف اپنے گھوڑے پر تھی گلاسز اتار کر اس نے شرٹ کے اوپر کے دو کھلے بٹنوں کے لباس اڑ سے اور لگام ملازم کے ہاتھ سے لے لی گھوڑا بے چین تھا اور ٹک کر کھڑا نہیں ہو رہا تھا اس کی ہنہاٹ میں غصہ اور وارننگ دونوں محسوس کیے جاسکتے تھے۔

”ایزی کارلس..... ایزی۔“ سیفی نے لگام تھام کر اسے پکڑا گھوڑا مزید بدکا تھا اور ماہ نم کو یقین نہ ہو چلا تھا کہ وہ سیفی کو اپنی پیٹھ پر سواری کا اعزاز بھی بخشے والا نہیں۔

ایک بار پھر کی گئی کوشش پر گھوڑے نے اپنی اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا کر زمین پر ماری اگر سیفی برقی رفتار سے ایک سائیڈ پر نہ ہو جاتا تو اس کی دونوں ٹانگیں اس کے سینے کو لگتیں ماہ نم کا دل دھڑکا تھا یہ سب اتنا آسان نہیں تھا جتنا وہ سمجھ رہی تھی۔

”اللہ خیر رکھے۔“ کا کا جان بے ساختہ

بولے تھے۔



سیفی کی چھوٹی سی پونی سے بال نکل کر بکھر گئے تھے جسے اس نے بے نیازی سے کانوں کے پیچھے اڑا دیا تھا۔

”ایزی کارلس..... ایزی..... ایزی مائی بے بی۔“ سیفی اسے پیار سے پچکار ضرور رہا تھا لیکن اس کی باڈی لینکوتج میں ایک خاص ٹڈر پن اور ہلکا سا غصہ چھلک رہا تھا جیسے وہ گھوڑے کو ہار کر رہا ہو کہ میں تم سے زیادہ ضدی اور اڑیل ہوں لگام کو اس نے ہلکا لیکن بھرپور جھٹکا دیا تھا۔

”ایزی مائی بے بی۔“ ہر ہنہاٹ کے جواب میں سیفی اسے پیار سے پکارتے ہوئے اس کے ساتھ چکر لگا رہا تھا اور پھر کچھ دیر کی مزید تنگ دو کے بعد اس نے سیفی کی ضد کے آگے ہار مان لی تھی اور سیفی نے پاس کھڑے ملازم سے کاشمی لے کر اسی پر رکھتے ایک ہی جست میں اس پر سوار ہونے میں دیر نہیں لگائی تھی، ماہ نم کو اس کے چہرے پر در آئی فاتحانہ مسکراہٹ بھائی نہیں تھی اور وہ اسی وقت مڑ گئی اور سیفی نے اس کے چہرے پر چھائی مایوسی کو اتنی دور سے بھی تاڑ لیا تھا جس پر اس کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی تھی۔

وہ اور کا کا جان آگے پیچھے ہی اندر داخل ہوئے راستے میں وہ اپنی لسٹ میں شامل سامان کے متعلق بتاتی آئی تھی اور اب اس کا ارادہ اپنے کمرے میں جانے کا تھا۔

”کا کا جان سیفی بابا نے باربی کیو کا بھی انتظام کر رکھا ہے نکوں کی تیاری وغیرہ وہ کر گئے ہے دعوت کا انتظام سوئمنگ پول کے پاس کرنا ہے ماہ نم بی بی کے لئے انہوں نے حکم دیا ہے کہ وہ اپنی نگرانی میں آپ کے ساتھ مل کر انتظام دیکھے اور یہیں پر رہے۔“ شکور نے اسے میز ہیوں کی جانب بڑھتا دیکھ کر سیفی کا پیغام دونوں کو ہی پہنچا دیا اور وہ سن کر خاموشی سے

واپس پلٹ آئی۔

ایک ملازمہ ہی تو ہوں میں اس کی شکور کے منہ سے ادا ہونے والا حکم کا لفظ جو اس نے جلدی سے بدلا تھا کے متعلق سوچتے وہ کا کا جان کے ساتھ انتظام دیکھنے چل پڑی نہ جانے کیوں دل کو نہیں لگی تھی وہ کا کا جان کو انتظام کرتے دیکھتی رہی وہ اس سے مشورے بھی مانگ رہے تھے اور وہ انہیں جہاں ضرورت پڑتی دے بھی رہی تھی شام تک تمام انتظام مکمل ہو چکا تھا ڈھلتے سورج کی لالی میں سوئمنگ پول اور خوبصورت پھولوں سے آراستہ باغ بے حد بھلے لگ رہے تھے وہ اداس اور کھوئے کھوئے سے انداز میں منظر کو دیکھتی اندر چلی آئی ملازمین کے کھانے کا وقت ہو رہا تھا کچن کا دوسری سائیڈ کا دروازہ جو کچھلی طرف کھلتا تھا وہاں پر سب کھانا لے جانے کے لئے کھڑے تھے شکور ہی سب کو دے رہا تھا سارا نظام اتنے منظم اور اچھے طریقے سے چل رہا تھا کہ اسے کچھ بھی تبدیل کرنے کی خاص ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی اس لئے وہ سب بس خاموشی سے دیکھ اور سمجھ رہی تھی واقعی کا کا جان اپنے مالکوں سے بے حد مخلص اور ان کے وفادار تھے، مغرب کی نماز پڑھنے کی غرض سے وہ اپنے کمرے کی جانب چل پڑی تھی جہی سیفی مکمل تیاری کے ساتھ نیچے اترتا ہوا نظر آیا وہ اپنی بلیک شرٹ کے بازو پر کف لکس لگاتا ہوا تر رہا تھا فریج ہیرکٹ بال تھے شرٹ کے اگلے دو بٹن بھی کھلے ہوئے تھے جس میں گلے میں پہنی چین نمایاں نظر آرہی تھی جسم پر فوم کا بے حد چھڑکاؤ کیا گیا تھا وہ کافی تک سک سے تیار ہوا لگ رہا تھا ماہ نم نے اسے نظر انداز کر کے خاموشی سے اوپر جانا چاہا۔

”کہاں؟“ وہ اس کے سوال پر ٹھٹھکی تھی



لیکن اس کے سنجیدہ تاثرات دیکھتے ہوئے مختصراً بولی تھی۔

”نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔“

”پڑھ کر آ جانا کھانا اپنی موجودگی میں لگوانا اور بعد میں کافی بھی خود بنوا کر بھجوا دینا تمہیں آنے کی ضرورت نہیں، کافی بنانی آتی ہیں ناں؟“ اس نے محض سر اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

”پارٹی رات گئے تک چلے گئی گیٹ روم کو چیک کر لینا شاید میرے ایک دو دوست ٹھہر جائیں لاؤنج میں نی وی موجود ہے تمہیں اسے دیکھتے ہوئے اپنا وقت گزار سکتی ہو۔“ اس نے اب بھی محض سر ہی ہلایا تھا اور وہ ایک بار پھر اس کے ملگجے چلے پر نظر ڈالتا نیچے اترتا چلا گیا تھا، وہ اسے ایک ملازمہ کی طرح ٹریٹ کر رہا تھا نہ جانے کیوں اسے انسٹ کا احساس ہوا تھا حالانکہ حقیقت تو یہی تھی وہ اپنے پراگندہ خیالات کو جھٹکتی ہوئی کمرے میں چلی آئی اور پھر سب کام اس نے اپنی نگرانی میں کرادئے تھے شکور کی اور ایک دو اور ملازموں کی خوب دوڑیں لگ رہی تھیں عشاء کی نماز بھی اس نے لاؤنج میں ہی پڑی جہاں وہ پڑھ رہی تھی اس کی باتیں جانب بڑی سی فرش تک آتی گلاس ونڈو بھی جس کا رخ سوئمنگ پول کی جانب تھا کسی تیز گانے کی دھن پر جھومتے ہوئے سیفنی کی نظر اس کھڑکی کی جانب اٹھی تھی۔

”پکی مولانی ہے۔“ اس کے دل میں یہی خیال آیا تھا اور اپنی دوست بیٹا کے کسی بے تکلف مذاق پر قہقہہ لگا کر اس کا خیال جھٹک دینا چاہا۔  
صوفے پر بیٹھے بیٹھے اب اسے اونگھ آنے لگی تھی وہ رات جلدی سونے کی عادی تھی تبھی شکور کافی کا آرڈر لے کر آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک

خوبصورت سا شاپنگ بیگ بھی تھا۔

”یہ سیفنی بابا نے بھجوا دیا ہے آپ کے لئے؟“ انہوں نے اپنی دوست کے سے کہہ کر آپ کے لئے کپڑے منگوائے ہیں کہہ رہے تھے کہ اتنے دنوں سے ایک ہی جوڑا پہن رکھا ہے آپ کو ضرورت ہوگی دوپہر کو میرے سامنے ہی فون کیا تھا۔“ نان سٹاپ بولتے ہوئے شکور نے دانت نکوستے ہوئے بیگ اس کی جانب بڑھایا، اس نے خاموشی سے تھام کر وہیں قریب صوفے پر رکھ دیا اور خود کافی بنانے اٹھ گئی وہ بیگ لینے پر مجبور تھی اسے واقعی ایک جوڑے میں گزارا کرنا مشکل ہو رہا تھا، کافی وغیرہ بنا کر اس نے بھجوا دی تھی کا کا جان کب کے اپنے کمرے میں جا چکے تھے ان کا کوآٹر رکھنی کے قریب ہی تھا، گھٹنوں میں درد کی وجہ سے وہ اتنی دیر تک کام نہیں کر سکتے تھے اور ان کی طبیعت کے پیش نظر ہی سیفنی نے ماہ نم کو روک رکھا تھا ملازمین کے ساتھ مل کر اس نے کچن کا پھیلاوا سمیٹا تھا صوفیہ برتن دھو کر خشک کر کے ان کی جگہ پر رکھتی جا رہی تھی اور اپنے خاندانی قصے بھی سناتی جا رہی تھی جیسے ماہ نم غیر دلچسپی سے سن رہی تھی۔

باہر کچھ آوازیں ابھری تھیں اور پھر معدوم ہو گئی تھیں رات کافی ہو چکی تھی جبھی شکور نے آکر سیفنی کا نیا حکم سنایا تھا سب جا کر سو سکتے ہیں ماہ نم شاپنگ بیگ لے کر اپنے کمرے کی جانب چل دی تبھی اس نے سیف کو اپنے بیڈ روم میں جاتے دیکھا جو اس سے دو کمرے آگے تھا مختار صاحب تو نیچے والے کسی کمرے میں رہتے تھے وہ ہارٹ پیشڈ تھے اور میٹرھیاں چڑھنے سے پرہیز کرتے تھے اور آج تو وہ صبح سے ہی کسی میٹنگ کو اٹینڈ کرنے اسلام آباد گئے ہوئے تھے شاید کل ان کی واپسی تھی کا کا جان نے صبح ناشتے کی ٹیبل پر ان کی



غیر موجودگی کی وجہ بتائی تھی ان کی صبح پانچ بجے فلائٹ تھی وہ منہ اندھیرے ہی چلے گئے تھے بقول کا کا جان کے ان کے کاروبار کا سلسلہ کافی وسیع تھا اور اس کی دیکھ بھال میں وہ کافی مصروف رہتے تھے۔

دروازے کو اندر سے لاک لگا کر اس نے بیڈ پر بیگ کو رکھتے کھولا اور جیسے جیسے وہ کپڑوں کو باہر نکالتی چلی گئی غصے سے اس کا برا حال ہوتا چلا گیا اس بدتمیز انسان سے ایسی ہی کسی بے ہودگی کی امید کی جاسکتی تھی، اس کا دماغ کھول کر رہ گیا تھا اور دوسرے ہی لمحے وہ تن فن کرتی سیفنی کے کمرے کا دروازہ دھاڑ سے کھول کر اس کے کمرے میں موجود تھی وہ جو صوفے پر آڑھتاڑچھا بیٹھا ہوا تھا اسے دیکھ کر سیدھا ہو کر بیٹھا۔

”تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟ جاؤ یہاں سے۔“ مخمور لہجے میں وہ بولا تھا۔

”مجھے کوئی شوق نہیں تمہارے کمرے میں آنے کا، میں تمہیں تمہاری یہ بے ہودہ نوازش لوٹانے آئی ہوں۔“ اس نے بیگ کو فرش پر پھینکتے ہوئے نہایت غصہ سے کہا اور مزید بولی۔

”آئندہ میرے ساتھ اس قسم کی بدتمیزی کرنے کا سوچنا بھی مت میرے حالات مجھے یہاں پر روکے ہوئے ہیں لیکن اسے میری کمزوری سمجھنے کی غلطی کبھی مت کرنا میں کچھ اور نہ کر سکی تو اپنی جان تو دے ہی سکتی ہوں مجھے اپنی عزت اپنا وقار اپنی جان سے بڑھ کر ہے۔“ غصہ میں جو منہ میں آیا وہ بولتی چلی گئی۔

”جسٹ گیٹ آؤٹ فرام مائی روم۔“ جواب میں وہ غصے سے چلایا تھا اور ہاتھ میں پکڑی بوتل بھی سامنے دیوار کو دے ماری تھی، ماہ نیم اس کی دھاڑ کا جواب انگلی اٹھا کر دینے ہی لگی تھی وہ اس کے رد عمل سے ڈری نہیں تھی یہی

ثابت کرنے کے لئے اسے ایک دو اور کھری کھری سنانے کے لئے رکی اندر سے وہ اس کے غصے سے خائف ضرور ہوئی تھی۔

اپنی جگہ سے کس سے کس نہ ہوتا دیکھ کر وہ جو غصے میں کھڑا ہو چکا تھا ایک دو قدم لڑکھڑاتے ہوئے اپنی سرخ آنکھوں کے ساتھ اس کے قریب آیا اور اس کا بایاں بازو دبوچ کر اسے کمرے سے نکالتے ہوئے غرایا تھا۔

”نکل جاؤ میرے کمرے سے۔“

ماہ نم کو یکبارگی صورت حال کا اندازہ ہوا اور وہ فوراً اپنے کمرے میں آ کر اسے لاک لگا کر اپنے بیڈ پر آن بیٹھی تھی، ماہ نم کو سیفنی کی سرخ آنکھوں کو یاد کر کے جھرجھری آئی تھی پہلی بار اس نے کسی انسان کو نشے کی حالت میں دیکھا تھا اسے سیفنی سے نفرت محسوس ہوئی تھی اور خوف بھی نشے میں انسان اپنے حواسوں میں کب رہتا ہے پورا جانور بن جاتا ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ کچھ ایسا ویسا کر جاتا رات کے اس پہر کون تھا جو اسے بچاتا اور وہ تو پھر اس کی منکوحہ بھی تھی بے شک وہ دونوں دل سے اس کا غدی رشتے کو قبول نہیں کرتے تھے لیکن حقیقت تو یہی تھی وہ کپکپا کر رہ گئی تھی اور بیڈ کے ایک کونے میں سمٹ کر چادر سر تک تانے سونے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

نماز ادا کرنے کے بعد وہ یونہی بڑی سی گلاس ونڈو کے سامنے جا کھڑی ہوئی نرم نرم سی دودھیا سحر میں باغ کا منظر بے حد پرسکون اور دل آویز لگ رہا تھا بھی اس کی نظر جاگنگ کرتے سیفنی پر پڑی وہ ایک دم تازہ دم جاگنگ میں مصروف تھا، رات جس طرح اس نے ڈریک کر رکھی تھی اس وقت اس کے انداز سے ذرا بھی اس خمار کا شائبہ ظاہر نہیں ہو رہا تھا۔



رات کا خیال آیا تو رات والا منظر پھر اس کی یاد میں تازہ ہوا اور وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔  
نشہ تو انسان کو جانور بنادیتا ہے اچھے بھلے کی تمیز کھودیتا ہے اچھا بھلا انسان بھی، لیکن رات وہ جس طرح غصے میں بغیر سوچے سمجھے اس کے کمرے میں جا کر اسے وارن کرنے گئی تھی اس نے اس کی بدتمیزی کا کوئی بھی جواب نہیں دیا تھا بس اسے کمرے سے نکال باہر کیا حالانکہ جتنا وہ اسے جانتی تھی وہ فلرٹ اور عیاش نو جوان یہ تو اس کے لئے سنہری موقع تھا وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا تھا لیکن اس نے اس کی عزت کا مان رکھا تھا دن کی روشنی میں دل اسے سیفی کے متعلق کچھ اور ہی بتا رہا تھا دکھا رہا تھا اپنے خیالات سے گھبرا کر وہ نیچے کچن کی جانب چلی آئی سبھی لوگ اٹھ چکے تھے کا کا جان ہاتھ میں تسبیح لئے شاید کافی بنانے کا انتظام کر رہے تھے، ماہ نم آگے بڑھ کر کافی مگ میں پھینٹے لگی صفیہ اور شکور بھی آچکے تھے رات دیر تک کام کرنے کے باعث دونوں ہی تھکے اور خاموش تھے۔

”شکور، رجمو سے کہہ کر سوئمنگ پول کے پاس سے صفائی کروادو سیفی بابا نے اپنے سٹوڈیو جانا ہے وہاں کی فوراً صفائی کروادو پہلے۔“ کا کا جان نے زیر لب تسبیح کرتے ہوئے شکور کو ہدایت دی اور وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

”سیفی بابا وہیں ناشتہ کریں گے؟ کوئی نئی تصویر بنانی ہے؟“ صفیہ نے یونہی پوچھا۔

”ایک باورچی ایک مصور بھی ہے اصل میں شخص ہے کیا؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی ماہ نم پھر سیفی کے متعلق سوچنے لگی تھی۔

”سر آگئے؟“ دل کی آواز کو نظر انداز کرنے کے لئے اس نے یونہی کا کا جان سے مختار صاحب کے متعلق پوچھا۔

”نہیں، شاید دوپہر تک آجائیں۔“ کا کا جان نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا کافی تیار ہو چکی تھی۔

”شکور سیفی بابا کے کمرے میں کافی دے آؤ وہ کمرے میں جا چکے ہیں۔“ کا کا جان نے کچن میں آتے شکور سے کہا۔

”میں بھی کہوں گا کا جان سیفی بابا کی طبیعت میں یوں ٹھہر کر بیٹھنا تو نہیں ہے وہ کیسے یہاں پر رکے ہوئے ہیں پر اب سمجھا ان کا موڈ تصویریں بنانے کا ہو گا۔“ شکور نے یونہی تبصرہ کیا۔

”ہوں اور اللہ کرے کچھ دنوں تک بناتے رہیں۔“ کا کا جان نے فوراً کہا تھا چونکہ ماہ نم کو اب وہاں پر اپنے لائق کوئی کام نظر نہ آیا وہ واک کرتی ہوئی ہارس گراؤنڈ کی طرف چلی آئی اس وقت گراؤنڈ میں دو تین گھوڑے چکر لگا رہے تھے ان کی دیکھ بھال کرنے والے نوکر ساتھ تھا اسے یہ سب دیکھنا دلچسپ لگا تو وہ یونہی جنگلے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہو گئی۔

”کل میں نے ٹینا سے تمہارے لئے کچھ لیڈیز کپڑے لانے کو کہا میرا اس معاملے میں تجربہ زبرد ہے اور چونکہ وہ ایسے ہی کپڑے پہنتی ہے جسے تم ”بے ہودہ نوازش“ کہہ رہی تھی تو وہ ویسے کپڑے لے آئی غلطی شاید اس کی بھی نہیں میں نے اسے یہ کہا تھا کہ چند لیڈیز کپڑے لے آئے وہ بھی شاید میں اسے شاپنگ کا کہہ رہا ہوں تو وہ اپنی مرضی کے اپنے کپڑے خرید لائی پارٹی میں وہ مجھے کچھ کہنا تو چاہ رہی تھی مگر میرا دھیان نہیں گیا آئی تھنک وہ شاید رات یہاں Spend کرنے کا سوچ کر ٹائٹلی اور شارٹ بلوز وغیرہ لے آئی تھی۔“ اس کے قریب آ کر بلا تمہید کے وہ بولا تھا اور یوں اچانک اس کی آواز سن کر وہ اچھل ہی پڑی تھی اور اس کی بات سمجھ کر



وہ شرم سے سرخ پڑی تھی۔

سلام میں پہل کرنے پر قدرے شرمندگی محسوس کرتے ہوئے اس نے جلدی سے جواب دیا۔  
”علیکم السلام! سر میں ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟“ فارمیٹی نبھاتی تھی۔

”بالکل ٹھیک نہیں ہوں اور اس وقت تک نہیں ہوں گا جب تک آپ مجھے انکل کہنا شروع نہیں کرتیں۔“ انہوں نے قدرے گھور کر جواب دیا تھا۔

”سوری انکل۔“

”کا کا ایک کپ کافی پلا دے اور برخودار کہاں ہیں۔“ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے قریب آتے کا کا جان سے پوچھا تھا۔  
”سٹوڈیو میں۔“ انہوں نے خیر مقدمی مسکراہٹ کے ساتھ مختصر جواب دیا تھا اور انہوں نے سر ہلا دیا تھا۔

”اور بیٹا کیا ہو رہا ہے؟“ وہ پھر سے ماہ نام کی جانب متوجہ ہوئے تھے اور قریبی صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”بور ہو رہی ہوں آپ نے مجھے ایسے ہی یہاں پر خانہ پری کی جاب دی ہے کا کا جان تو بہت پہلے اور بہت عرصے سے انتظام سنبھالے ہوئے ہیں میرے لائق کوئی کام نہیں۔“ اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا وہ ان سے کافی ریلیکس ہو کر ہر پر اہلم شیئر کرنے لگی تھی۔

”تو آپ جاب مت کر دیہ تو آپ کی ضد کے آگے میں نے کہہ دیا تھا، اچھا میں آپ کو آپ کی جاب کی Requierments بتاتا ہوں۔“ وہ سیدھے ہو کر بیٹھے اور بولے۔

”یہاں پر میری ایک لائبریری ہے، آپ نے کتابیں پڑھنی ہیں وہاں، مالی کو بتانا ہے کہ آج کل کے موسم میں کون سے اپورٹڈ فلاؤرز کی پھیری لگانی چاہیے، میں جب یہاں ہوں تو اچھی سی کافی

”اپنی ویز کپڑے میں اسے بھجوا چکا ہوں اور بتا بھی چکا ہوں کیسے کپڑے چاہیے آئی ہو اب وہ ایسی کوئی بے تکی حرکت نہیں کرے گی دوپہر تک آجائیں گے چیک کر لینا۔“ وہ جس طرح سے آیا تھا پوری بات کر کے اسی طرح سے پلٹ گیا تھا اس کا رخ اپنے سٹوڈیو کی طرف تھا اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ اور بیزار ہو گیا تھا لہذا وہ دوبارہ اندر کی جانب چلی آئی تھی، ناشتہ کر کے وہ یونہی بیڈ روم میں چلی آئی تھی بھوک وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

اپنی مرضی سے کہاں اپنے سفر پہ ہم ہیں رخ ہواؤں کا جدھر کو ہے ادھر کو ہم ہیں لیکن وہ شاخ سے گرے سوکھے پتے کی مانند تمام عمر ہواؤں کے رخ پر نہیں جینا چاہتی تھی بعض اوقات اس کا بڑا دل چاہتا وہ پھپھو سے بات کرے لیکن وہ ایسا نہ کر پانی اسے ڈر نہیں تھا لیکن وہ پھپھو کے لئے کوئی مشکل کھڑی نہیں کرنا چاہتی تھی اور یقیناً وہ کڑی نگرانی میں تھیں ورنہ موقع دیکھ کر وہ خود ہی اسے فون کر لیتیں، فی الحال وہ اس بڑے سے فارم ہاؤس پر ایک سڑے ہوئے کھڑوس شخص کے ساتھ بیکار زندگی گزارنے پر مجبور تھی یہ اس کی اندر آتے ہوئے رائے تھی اس کی چال سست اور دھیمی تھی تبھی اس کے پیچھے مختار صاحب بھی داخل ہوئے۔

انہیں دیکھ کر اسے خوشگوار سی حیرت ہوئی وہ اتنے امیر کبیر اور گریس فل شخصیت تھے لیکن غرور اور اپنے اکڑد بیٹے جیسے کوئی تاثر ان کی شخصیت میں نہ تھے ہمیشہ اسے ان سے ایک پر شفقت دوستانہ تاثر ملتا تھا۔

”السلام علیکم! کیا حال ہے بیٹا؟“ ان کے

مارچ 2015

101

حصہ



دیر میں ہی شہر چلا جاؤں گا، چین سے ایک ڈیلی  
کیشن آیا ہوا ہے شام کو ان سے میٹنگ ہے بس تم  
دونوں کو دیکھنے چلا آیا تھا اور یہ آپ لے جاؤ  
انٹرنیٹ انسان کو نہ اکیلا ہونے دیتا ہے اور نہ  
بور۔“ اس نے قریب پڑے بیگ کی جانب  
اشارہ کیا جو ڈرائیور اٹھا کر لایا تھا۔

”مٹکس میں کافی بنا لاؤں آئی لائیک آسو  
کافی لیپ ٹاپ چاہیے آج کے انسان کو تنہائی  
محسوس ہونے نہ دے لیکن کافی ساتھ نہیں پی سکتا  
اور میں اکیلی کافی پینا پسند نہیں کرتی۔“ اس نے  
اٹھتے ہوئے بیگ کی جانب اشارہ کیا اور وہ اس  
کے اعتماد اور جواب پر خوش ہوئے تھے اور وہ ان  
کا دھیان بٹا گئی تھی۔

☆☆☆

وہ دوپہر کے کھانے کا مینو بنا رہی تھی جیسی  
باہر سے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی تھی اور  
پھر شکور نے بتایا کہ سیفی بابا کے کچھ کلائنٹس تھے  
تصویر لینے آئے تھے، ادھر تو وہ ایک پروفیشنل پینٹر  
تھا وہ بھی بس یونہی امیز زادوں کی طرح الٹی  
سیدھی لکریں کھینچ کر خود کو شوقیہ مصور ظاہر کرتا ہو  
گا، وہ اپنے کام میں مگن رہی تھی۔

آج اس کا سندھی بریانی بنانے کو دل چاہ  
رہا تھا صفیہ کو ساتھ لگائے وہ کچن میں مصروف تھی  
کا کا جان اور شکور فارم ہاؤس میں لگیں سبزیوں کا  
جائزہ لینے گئے تھے۔

”یہ کیا ہے سیفی بابا؟“ صفیہ نے جلدی سے  
سیفی کے بڑھے ہاتھ سے رقم لیتے ہوا پوچھا تھا۔  
”نظر نہیں آ رہا پیسے ہیں جمو کی بیٹی کی  
شادی قریب ہے یہ اسے دے آؤ پچاس ہزار ہیں  
کہنا شادی کی تیاری کرے باقی پیسے پھر دوں گا،  
شکور کو کہنا کہ بریانی میں ڈالنے کے لئے فارم  
ہاؤس سے تازہ ٹماٹر، دھنیا وغیرہ توڑ کر لائے۔“

بنا کر دینی ہے، آئی تھنک آپ کو کوکنگ پسند ہے تو  
روزانہ اچھی سی ڈش بنانی ہے میں ہوں گا تو لازمی  
اس ڈش کی تعریف ہوگی اس سٹرو سے امید مت  
رکھیے گا، یہ رہا میرا لیپ ٹاپ اس کے ذریعے  
آپ نئی ڈشز سیکھ سکتی ہیں مالی کو بتا سکتی ہیں  
پلانٹس کے بارے میں وغیرہ وغیرہ، انٹریئر  
ڈیکوریشن کیجئے، اگر مجھے ٹائم ملا تو شطرنج کھیلنے  
آتی ہے وہ کھیلے گے مل کر کہ کتنے سارے کام ہیں  
تمہارے جاب میں کرنے کے لئے کیا تم خود کو نا  
اہل ثابت کرنا چاہ رہی ہو یہ سب نہ کر کے۔“ ان  
کے شریر اور دوستانہ انداز پر وہ کھل کر مسکرائی تھی۔

”کا کا جان کافی عرصے سے اس مکان کا  
انتظام بہت اچھے طریقے سے سنبھالے ہوئے  
ہیں لیکن یہ گھر بھی ہے جب اس مکان کے درد  
دیوار کسی خاتون سے آشنا ہوں جو کہ بہت سالوں  
سے نہیں ہے۔“ آخری بات انہوں نے قدرے  
سنجیدگی سے ادا کی تھی اور وہ سیفی کی والدہ کے  
متعلق سوال کرتے کرتے رک گئی تھی، اسے یہ  
سوال قبل از وقت اور پرسنل لگا تھا جیسی سیفی بھی  
اندر آیا تھا اس کے ہاتھ مختلف رنگوں سے بھرے  
ہوئے تھے جنہیں وہ کپڑے سے صاف کرتا ہوا  
داخل ہوا تھا اور سامنے ان دونوں کو دیکھنے کے  
باوجود یکسر نظر انداز کیے وہ سیر حیاں چڑھتا چلا گیا  
تھا ماہ نم کو اس کی بدتمیزی کھلی تھی اور مختار صاحب  
کے چہرے پر ایک تاریک سایہ ابھرتا دیکھا تھا۔  
”میں اپنی نالائقی پر شرمندہ ہوں واقعی  
بہت سارے کام ہیں میرے کرنے کے لئے  
ابھی میری جاب کیا ہے کافی بناؤں یا شطرنج  
کھیلیں گے۔“ ماحول پر عجیب سا تناؤ چھایا تھا  
اس کا اثر زائل کرنے کے لئے وہ مسکرا کر بولی  
تھی۔

”کافی پلا دیں شطرنج پھر کبھی میں بس کچھ



ماہ نم اس کی گفتگو پر چونکی تھی اگرچہ اس کی طرف بیک کیے وہ اپنے کام میں مصروف تھی اور ابھی بریانی کی تیاری ابتدائی مراحل میں تھی محض چاول اور چکن اور چند مصالحہ جات دیکھ کر اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ کیا بن رہا ہے، حالانکہ یہ مرغ پلاؤ کی تیاری بھی تو ہو سکتی تھی۔

”بریانی میں ہی کیوڑہ اور چھوٹی الائچی ڈالی جاتی ہے، اف پناہ ہے اس شخص سے۔“ اس کی سوچ کو جیسے اس نے پڑھ لیا تھا یہ جملہ اسے ہی سنایا گیا تھا اور پھر وہ چلا گیا تھا۔

واقعی وہ ایک ماہر کک تھا اور کوکک کا بے حد شوقین اسے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔

”بی بی جی میں یہ ذرا رجمو کو دے آؤں۔“ صغیہ نے اسے متوجہ کیا تھا۔

”رجمو کون؟“ ماہ نم پوچھے بتا رہی تھی۔

”مالی ہے جی آپ کو سب نوکروں سے ملوایا تھا تھا اس کی بیٹی کی شادی ہونے والی ہے اور اپنے سیفی بابا ہم غریبوں کا بہت خیال رکھتے ہیں جی ہر ایک کی ضرورت کی خبر رکھتے ہیں ابھی پچھلے دنوں ڈاکٹر رائیور جی اس کے بیٹے کا اپنڈکس کا آپریشن تھا تو سارا خرچہ سیفی بابا نے اٹھایا تھا اور مہنگے ہسپتال میں علاج کروایا تھا۔“ صغیہ جھٹ سے بولی تھی۔

”تو تمہیں یہ پیسے کیوں دیئے خود کیوں نہیں دیئے رجمو کو؟“ ماہ نم کے ذہن میں ابھرنے والے سوال کو اس نے صغیہ سے پوچھا تھا۔

”خواہ مخواہ میرے سامنے شو آف کر رہا ہے مدد کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی چاہیے مگر یہ خود پسند انسان۔“ ماہ نم نے سوچا۔

”کا کا جان یا میرے ذریعے ہی دیتے ہیں انہیں کسی کو اپنے سامنے جھکا ہوا سر وہ کیا کہتے ہیں احسان مند نظر آنا اچھا نہیں لگتا شروع سے ہی

ایسا کرتے ہیں جب ان کی کوئی تصویر تک جاتی ہے تو بعض دفعہ وہ بھی ساری رقم یونہی کسی کی حاجت پوری کرنے کے لئے دے دیتے ہیں اللہ ان کو خوش رکھے ہم غریبوں کا بڑا خیال کرتے ہیں جی۔“ صغیہ نے اس کی سوچ کی نفی کرتے ہوئے بتایا تھا اور اب کی دفعہ وہ خاموش ہی رہی تھی۔

”میں جی یہ رجمو کو دے آؤں اور ٹماٹر وغیرہ بھی لے آؤں۔“ صغیہ نے اجازت طلب انداز میں پوچھا اور اس نے سر ہلا کر اجازت دے دی۔

☆☆☆

بریانی بہت لذیذ بنی تھی، اس کے ہاتھ میں بہت لذت تھی ہر کسی نے تعریف کی سوائے اس کھڑوس کے وہ خاموشی سے کھانا کھا کر اٹھ گیا تھا انکل مختار اور کا کا جان نے اس کے کھانے کی بے حد تعریف کی تھی لیکن نہ جانے کیوں وہ سیفی کی جانب سے منتظر تھی کہ وہ بریانی کے متعلق کوئی تعریفی جملہ بولے گا لیکن وہ اس سے تعریف کیوں سننا چاہتی تھی شاید وہ خود ایک کک تھا نہ جانے دل اس کی دلیل پر مطمئن کیوں نہیں ہوا تھا۔

الویشن صرف مادی چیزوں کے تو نہیں ہوتے انسان اور ان کی شخصیت کے متعلق بھی آپ کو الویشن ہو سکتے ہیں بظاہر جسے ہم جو سمجھ رہے ہوتے ہیں اصل میں وہ ہوتا نہیں سیفی کے متعلق وہ جتنا جان پائی تھی اس کی ناپسندیدگی میں نمایاں کی واقع ہوئی تھی ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کے متعلق کچھ جان کر اور قریبی مشاہدے کی بناء پر اپنی رائے تبدیل کر گئی تھی لیکن دل اس کے متعلق سوچنے لگا تھا اور اپنے احساسات سے باخبر ہو کر وہ قدرے پریشان تھی بس ایسی ہی الٹی سیدھی سوچیں سوچتے ہوئے دوپہر کو ٹیٹا کے ڈرائیور کے



ہاتھ آئے گئے شاپنگ بیگ میں سے کپڑے نکال کر دیکھے تھے اس نے چار باجی سمٹھ شلوار سوٹ تھے جدید تراش خراش کے بوتیک سے لئے گئے وہ نہایت خوبصورت، دیدہ زیب ملبوسات تھے اسے سیفی کا ڈرنک کیے ہوئے کا منظر یاد آ گیا کیسے اس نے اسے کمرے سے نکال دیا تھا وہ نفس کا غلام نہیں تھا وہ جان چکی تھی اور اس کی یہی پہلی خوبی اسے اچھی لگی تھی کپڑوں کو سمیٹ کر وہ جلدی سے سونے کے لئے لیٹ گئی تمام خیالات کو جھٹکتے ہوئے۔

☆☆☆

ایک بل کوٹھک کا تھا مگر پھر جلد ہی اپنے احساسات پر قابو پا کر ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا تھا۔

”بہت پیاری لگ رہی ہے ہماری بیٹی۔“ انکل نے اس کے ٹکمرے روپ کو سراہا تھا۔

دراصل اس نے سیفی کے منگوائے کپڑوں میں سے بوتیک کا ایک سوٹ زیب تن کر رکھا تھا یہ نیوی بیلوکلر کا سوٹ تھا جس پر مختلف رنگوں کے گلاب کے پھول کاڑھے گئے تھے اور ساتھ میں ست رنگی دوپٹہ تھا جس کو اس نے ہمیشہ کی طرح سلیپے سے سر پر جمار رکھا تھا۔

انکل کے تبصرے پر وہ جھینپی تھی اور جلدی سے ناشتے سے فارغ ہو چکی تھی چلی آئی انکل اپنے آفس چلے گئے تھے ابھی وہ دوپہر کا مینو سیٹ کر رہی تھی کا کا جان کے ساتھ مل کر جب سیفی آیا تھا بنا کچھ کہے وہ کیمیز چیک کر رہا تھا کا کا جان اب اس کی جانب متوجہ تھے۔

”شام کو کچھ دوست آرہے ہیں میرا ارادہ شیش ٹاؤک، افغانی تورمہ اور سالہ فروٹ بنانے کا ہے باری کیو کا انتظام تو لازمی ہے، ہوں مصالحہ جات تو تقریباً ہیں چند ایک چیزیں مس

ہیں میں لسٹ بنا دیتا ہوں ذاکر سے کہیے سامان لے آئے اور ذرا شام کو سٹوڈیو کے پاس ہی دعوت کا انتظام کروا دیجئے گا میں ذرا کارلس کو دیکھنے جا رہا ہوں۔“ مڑ کر اس نے کا کا جان کو مخاطب کرتے ہوئے سب کہا تھا اور وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چلے گئے تھے۔

”یاد آیا موروں کو ویکسین کروادی گئی ہے اور ہرن کا پنجرہ اپنی موجودگی میں صاف کروائے مجھے صاف نہیں لگا۔“ سوال کے ساتھ ایک اور ہدایت ملی تھی۔

”جی سیفی بابا کل ہی کردائی ہے اور صفائی میں کروادوں گا۔“ کا کا جان جلدی سے بولے تھے۔

”تھینک یو کا کا جان۔“ وہ ان کو بہت احترام دیتا تھا۔

”شکور! کوکنگ میں خود کروں گا۔“ پہرے کے بعد آج کچن کی تفصیلی صفائی کر لینا۔“ قدرے پرے کھڑے شکور کو بھی ہدایت جاری کی گئی تھی اور پھر وہ پلٹ گیا۔

نہ جانے ماہ نم کو اپنا یوں اگنور ہونا اچھا نہیں لگا تھا بد دل سی ہو کر وہ لائبریری چلی آئی تھی اور اتنی معلوماتی اور نایاب کتابیں دیکھ کر چھائی بیزاری اڑ چھو ہو گئی تھی ”رجی گدھ“ کو شیلف سے نکال کر پڑھنے میں محو ہو چکی تھی اور پھر وہ کتاب پڑھنے میں ایسی مگن ہوئی کہ وقت گزرنے کا خیال ہی نہ رہا ناول اتنا خوبصورت اور جاندار تھا اور پھر تخیل کی پرواز بے حد بلند ہونے کے باوجود زمین سے جڑی ہوئی تھی وہ پڑھنے میں مگن تھی جب کوئی تیزی سے لائبریری میں داخل ہوا تھا اور وہ جو آرام دہ حالت میں بیٹھی ہوئی تھی سامنے اسے دیکھ کر تیزی سے کھڑی ہوئی تھی۔

چند بے پرواہ لٹیں چہرے کا احاطہ کیے



ہوئے لمبی موٹی چوٹی بائیں کندھے سے آگے جھولتی ہوئی اس کے لاپرواہ حسن کو بڑھاوا دے رہی تھیں۔

”اوہ مجھے علم نہیں تھا کہ آپ یہاں پر ہیں۔“ اس کی بوکھلاہٹ دیکھ کر شاید اس نے تبصرہ کیا تھا اور کتابوں کی جانب بڑھ گیا تھا۔

اور وہ کتاب ہاتھ میں پکڑے خاموشی سے باہر نکل گئی تھی سیفی نے مڑ کر اسے باہر جاتے دیکھا اور اپنی مطلوبہ کتاب ہاتھ میں پکڑے اسی کرسی پر آن بیٹھا اس کی ہلکی سی گرمائش نے چند لمحے کسی اور وجود کے یہاں ہونے کا احساس دلایا تھا اور نہ جانے کیوں سیفی کے لبوں پر دھیمی سی مسکان ابھری تھی۔

کا کا جان نے اطلاع دی تھی کہ انکل مختار میننگ اینڈ کرنے کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہیں کام کچھ خاص نہیں تھا وہ اپنے کمرے میں چلی آئی اور کتاب پڑھتے پڑھتے ہی سو گئی رات پارٹی کیسی رہی اور سیفی نے کچن میں کیا کک کیا اس کے بارے میں جانتا اس کے لئے ضروری نہیں تھا صبح اٹھ کر فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ اپنے معمول کے مطابق کچن میں چلی آئی جہاں پر صرف صفیہ موجود تھی۔

”بائی سب کہاں ہیں؟“

”سیفی بابا تو، باہر ورزش کر رہے ہیں دیر سے سوئے تھے تو دیر سے ہی اٹھے شاید سوئمنگ کر رہے ہیں شکور بھی وہیں ہے۔“ صفیہ نے دانت نکالتے اس کے سوال کا جواب دیا اور سوئمنگ کو اپنے لہجے میں ادا کیا۔

”میں نے کا کا جان کے متعلق پوچھا ہے۔“ ماہ نم نے سنجیدہ تاثرات سے کہا۔

”وہ تو جی سیفی بابا کے کچھ دوست گیسٹ روم میں ٹھہرے ہیں شاید ادھر ہی ہوں گے رات

دیر تک پارٹی چلی سب نے پی کر خوب شور مچایا تو بہ جی تو بہ بابا تو خود اتنے اچھے ہیں مگر ان کے دوست تو بہ سب آوارہ لفنگے اور چھپورے ہیں۔“

”مہمانوں کے لئے بھی ناشتہ بنے گا اس کی تیاری کر لو۔“ اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے ماہ نم نے کہا تھا۔

”مہمان کتنے جی ایک لڑکی ہے جو ادھر ہے اور ایک شاید سیفی بابا کا دوست ہے جو سٹوڈیو میں ٹھہرا ہے آپ کے ہوتے وہ اپنے دوستوں کو گھر کے اندر آنے کی اجازت نہیں دیں گے بھی تو پارٹی اب باہر سٹوڈیو کے پاس ہوتی ہے ورنہ تو یہاں گھر میں ہی خوب ہلاکلو ہوتا تھا جی۔“ صفیہ کو بہت زیادہ بولنے اور ہر قسم کی معلومات دینے کا بے حد شوق تھا۔

”سیفی اور اس قسم کی اخلاقی قدریں؟“ وہ طنزیہ انداز میں سوچ رہی تھی۔

”کوئی شک؟“ اب کے دل نے جواب دیا تھا۔

”ہوں۔“ مختصر جواب دیتی وہ باہر نکلی تھی جہی ایک لڑکی کسی کمرے سے برآمد ہو کر اس کی جانب آتی نظر آئی چونکہ وہ اسے دیکھ چکی تھی اور اسی کی جانب آرہی تھی جہی ماہ نم کو رکنا پڑا۔

”اے سنو، ایک کپ کانی بنا دو؟“ وہ شاید

اسے کوئی ملازمہ سمجھ رہی تھی انداز کانی استحقاق بھرے تھے اور حلیہ قابل اعتراض اسٹریٹنگ کے کھلے بے ترتیب بال سلویس ٹاپ اور باریک بلیک ٹائٹس پہنے اپنے ہر اعضاء کو نمایاں کیے ہوئے تھی ٹاپ کا گلہ آگے پیچھے سے کانی کھلاتا تھا اس کا حلیہ دیکھ کر ماہ نم نظریں جھکا گئی تھی، وہ جان چکی تھی کہ رات جو سیفی کے دوست یہاں رک گئے تھے یہ ان میں سے ایک ہے ماہ نم اس لڑکی کو سیفی کی دوست کے روپ میں دیکھ کر ایک بار پھر



اس کے متعلق اچھی رائے قائم کرتے کرتے رہ گئی تھی۔

”تم کون ہو؟ ہاے یہ ڈریس تو میں نے سیفی کے کہنے پر پہنوائے تھے داؤدہ اپنی ملازموں کے لئے بھی ایسی شاپنگ کرتا ہے۔“ قدرے لڑکھڑاتے ہوئے اس نے کہا تھا وہ شاید ابھی بھی پوری طرح اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔

”یہ جی سیفی بابا کی بیوی ہیں چند دن پہلے ہی سادگی سے نکاح ہوا ہے بڑے صاحب کی بھانجی ہیں رخصتی ابھی نہیں ہوئی ہے خوب دھوم دھڑکے سے رخصتی ہوگی پھر آپ سب لوگ دعوت میں بلائے جائیں گے۔“ صفیہ جوان کی آوازیں سن کر پاپس چلی آئی تھی ماہ نم کو ملازمہ کہہ دینا بہت برا لگتا تھا بھی جھٹ بولی تھی اور ماہ نم اس کی جلد بازی پر بس اسے گھور کر رہ گئی تھی۔

”واٹ؟ تمہارا دماغ ٹھیک ہے سیفی نے شادی کر لی وہ بھی اس مولانی سے؟“ سر پر سلیقے سے اوڑھے دوپٹے کو نشانہ بناتے وہ چلائی تھی، اسے اس خبر نے اچھا خاصا شاک لگایا تھا مندی مندی آنکھیں حد سے زیادہ کھل چکی تھیں۔

”وہ تو شادی کے نام سے بھاگتا تھا، میں الو کی پنٹھی دو سال سے اس کے پیچھے خوار ہو رہی ہوں۔“

”سیفی سیفی یہ نوکرانی کیا بکواس کر رہی ہے؟ یہ مڈل کلاس کی لڑکی تمہاری وائف ہے، تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو، دو سال سے تمہارے پیچھے خوار ہو رہی ہوں، ہر بہترین رشتہ ٹھکرا کر تمہاری منتیں کر رہی ہوں کہ مجھ سے شادی کر لو مگر تمہارا ایک ہی جواب کہ عورت ذات پر اعتبار نہیں بس دوستی کی حد تک ٹھیک ہے شادی نہیں کبھی نہیں اور اب اس سے شادی ادھ آئی گوٹ اٹ، تم نے ڈریک کی ہوگی اور اس نے

تمہیں پھنسا لیا ہوگا، پھر بلیک میل کر کے نکاح کروالیا ہوگا، شکل سے ہی گھنی لگ رہی ہے، مگر تم تو ڈریک میں بھی حواس نہیں کھوتے کتنی بار اس موقع کا فائدہ اٹھانا چاہا تمہاری قربت حاصل کرنا چاہی تم ہر بار دامن بچا گئے اور اب شادی آئی کانٹ بلیواٹ۔“ ایک ڈریک کا اثر اوپر سے صفیہ کے منہ سے ماہ نم کا تعارف سن کر وہ لڑکی تو گویا صدمے اور حیرت سے یاگل ہو گئی تھی سیفی جو ٹاول کندھے پر رکھے محض لونگ نیکر میں اندر آ رہا تھا اسے دیکھتے ہوئے اول فول بکتی چلی گئی۔

”جسٹ شٹ اپ ٹیٹا، کیا بکواس کر رہی ہو شی از مائی وائف اور میں نے پورے ہوش و حواس کے ساتھ اس سے نکاح کیا ہے اور اس نے کبھی اپنی نسوانیت کی تذلیل کر کے کسی بھی طرح میری قربت حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور یہ مجھے اسی حلیے میں دل و جان سے قبول ہے اور اب میں تمہارا منہ توڑ دوں گا اگر تم نے ایک لفظ بھی مزید میری بیوی کے متعلق کہا کا کا جان سلیمان سٹوڈنٹو میں ٹھہر ہوا ہے اسے کہیے اسے ابھی اور اسی وقت یہاں سے لے کر چلا جائے۔“ سیفی نے ماہ نم کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے غراتے ہوئے کہا تھا، ماہ نم اس سارے ہنگامے پر حیران پریشان کھڑی رہ گئی تھی۔

”اور اب میں تمہاری شاپنگ کیے کپڑے بھی اپنی بیوی کے تن پر دیکھنا پسند نہیں کروں گا۔“ آخری جملے پر زور دیتے ہوئے وہ بولا تھا۔

”اس انسٹ کو میں بھولوں گی نہیں آئی دل ناٹ فار گیٹ دس۔“ وہ چلائی تھی۔

”جسٹ گیٹ لاسٹ صفیہ باہر کا راستہ دکھاؤ۔“

کا کا جان تو پہلے ہی باہر نکل گئے تھے سیفی کے کہنے پر۔



اس کی بے ہودہ باتیں سن کر ماہ نم کو لگا جیسے وہ جھلستی دھوپ میں کھڑی تھی اور پھر سیفی اس کے آگے آن کھڑا ہوا اور اسے سائے کا احساس ہوا تھا اس کے توانا وجود سے وہ نظریں چرا گئی تھی۔

”گندے ہاتھ مت لگانا مجھے یو.....!“  
صفیہ کو گالی دیتی وہ لڑکی لڑکھڑاتی ہوئی باہر چلی گئی اور سیفی دھپ دھپ دو دو سیڑھیاں پھلانگتا اپنے کمرے کی جانب چلا گیا وہ جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی وجود کا بوجھ اٹھانا مشکل ہو رہا تھا قریبی صوفے پر وہ بے جان سے ہو کر ڈھے گئی کتنے گھٹیا الزام لگائے تھے اس بے ہودہ لڑکی نے۔

”آپ وہ کپڑے صفیہ کو دے دیجئے گا آپ کے لئے میں خود شاپنگ کر کے آتا ہوں۔“  
آنسوؤں سے لریز ماہ نم کی بادامی آنکھیں دیکھ کر وہ قریب آ کر بولا لباس تبدیل ہو چکا تھا بلیو جینز پر سفیدی شرٹ پہنے اور ہاتھ میں کار کی چابی تھی۔  
”سیفی بابا بڑے صاحب نے ابھی آپ کو باہر آنے جانے سے منع کیا ہے۔“ شکور نے ڈرتے ڈرتے حالات کی سنگینی سے آگاہ کرنا چاہا ماہ نم اب بھی دکھ کے زیر اثر خاموش بیٹھی رہی تھی۔

”شٹ تمہیں یا تمہارے بڑے صاحب کو لگتا ہے کہ میں اس چوہے دان میں دشمن کے ڈر سے بیٹھا رہوں۔“ سیفی شکور پر الٹ پڑا اور تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔

”کا کا جان سیفی بابا چلے گئے ہیں میں نے روکنا چاہا لیکن وہ بہت غصے میں تھے۔“ شکور نے کا کا جان کو دیکھتے ہی اطلاع دی اور کا کا جان بے حد پریشان ہو گئے۔

”شکور گارڈ سے کہو فوراً سیفی بابا کے پیچھے جائیں۔“ انہوں نے فوراً شکور کو دوڑایا اور خود پریشان سے اندر چلے آئے پھر وہ مختار صاحب کو

فون کر کے ساری صورت حال سے آگاہ کرنے لگے۔

”جی اچھا؟“ فون رکھتے ہوئے وہ بولے تھے۔

”بڑے صاحب میٹنگ نمٹا کر آ چکے ہیں اور اب ادھر آ رہے ہیں اللہ کرے سیفی بابا انہیں راستے میں ہی مل جائیں اور ان کی بات مان کر واپس آ جائیں۔“

”دشمن کے شر سے بچانا میرے مولا وہ لوگ گھات لگائے ہو گئے میں جانتا تھا اور زیادہ دن یہاں رکے گئے نہیں ایک تو میٹنگ کی مصروفیت اور پھر وہ بیٹیا کی پریشانی کے خیال سے یہاں پر تھے ورنہ جتنا گرم خون ان کا ہے کسی سے ڈر کر وہ یوں بیٹھنے والے نہیں۔“ کا کا جان ٹپکتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔

ماہ نم کے چند لمحوں کے لئے صدمے سے اس کے حواس مفلوج ہو کر رہ گئے تھے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا جیسی لاؤنج میں پڑا فون چنگھاڑا تھا نہ جانے کیوں اس کی آواز بڑی منحوس لگی وہ ابھی تک صوفے پر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی کا کا جان نے فوراً ریسور اٹھایا تھا اور پھر ان کے خدشات کی تصدیق ہو گئی ریسور چھوٹتے چھوٹتے بجا تھا ان کے ہاتھ، چہرے کی رنگت یکدم سفید پڑ گئی تھی۔

”جی ہم آ رہے ہیں۔“ بس یہی سرسراتی آواز برآمد ہوئی تھی ان کے منہ سے۔

”بیٹیا رانی! بڑے صاحب کا فون تھا، سیفی بابا کو گولیاں لگی ہیں ہمیں فوراً شہر ہسپتال روانہ ہونا ہے۔“ کا کا جان نے ماہ نم کے قریب آ کر اطلاع دی تھی ان کی آواز گلو کیر تھی اور ماہ نم گھبرا کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسے اپنی جان جسم سے نکلتی محسوس ہوئی تھی مگر کیوں؟ اس کا



جواب سوچنے اور دینے کا وقت نہیں تھا وہ لوگ اسی وقت گاڑی میں روانہ ہو گئے تھے، پیچھے گاڑی کی گاڑی بھی تھی تمام راستے کا جان اور ماہ نم کے لبوں پر سیفی بابا کی جان بچنے کی دعائیں رہی تھیں گولیاں کس نے چلاوا میں ہیں وہ بہت اچھی طرح سے جانتی تھی۔

☆☆☆

یہ ایک چھوٹا سا پرائیویٹ ہسپتال تھا لیکن اندر سے تمام جدید سہولیات سے آراستہ تھا آپریشن تھیٹر کے باہر مختار صاحب بھی مل گئے جن کے چہرے پر زردی کھنڈی ہوئی تھی اور وہ صدیوں کے بیمار نظر آ رہے تھے۔

”پانچ گولیاں لگی ہیں آپریشن ہو رہا ہے۔“ ان کے قریب آنے پر ہو بس اتنا ہی بول پائے تھے، ماہ نم کا دل دھڑکنا بھول گیا ایک ہل کو وہ ان سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہی تھی آج ان کا بیٹا موت و زیست کی کش مکش میں اس کی وجہ سے تھا، سبھی ایک انسپکٹر ان کی جانب آیا تھا اور حادثے کے متعلق تفتیش کرنے لگا تھا۔

”انسپکٹر صاحب مجھے کسی پر شک نہیں،

دیے بھی یہ ایک اتفاقی حادثہ ہے سیفی شکار پر لے جانے والی اپنی بندوق صاف کر رہا تھا اس بات سے بے خبر کہ وہ لوڈڈ ہے بس پھر نہ جانے کیا ہوا کہ گولیاں چلتی چلی گئیں۔“ مختار صاحب نے انسپکٹر کے سوالات کے جواب میں یہ کہہ کر ماہ نم کو حیران پریشان کر ڈالا تھا وہ سب جانتے تھے کہ یہ گولیاں چچا اختیار نے ہی سیفی کو جان سے مارنے کے لئے چلوائیں ہیں لیکن اس پر شک تو کیا انہوں نے سرے سے ہی بیان بدل ڈالا تھا وہ اتنے اثر و رسوخ والے تھے کہ بڑی آسانی کے ساتھ اس کیس کو پایہ تکمیل پہنچا کر چچا کو سزا دلوا سکتے تھے مگر وہ تو کچھ اور ہی کہہ رہے تھے ماہ نم کو

بالکل سمجھ نہ آیا آخر کیوں۔

”لیکن سر!“ انسپکٹر نے کچھ کہنا چاہا۔

”آپ کو جو بھی لگے ان سب سے بالاتر

اسے حادثہ ہی سمجھا جائے اور بس اور یقیناً آپ یہ کام باخوبی کریں گے۔“ مختار صاحب نے بارعب انداز میں کہا اور جو وہ سمجھانا چاہ رہے تھے انسپکٹر سمجھ گیا تھا یقیناً وہ ان سے اچھی طرح واقف تھا جبھی اتنے مودب انداز میں پیش آ رہا تھا۔

”جی سر میں سمجھ گیا ہوں ہو جائے گا بس

جب سیفی بابا صاحب ہوش میں آئیں گے ان کا بیان ریکارڈ کر کے یہ کیس ختم کر دیا جائے گا۔“ انسپکٹر یہ بات کہہ کر ان سے ہاتھ ملا کر چلتا ہوا تھا۔

”انکل آپ نے اصل بات کیوں چھپائی؟“ ماہ نم پوچھے بتا رہا نہ پائی تھی۔

”میں جانتی ہوں بلکہ ہم سب جانتے ہیں یہ کام چچا کے سوا کسی کا نہیں میں ان کے خلاف گواہی میں دوں گی لیکن یوں کر کے تو ہم انہیں اور شیر کر دیں گے وہ ہمیں کمزور سمجھ کر اور شہ پا جائیں گے۔“ وہ مزید بولی تھی وہ بے حد مضطرب تھی۔

”میں نے کسی وجہ سے یہ سب کہا ہے تھانہ،

عدالت اور پھر میڈیا اس بات کو بہت اچھا لیں گے ان کے ہاتھ چند دن کمانے کا بہترین ذریعہ نکل آئیں گے اور میں اپنے گھر کی عزت اور تمہیں رسوا نہیں کر سکتا سیفی بھی ایسا ہرگز نہیں چاہے گا اور فی الحال تمہارے چچا شیر ہوئے ہیں یا نہیں میں ابھی اس بات کو سوچ نہیں پا رہا بس میرا سیفی بچ جائے پھر دیکھیں گے تم فکر مت کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ آخر میں اس کے سر پر دست شفقت رکھتے ہوئے انہوں نے کہا تھا اور اس نے خود کو ان کے ایک اور احسان کے تلے دبے محسوس کیا تھا اس کی آنکھیں پھر سے اشکبار



ہوا انھی تھیں۔

وہ تینوں کافی دیر آپریشن تھیر کے قریب رکھے صوفوں پر سے ایک پر خاموش بیٹھے تھے وقت کچھوے کی چال چلتا ہوا ان کے اضطراب میں اضافہ کر رہا تھا ہسپتال میں اپنی نوعیت کی گہما گہما بھی تھی نرسز، ڈاکٹرز اور مریضوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا لیکن وہ تینوں نے جیسے قدرت کے ریموٹ سے شاپ کر دیئے گئے تھے سوائے آنکھوں کے جن سے وقتاً فوقتاً آنسو رواں تھے کا کا جان اور مختار صاحب کی تو سمجھ آتی تھی لیکن ماہ نم کا بھی پورا وجود آنسو بن چکا تھا اتنے تکلیف دہ ماحول میں دل پر ہونے والی واردات نے اسے گم صمم کر دیا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان چاہا شخص اس کی چاہت بن گیا تھا دل کے انکشاف نے اسے حیران پریشان کر ڈالا تھا اور اب دل اس کے جدا ہونے کے خوف سے سہا ہوا تھا۔

وقت نہ جانے کتنا گزر چکا تھا جب ڈاکٹر صدیقی آپریشن تھیر سے نکلے تھے مختار صاحب بے اختیار اٹھ کر ان کی جانب آئے تھے۔

”گولیاں نکال دی گئیں ہیں لیکن خون بہت زیادہ بہہ چکا ہے اور زخم بھی کافی گہرے ہیں یہ بارہ گھنٹے بہت اہم ہیں بارہ گھنٹے کے اندر اگر لمبے ہوش آ جاتا ہے تو ہم اس کی زندگی کی امید کر سکتے ہیں دوا کا کام ہو چکا ہے اب دعا کیجئے یا اللہ سے دعا کرو انشاء اللہ وہ کرم کرے گا۔“ صدیقی صاحب نے مختار صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

”ابھی کچھ دیر بعد اسے آئی سی یو میں شفٹ کر دیا جائے گا کافی الحال آپ لوگ اسے باہر سے دیکھ سکتے ہیں پھر باری باری جائیے گا لیکن ابھی نہیں۔“ تسلی دیتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے۔

مختار صاحب کی ٹانگوں نے جواب دے دیا

تھا کا کا جان جو خود بھی بے جان ہوئے تھے ہاتھ تمام کر صوفے پر آن بیٹھے تھے۔

”میں راستے میں تھا جب (اختر باڈی گارڈ) کا فون آیا کہ سینٹی کی گاڑی پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی ہے وہ چونکہ تھوڑی دیر سے نکلے تھے اس لئے ان کی گاڑی قدرے پیچھے تھی ان کے پہنچنے تک دشمن اہنہ دار کر کے فرار ہو چکا تھا یہ ایک غیر آباد جگہ تھی یقیناً وہ لوگ اس کا پیچھا کر رہے تھے میں نے ہی اختر کو صدیقی کے ہسپتال پہنچنے کا کہا یہ میرا بہت اچھا دوست ہے میرے پہنچنے تک آپریشن شروع ہو چکا تھا، کا کا جان اگر اسے کچھ ہو گیا تو میں زندہ نہیں رہ پاؤں گا۔“ مختار صاحب بتاتے ہوئے آخر میں رو پڑے۔

”کچھ نہیں ہو گا اسے وہ ضدی ہے لیکن اس کا دل بڑا نرم ہے ہمیں یوں چھوڑ کر نہیں جاسکتا ہے جانتا ہوں میں اپنے سینٹی بابا کو اللہ کرم کرے گا۔“ کا کا جان گلوگیر سے بولے تھے اور ماہ نم تو بس چپ چاپ بیٹھی رہ گئی تھی۔

”انکل یہ سب میری وجہ سے.....“

”نہ بچے نہ تقدیر کے لکھے کو کبھی اپنے کھاتے میں نہیں ڈالتے بس تم اس کے لئے دعا کرو، میں تمہیں کبھی قصور دار نہیں سمجھتا اور نہ سمجھوں گا ایسے مت سوچو۔“ وہ فوراً اس کی بات کاٹ کر بولے تھے، باری باری جا کر وہ اسے آئی سی یو میں دیکھ آئے تھے، ماہ نم میں ہمت نہیں تھی اس کا سامنا کرنے کی، اس جھگڑالو، ضدی اور خود سر انسان کو یوں بے بس، بے خبر دیکھنے کا، نہ جانے وہ اس کا سامنا نہیں کر پار ہی تھی، یا پھر خود کا سامنا کرنے سے بچنا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

”وہ تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔“ ان کے جملے نے ماہ نم کو چونکا دیا تھا، بے یقین نظروں



سے اس نے دیکھا تھا شاید اسے سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

”یہی سچ ہے بیٹا وہ تم سے بہت پہلے سے محبت کرتا ہے تم وہ واحد عورت ذات ہو جسے اس نے دل سے چاہا ہے اور اس چاہت کو اپنے دل میں چھپا کر رکھا ہے لیکن عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتے۔“ مختار صاحب بے حد اپ سیٹ تھے صوفے پر بیٹھے افسردگی سے بولے تھے کا کا جان ان کے لئے چائے لینے گئے تھے رات کا دوسرا پہر شروع ہو چکا تھا گہما گہما میں کافی کمی واقع ہو چکی تھی وہ جو دل میں اس کی زندگی کے لئے د کو بھی مختار صاحب کے منہ سے ادا ہونے والا جلوں پر ساکت اور بے یقین سی بیٹھی تھی۔

”ایک رات وہ حد سے زیادہ ڈرنک کیے گھر آیا میں اور کا کا وہیں موجود تھے جب وہ سیدھا کچن گیا اور چھری سے اپنے ہاتھ پر کٹ لگانے لگا اس پر عجیب سا جنون طاری تھا ہر کٹ پر بس وہ یہی بڑبڑا رہا تھا کہ یہ ہاتھ اس پر اٹھا کیسے میں نے سب کے سامنے اس کے نازک گال پر تھپڑ کیسے دے مارا میں نے اور کا کا جان نے اسے بڑی مشکل سے قابو کیا تھا حواس کھوتے کھوتے بھی بس وہ یہی کہے جا رہا تھا کہ آئی لو یو ماہ آئی جسٹ لو ماہ نم۔

ہم دونوں نے بھول کر بھی اس سے اس بات کا ذکر نہیں کیا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ وہ اپنے خول میں سمٹ نہ جائے محبت سے منکر نہ ہو جائے، پھر اس رات تم دونوں سے اچانک فارم ہاؤس پر ملاقات ہوئی تمہاری آپ بیتی سنی اور میں نے آنا نانا تم دونوں کا نکاح کر دینے کا فیصلہ کیا اس سے بہترین موقع شاید نہ ملتا ورنہ وہ تو کبھی بھی شادی نہ کرتا اس رات اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر وہ محض عاصم کا احسان

اتارنے تمہیں لینے گیا تھا شہر والی کوٹھی میں جو نوکر رہتا ہے اس نے بتایا تھا کہ مجھے کہ کسی کا فون آیا جس پر سیفی بابا نے پہلے انکار کیا اور پھر ایک دم زور سے بولے ”کیا ماہ نم انتظار کر رہی ہے؟ اور پھر تمہاری پریشانی میں ہی وہ تمہیں لینے گیا تھا حالانکہ اس وقت تمہارے انکار پر اس کی جو حالت ہو گئی وہ اس نے کبھی ظاہر نہیں ہونے دی، تمہارے سے زیادہ میں نے اس کے گرد گھیرا تنگ کیا اور نکاح کے بعد بھی تمہیں وہیں فارم ہاؤس پر رہنے کی تجویز دی یہ اس کی محبت ہی ہے جو تمہاری فکر میں اتنے دنوں سے فارم ہاؤس پر نکا ہوا تھا ورنہ بزدلوں کی طرح گھر میں چھپنے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا وہ تمہیں چاہتا ہے، تمہاری فکر کرتا ہے لیکن اس کا اعتراف وہ کبھی نہیں کرے گا، پلیز بیٹا اسے روک لو میری تو وہ کبھی نہیں سنتا لیکن تمہاری پکار اسے روک لے گی۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے اور ماہ نم کے آنسو بھی تیزی سے بہنے لگے تھے آج شاک کا دن تھا انکشافات کا دن تھا دل کے اقرار نے اسے حیران کر ڈالا تھا اور اب انکل مختار کے انکشاف نے بے یقین حیرت سے دو چار کر دیا تھا۔

کا کا جان چائے لے آئے تھے لیکن ماہ نم کا دل کسی بھی کھانے پینے کی چیز دیکھنے کو بھی نہیں چاہ رہا تھا ڈاکٹر صدیقی راؤنڈ پر تھے خاص طور پر سیفی کی کنڈیشن چیک کرنے آئے تھے لیکن ان کے چہرے پر چھائی سنجیدگی ان تینوں کو کوئی آس دلانہ پالی تھی۔

☆☆☆

وہ ڈرتی ڈرتی اس کے کمرے میں آئی تھی اور اس حالت میں اسے دیکھ کر اس کا دل کٹا تھا۔ ”تم تو غصہ کرتے، اکڑتے ہی اچھے لگتے ہو یوں بے جان سے بالکل اچھے نہیں لگ



رہے۔“ اس کے بیڈ کے قریب آ کر وہ دل میں اسے مخاطب ہوئی تھی۔

”اور یہ مجھے اسی حلیے میں دل و جاں سے قبول ہے۔“ ماتھے تک ہر وقت لپیٹے رہنے دوپٹے کی وجہ سے ٹیٹا نے اسے ملانی کہتے ہوئے طنز کیا تھا جس کا جواب اس نے دیا تھا، وہ جان ہی نہ پائی کہ وہ سب کے سامنے اس سے اعتراف محبت کر رہا ہے، آئی سی یو میں اسے بیڈ پر بے ہوش لیٹے دیکھ کر وہ بس اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔

”میں تمہارا منہ توڑ دوں گا اگر تم نے میری بیوی کے متعلق اب کوئی اور گھٹیا بات کہی۔“ ایک اور جملہ یادداشت میں گونجا۔

”میری بیوی۔“ کتنا واضح اقرار کیا تھا اس نے ان دونوں کے رشتے کا کیوں نہ وہ سمجھ پائی کیوں نہ وہ جان پائی۔

کھنی موچھوں تلے گلابی ہونٹ جو اب سفید ہو چکے تھے دیکھتے ہوئے اس نے خود کو کوسا تھا۔

اس کے دونوں بازوؤں پر ڈرپس لگی ہوئی تھیں سانس کا زیر و بم بے حد آہستہ تھا اسے وحشت ہونے لگی تھی اس پورے ماحول سے۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑے جائے نماز کو بچھا کر وہ اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہو گئی تھی۔

”اے اللہ میرے شوہر کو زندگی عطا فرما دے لوٹا دے اسے مجھے میں وعدہ کرتی ہوں مرتے دم تک اسے چھوڑ کر نہ جاؤں گی اپنی محبت کے لئے اس کی محبت کے لئے جو تم نے ہم دونوں کے دلوں میں ڈالی ہے بدل ڈالوں گی اسے تیرے حکم سے تیرے فضل سے بس ایک بار اسے واپس لوٹا دے میرا شوہر مجھے واپس کر دے میں نادان تھی جو تیرے اتنے مضبوط بندھن کے بیچ

معنی نہ جان پائی تو نے ہر مشکل سے مجھے نکالا ہے میں نے ہی تجھ سے دعا کی تھی کہ مجھے تیرے غلط ہاتھوں میں نہ سونپنا اور تو نے میری سنی بھی تو اس بزدل کی جگہ تو نے سیفی کو میرا ضامن بنا کر بھیجا مالک اب بھی میری فریاد سن لے ہم نے تو ابھی سفر کا آغاز بھی نہیں کیا اور راستہ میں چھوڑ کر جا رہا ہے میری فریاد سن میرا مولا اسے زندگی عطا کر دے۔“ ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے اس کے ہاتھ دعا کے لئے بلند تھے اور وہ بس دعا کیے چلی جا رہی تھی اسے اپنی ہوش نہیں تھی نہ جانے کتنا وقت بیت گیا جب کسی نے نرمی سے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے اس کی زندگی کی نوید سنائی تھی۔

”اسے ہوش آ گیا ہے تمہاری دعائیں قبول کر لی گئیں ہیں۔“ اشکبار نظروں سے اس نے مختار انکل کو دیکھا اور ایک بار شکرانہ بجالانے کے لئے وہ سجدہ ریز ہو گئی تھی، زندگی بدل گئی تھی زندگی کا مفہوم بدل گیا تھا اب دونوں کے لئے۔

☆☆☆

”جاسکتی ہو تم مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہمدردی کی تو بالکل نہیں۔“

”یہ ہمدردی نہیں میرا فرض ہے۔“ وہ تحمل مزاجی میں بولی تھی، دل میں آیا تھا کہ کہہ دے کہ یہ ہمدردی نہیں چاہت ہے، وہ اسے چاہنے لگی تھی اور اس کا یا پلٹ کا ذمہ دار تو بس رب کائنات ہی تھا جس نے اس کے دل میں سیفی کے لئے محبت کا بیج بو دیا تھا لیکن یوں اچانک اظہار اور رشتے کو قبول کرنا وہ بھی ایسی حالت میں سیفی کبھی دل سے قبول نہیں کرے گا، اسے پہلے آشنائی پھر دوستی اعتماد اور پھر محبت کا رشتہ استوار کرنا ہو گا سو اللہ کا نام لے کر اس نے اپنی اصل منزل کی جانب پہلا قدم بڑھا دیا تھا۔



تقریباً ایک ہفتے بعد اسے اس کی ضد پر ڈسچارج کر دیا گیا تھا اور اس کی ضد پر ہی اسے فارم ہاؤس پر ہی لایا گیا تھا خود سر اور ضدی تو وہ تھا ہی اب چڑچڑاہی ہو رہا تھا وہ تو اپنے کمرے میں ہی بالائی منزل پر جانے کو بضد تھا تبھی ماہ نم کو مداخلت کرنا پڑی تھی کہ نیچے کا گیٹ روم کھلوا دیا جائے انکل مختار نے میل نرس رکھنے کی بات کی تھی کیونکہ دو گولیاں اس کے دائیں بازو ایک کو لہے کے پاس اور دو پسلیوں میں لگی تھیں وہ ہلنے چلنے تک سے عاری تھا اور پھر خون بہہ جانے کے باعث بے حد نقاہت بھی تھی لیکن ماہ نم نے پر اعتماد انداز میں منع کر دیا تھا کہ اس کی ضرورت نہیں کا کا جان وہ اور بہت سے نوکر ہیں اس کا خیال رکھنے کو انکل اس کی بات کو سمجھ گئے تھے جبکہ سیفی نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا تھا۔

”کا کا جان کہاں ہیں میری دیکھ بھال وہ خود کیا کریں۔“ ماہ نم کی ہتھیلی پر پڑیں ٹینکلس دیکھ کر وہ پھر بولا تھا لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

”تو تم مجھ سے بھاگنا چاہ رہے ہو پر اب ایسا ممکن نہیں۔“ وہ دل میں اسے مخاطب کر کے ہلکا سا مسکرائی تھی۔

”کا کا جان اب بوڑھے ہو چکے ہیں اتنے بڑے فارم ہاؤس کی نگرانی کریں اور تمہاری دیکھ بھال بھی یہ ان کے بس کی بات نہیں دوائی کھا لو۔“ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

”اد کے پھر میرے لئے میل نرس کا انتظام کر دو۔“ اس نے دوائی لینے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا اور بوخی لیٹا رہا تھا۔

”آخر تمہیں میرے یہاں ہونے سے کیا پراہلم ہے؟“ وہ تھوڑا الجھی تھی۔

”پراہلم..... آئی ہیٹ دس، ہمدردی کجا مجھے تو عورت سے ہی شدید نفرت ہے اور تم کل سے میرے ارد گرد منڈلا کر کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو جسٹ گیٹ آؤٹ فرام مائی روم۔“ وہ اچانک پھٹ پڑا تھا۔

اپنی تذلیل پر ماہ نم اپنی جگہ پر جم سی گئی تھی احساس توہین سے اس کے کال سرخ پڑ گئے تھے وہ جسے آسان منزل سمجھ کر بڑھی تھی راستہ تو سارا خارزار تھا۔

”جسٹ گیٹ لاسٹ۔“ وہ پھر دھاڑا تھا اور ماہ نم تیزی سے اس کے کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی اسے بری طرح سے رونا آیا تھا اگر وہ پہلے والی ماہ نم ہوتی تو اس کی بدتمیزی کا جواب منہ توڑ غصے سے دیتی دو حرف بھیج کر ایک طرف ہو جاتی لیکن اب ایسا ممکن نہیں تھا جسے آپ چاہنے لگے اس کی خامیوں کے باوجود اور وہی آپ کی یوں تذلیل کرے دل کو کب برداشت ہوتا ہے، وہ روتی ہوئی سیڑھیوں سے نکلی تھی جب کا کا جان نے اسے دیکھا۔

وہ باہر سیڑھیوں میں بیٹھی تھی، کا کا جان شکور کو سیفی کے متعلق کچھ ہدایت دیتے اس کی جانب آئے تھے مختار صاحب کی بے حد ضروری میٹنگ تھی مجبوراً انہیں جانا پڑا تھا اتنا بڑا بزنس وہ کسی پر چھوڑ نہیں سکتے تھے ایک ہفتے سے وہ آفس نہیں گئے تھے لیکن اب جانا ناگزیر ہو گیا تھا۔

”بٹیارانی!“ انہوں نے پاس آ کر اسے پکارا تھا گو وہ ایک کم گوانسان تھے اور اپنے مالکوں کے بے حد وفادار لیکن ان کے وجود سے شفقت پھوٹی تھی اور انداز بے حد دوستانہ محسوس ہوتے تھے۔

”کا کا جان اس نے کہا تھا کہ میں اسے دل و جاں سے قبول ہوں لیکن اب میں اسے کیونکر



بتاؤں کہ وہ بھی مجھے قبول ہے وہ تو میرے وجود کو اپنے ارد گرد دیکھ نہیں پا رہا آخر اتنی نفرت کیوں مجھ سے۔“ روتے ہوئے اس نے کا کا جان سے پوچھا تھا نہ جانے وہ اتنی آسانی سے ان سے اپنے دل کی بات کیسے کر گئی تھی۔

”وہ آپ سے نفرت نہیں کرتا عورت ذات سے نفرت کرتا ہے۔“ وہ سنجیدہ سے گویا ہوئے تھے۔

”مگر کیوں؟“ وہ اس ابھی ڈور کو اب سلجھانا چاہتی تھی، منزل تک پہنچنے کے لئے سنجیدہ راستے سے آگاہی ضروری تھی۔

”اس کا جواب تو شاید ستائیس سالوں پر محیط ہے، آئیں وہاں بیٹھتے ہیں۔“ کا کا جان بولے تھے اور باغ میں رکھی کرسیوں کی جانب اشارہ کیا وہ خاموشی سے ان کے پیچھے چلتی ہوئی وہاں آن بیٹھی تھی اور پھر کا کا جان اسے بتاتے چلے گئے۔

☆☆☆

زیبا کو ویسی تو نوکری سیکرٹری کی ملی تھی لیکن اپنی اداؤں کے جال میں پھنسا کر بہت جلد وہ سزا مختار بن گئی تھی اس کا تعلق ایک لوئر مڈل کلاس سے تھا اور یہ عجیب اتفاق کی بات تھی کہ مختار اور زیبا دونوں ہی اپنے والدین کی اکلوتی اولادیں تھے وہ غربت سے نجات پانا چاہتی تھی اس لئے مختار سے شادی کر لی جو کہ شکل و صورت میں اس سے کمتر تھے وہ ایک حسین ترین عورت تھی اور اپنی تعریف کی بے حد بھوکی ایک سال میں ان کے گھر اسفند علی نے جنم لیا زیبا کو شروع سے ہی وہ اپنے پاؤں کی زنجیر لگتا تھا کم صورت شوہر اس کے حسن کا پجاری تھا لہذا اس کے کہنے پر ایک آیا کو بچہ پالنے کے لئے دے دیا گیا ہر وقت دوستوں کی ساتھ پارٹی پکنک تفریح، کلب، ہلا گلب بس یہی

تو زیبا کی زندگی تھی پھر اسے ایک پارٹی میں کھیل ملا وہ بے حد مالدار اور وجیہ انسان تھا تب زیبا مختار کے ساتھ شادی کے فیصلے پر پہنچتا نے لگی کہاں مختار کا چھوٹا سا کاروبار جس سے وہ اسے مہینے میں ایک دو تین بار شاپنگ کروا سکتا تھا اور گھمانے کے لئے سال، چھ مہینے بعد نادرن ایریاز میں لے جاسکتا تھا اور کہاں کھیل جو ایک دن میں اپنی محبوبہ پر لاکھوں اڑا سکتا تھا اور شاپنگ کے لئے دوپٹی لے کر جاسکتا تھا دولت کی ریل پیل نے زیبا کو لاپچی فطرت کو اپنی طرف کھینچ لیا مختار احمد پہلے ہی زیبا کی گھر اور بچے سے لاپرواہ رہنے کی وجہ سے اسے سمجھاتا رہتا تھا مگر اب تو اسے رتی بھر پرواہ نہ رہی وہ اب ہر صورت مختار جیسے کم صورت سانو لے مرد سے نجات چاہتی تھی اور دوسری طرف کھیل حسن پرست، عیاش فطرت انسان زیبا کی زلفوں کا اسیر وہ لوگ اب گھر میں بھی ملنے لگے تھے مختار کے والدین تو فوت ہو چکے تھے اور زیبا نے بھی پلٹ کر بھی اپنے بوڑھے باپ کی خبر نہ لی تھی ماں تو شادی سے پہلے مر گئی تھی ان کی دوستی کے جھجے کاروباری حلقہ احباب میں عام ہونے لگے اور گھر میں مختار اور زیبا کی لڑائی جھگڑے بیڈروم سے نکل کر پورے گھر میں گونجنے لگے تھے اس وقت اسفند پانچ سال کا ہو چکا تھا وہ ایک زہین بچہ تھا، ماں باپ کے لڑائی جھگڑے نے اس کی شخصیت پر اثر انداز ہو رہے تھے لیکن دونوں کو اس کی ہرگز پرواہ نہ تھی مختار سے لڑنے کے بعد زیبا ہمیشہ روتی ہوئی اسفند کے کمرے میں جاتی اور باپ کے متعلق گھٹیا الزام تراشی کرتی ایسا کر کے وہ اپنی انا کی تسکین کرتی۔

ایک دن مختار صاحب جو کسی کاروباری میٹنگ کے سلسلے میں دونوں کے لئے شہر سے



باہر گئے ہوئے تھے اگلے روز ہی پلٹ آئے  
 میٹنگ کسی وجہ سے ہو نہیں سکی تھی سو چا آج کا سارا  
 دن بیوی اور بچے کے ساتھ گزاریں تو شاید زیبا  
 کے شکوے کچھ کم ہوں جائے لیکن سر پرانز کے  
 چکر میں جب انہوں نے دھیرے سے بیڈروم کا  
 دروازہ کھولا آگے زیبا اور کھلیل کو ناز یا حالت میں  
 پایا تو ان کی دنیا اندھیر ہو گئی اسی وقت اسفند بھی  
 ان کے پیچھے نہ جانے کہاں سے نکل کر آن کھڑا  
 ہوا تھا وہ ذلت و رسوائی صرف زیبا کے حصے میں  
 نہیں آئی اس کی لپیٹ میں مختار اور اسفند بھی  
 آئے تھے، پورا گھر جل کر خاکستر ہو گیا تھا، زیبا تو  
 اسی وقت مختار سے طلاق لے کر بے خوف اور بے  
 غیرتی کے ساتھ گھر سے نکلتی چلی گئی اور اپنے  
 قدموں میں عورت کا وقار، عزت ہی نہ روندی  
 بلکہ مختار اور اسفند کے احساسات اور جذبات بھی  
 روندتی چلی گئی مختار کو اس نے کم صورت ہونے کا  
 بھی طعنہ دیا تھا اس نے واضح کہا تھا کہ جس طرح  
 کی عیش پسند زندگی جینے کا وہ خواب دیکھتی ہے  
 اسے صرف کھلیل جیسا دولت مند ہی پورا کر سکتا  
 ہے اسفند کو تو وہ شروع سے ہی اپنے پاؤں کی  
 زنجیر سمجھتی تھی کبھی اپنے قریب نہ ہونے دیا کہ خواہ  
 مخواہ اٹیچ ہو کر اس کی سرگرمیوں میں رکاوٹ بنے  
 گا مختار صاحب زیبا کی وجہ سے بری طرح ٹوٹے  
 تھے اور پھر دن رات وہ پیسہ کمانے والی مشین بن  
 گئے، انہوں نے اپنا ہوش نہیں تھا تو سیفی کی خبر کون  
 رکھتا بس سکول جا رہا، کھانا کھا رہا ہے، جی رہا  
 ہے، یہی کافی تھا باپ کا فرض نبھانے کے لئے وہ  
 کئی دنوں گھر نہ آتے کاروبار پھلانے کے چکر  
 میں نہ جانے کہاں کہاں سرگرداں رہے تھے تب  
 سیفی کو میں نے اپنی آغوش میں بھر لیا، میں اس  
 گھر میں اس وقت آیا تھا جب مختار صاحب کی  
 شادی بھی نہیں ہوئی تھی بڑے صاحب مختار

صاحب کے والد نے مجھے گھر ملازم رکھا تھا جب  
 اس گھر میں یہ حادثہ ہوا اس سے کچھ مہینے قبل میرا  
 تین سال کا بچہ اور بیوی ایک بس ایکسیڈنٹ میں  
 مارے گئے تھے انہوں سے جدائی اور تنہائی کے  
 عذاب کو مجھ سے بہتر کون سمجھتا تھا اور پھر وہ سیفی  
 سات سال کا معصوم بچہ جو ماں باپ کی لاپرواہی  
 کی بجائے چڑھ رہا تھا وہ اس پر ہجوم میلے میں ماں  
 باپ سے بچھڑا ہوا تنہا اور خوفزدہ کھڑا تھا میں نے  
 آگے بڑھ کر اس کی انگلی تھام لی، لیکن میں اس کا  
 باپ اور ماں تو نہیں تھا یہ کی تو اس کے ساتھ رہی  
 میں اس کی ضرورتوں، خوشیوں اور احساسات کا  
 خیال رکھتا تھا لیکن میرا اس کا رشتہ ماں باپ والا تو  
 نہیں ہو سکتا تھا باپ کی توجہ پانے کے لئے وہ  
 اوٹ پٹانگ حرکتیں کرنے لگا ماں نے جو زہر  
 باپ کے متعلق اس کی دماغ میں بھرا تھا وہ ان  
 کے مصروف ہونے کے بعد اور ان سے دور ہوتا  
 چلا گیا بڑھتی عمر میں اس کی دوستی بھی غلط لڑکوں  
 سے تھی جو اسے حسن بازار میں لے گئے وہاں وہ  
 ہر روز عورت کو بکتے ہوئے دیکھنے لگا اور عورت  
 کے پاکیزہ اور وفا بھرے روپ سے ہر اعتبار اس  
 کا اٹھ گیا وہ مجھے ہر بات آکر بتاتا تو میں اسے  
 سمجھاتا روکتا مختار صاحب کو بھی اپنی حد میں رہ کر  
 کہتا کہ وہ سیفی بابا کو وقت دیں لیکن وقت تو ہاتھ  
 سے نکل چکا تھا۔

وہ بے حد ذہین ہے بہت ساری خوبیوں کا  
 مالک اس کی ہر کامیابی پر مختار صاحب اس کے  
 پاس نہ ہونے کسی کاروباری مصروفیت میں الجھے  
 ہوتے ان کے پاس بیٹے کی کامیابی پر اسے  
 شاباش دینے کا وقت نہیں تھا اور ماں نے تو پلٹ  
 کر خبر بھی نہ لی اسے عورت کسی بھی روپ میں  
 قبول نہیں نہ ماں، نہ دوست، نہ بیوی اور پھر تم  
 اس کی زندگی میں آئی یونیورسٹی میں اس کی بہت



سی لڑکیوں سے دوستی تھی وہ ان کے احساسات سے کھیلتا تھا کیونکہ وہ خود اسے دعوت دیتی تھیں ہمیشہ کسی سے بھی دوستی کرنے سے پہلے وہ واضح انداز میں کہہ دیا کرتا تھا صرف دوستی نہ پیار نہ شادی اس کے باوجود کوئی اس حد کو کراس کرنا چاہے تو وہ کٹھور بن جاتا تھا کئی تو گھر تک اس کے پیچھے چلی آئی تھیں انہیں ٹالنا میرے لئے مشکل ہو جاتا تھا لیکن ان سب کے باوجود اس نے کبھی کسی عورت کو فریب دیا اور نہ دھوکے سے اس سے چند لمحے حاصل کیے اسی یونیورسٹی میں جہاں وہ بد سے بدنام ہوا تھا کہ مطابق مشہور تھا تم اسے نظر آئی اس نے مجھے بتایا تھا کہ۔

”کا کا جان آج میں نے یونیورسٹی میں حور دیکھی وہ بہت معصوم اور پاکیزہ نظر آرہی تھی سفید فرائ میں سفید دوپٹے کو سر پر اوڑھے وہ ایک دم دل میں اتر گئی میں نے اسے اس کے نام سے چھیڑا وہ دوسری لڑکیوں کی طرح خواہ مخواہ خود کو پوز کرتے ہوئے نہ شرمائی اور نہ کمٹی بلکہ پر اعتماد میں مجھ پر خفاء سی نگاہ ڈال کر بے نیاز ہو گئی۔“

”اس نے شادی نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی جس رات عاصم نے اسے مدد کرنے کے لئے فون کیا شہر بنگلے میں موجود نوکر اصغر پاس ہی موجود تھا اصغر نے مجھے سب کچھ بتایا تھا میں تو زیادہ تر فارم ہاؤس پر ہی رہتا ہوں عاصم نے جب بتایا کہ تم گھر سے بھاگ کر اس کے ساتھ نکاح کرنے والی ہو تو اس کی رنگت زرد پڑ گئی اور ہاتھ میں کانچ کا گلاس توڑ ڈالا تھا عاصم نے اپنی مجبوری بتائی اور یہ بھی کہ تم تنہا اس کی منتظر ہو تو وہ تمہاری پریشانی میں گھر سے نکلا وہ تمہیں کسی مصیبت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا تم نے بھی ثابت کر دیا تھا کہ عورت بے وفا ہے لیکن ان سب کے باوجود وہ تمہیں کسی مشکل میں تنہا نہیں

چھوڑ سکتا تھا وہ تمہارے آگے بے بس ہو جاتا ہے اور اسی بے بسی کو حلقی اور غصے میں لپیٹ کر تم سے بھاگتا ہے لیکن ایسا کر نہیں پاتا اسے تمہاری بہت فکر رہتی ہے اگر وہ تم سے بے حد خفا ہے تو ان سب باتوں کے پیچھے اس کے ماضی کے محرکات ہیں، بیارانی تم اس کی زندگی کی اولین آرزو ہو چاہت ہو لیکن وہ شاید اس کا اقرار بھی نہ کرے وہ پتھر ہو چکا ہے اور اس پتھر میں جو تک تمہارا یقین تمہاری سچی محبت اور تمہارا خلوص ہی لگا سکتا ہے بظاہر اس میں جتنی برائیاں ہیں وہ اتنا برا ہے نہیں جو وہ نظر آتا ہے وہ اصل میں نہیں ہے یہ سب تو وہ مختار صاحب کو ستانے کے لئے کرتا ہے باپ بیٹے میں اتنی دوریاں بڑھ چکی ہیں جو شاید کبھی نہ کم ہو سکیں لیکن مجھے یقین ہے کہ تم ان دونوں کے بیچ ایک پل بن جاؤ گی اس کے لئے تمہیں حوصلے صبر سے کام لینا ہو گا اپنا آپ مارنا ہو گا کیا تم یہ سب میرے سیفی بابا کے لئے کر سکتی ہو؟“

سیفی کی شخصیت کی تمام الجھی گھٹیاں سلجھاتے ہوئے کا کا جان نے ماہ نم سے پوچھا تھا اور سیفی کے ماضی کو جان کر ماہ نم کا دل اس کے درد سے بھر گیا تھا۔

”کا کا جان میری زندگی میں اچانک ہی بہت کچھ تبدیل ہو گیا آپ جانتے ہیں کہ اس روز میں نے عاصم کی مدد کیوں لی تھی، میں نے آپ کو اور انکل کو سب سچ سچ بتا دیا تھا مجھے حیرت ہوتی کہ اللہ نے یوں اچانک یہ سب کیوں میرے ساتھ کیا آخر اس میں بھلائی کیا ہے ماں باپ ایکسیڈنٹ میں اچانک جدا ہو گئے چچا جان کی لالچی فطرت نے مجھے ایک بے ہودہ رسم میں باندھ کر جائیداد ہتھیا نے کا سوچا اور خود کو بچانے کے لئے ایک بزدل انسان کی مدد مانگی لیکن اس لمحے میری مدد کو وہ آیا جسے میں ناپسند کرتی تھی جسے



میں ایک عیاش پرست، آوارہ سانو جوان خیال کرتی تھی اور اب مجھے سمجھ آیا کہ مجھے اس کمرے ہوئے شخص کو سمیٹنے کے لئے منتخب کر لیا گیا ہے میرے دل میں نکاح کے بعد اس کی محبت ڈال دی گئی ہے میں اس پتھر میں جونک لگا کر رہوں گی انشاء اللہ۔“ ماہ نم نے آنسو پونچھتے ہوئے پر اعتماد اور پر یقین لہجے میں کا کا جان سے کہا تھا۔

”میڈلسن کا وقت ہو رہا ہے۔“ اتنا کہہ کر وہ اندر کی جانب بڑھ گئی تھی اور پیچھے سے کا کا جان نے اس کے مضبوط ارادے کو اس کی پر اعتماد چال سے جانچا تھا اور ہاتھ دعا کے لئے بلند کر دیئے دونوں کی دائمی خوشیوں کے لئے وہ خوش تھے۔

کہ آج اس سات سال کے ڈرے سہے بچے کی انگلی انہوں نے اس لڑکی کے ہاتھ تھما دی تھی جس پر انہیں یقین تھا کہ وہ نہ اسے دنیا کے میلے میں کم ہونے دے گی اور نہ ہی خود ساختہ اذیت بھری زندگی جینے دے گی۔

☆☆☆

شاید شکور کی موجودگی کی وجہ سے سیفی خاموش رہا تھا اور شکور کی مدد سے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

”چکن کارن سوپ آپ کا پسندیدہ ہے امید ہے اچھا لگے گا میں نے خود بنایا ہے۔“ سیفی کے قریب ہی بیڈ پر نکلتے ہوئے ماہ نم نے گرم سوپ کے پیالے سے چمچ بھر کر سیفی کی جانب بڑھایا اس سے پہلے وہ اس کی گردن کے پاس نیپکن لگا چکی تھی سیفی کی آنکھوں میں شدید استعجاب ابھرا تھا ماہ نم کا اتنا دوستانہ بلکہ استحقاق بھر انداز دیکھ کر وہ کچھ لمحے نہ کچھ سمجھ پایا تھا اور نہ بول پایا ہمیشہ اس نے ماہ نم کی نظروں میں اپنے لئے ناپسندیدگی دیکھی تھی اور آج ان نظروں کے

کچھ اور ہی رنگ ابھرے تھے اور مصور ہونے کے باوجود وہ ان رنگوں کی زبان سمجھ کر بھی پڑھنا نہیں چاہ رہا تھا اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا وہ بس خاموشی سے سوپ پیتا چلا گیا اور پھر اسی خاموشی سے دوائی بھی کھالی اور پھر ماہ نم نے ہی اسے لیٹنے میں مدد کی اس کے نرم و نازک ہاتھ تھامے اس کی مدد سے لیٹ گیا وہ اس کے قریب تھی بے حد قریب اور پھر وضو کر کے وہ اس کے کمرے میں ہی نماز پڑھنے لگی تھی وہ ہر وقت ماتھے تک نماز کی طرح دوپٹے کو لپیٹے رکھتی تھی اور یہ انداز اس پر چٹا تھا دعا کے لئے ہاتھ بلند کیے وہ آنکھیں بند کر کے بڑے خشوع خضوع کے ساتھ دعا مانگ رہی تھی اور پھر کچھ آیتیں پڑھ کر اس نے اٹھ کر سیفی پر پھونکی تھیں پھر وہ کمرے سے چلی گئی اور سیفی جو ابھی تک درطہ حیرت میں مبتلا تھا کچھ ہی دیر بعد اسے اپنے کمرے میں واپس آنا دیکھ کر چونک گیا اس کے ہاتھ میں بستر تھا جو اس نے سیفی کے بیڈ کے پالمی کی طرف بچھالیا۔

”یہ سب کیا ہے؟“ اب کی دفعہ وہ پوچھے بغیر نہ رہا لہجے میں سخت نمایاں تھی۔

”اس وقت آپ کو چوبیس گھنٹے کسی کی ضرورت ہے لہذا آج سے آپ کے کمرے میں ہی سوؤں گی موبائل آپ کے پاس موجود ہے اپنا میرے پاس ہے کسی بھی چیز کی ضرورت ہو رات کو مجھے کال کر دیں اگر میں نیند سے نہ جاؤں۔“ ماہ نم نے نارٹل سے انداز میں کہا وہ جتنا کم بول رہی تھی اس کے انداز اس سے زیادہ بول رہے تھے، جو وہ نہیں بھی کہہ رہی تھی سیفی کو وہ بھی سمجھ آ رہا تھا جیسے اس کا پر اعتماد انداز کہ آج سے تم میری ذمہ داری ہو۔

”اس کی قطعی ضرورت نہیں شکور یا کا کا جان ہے میرا خیال رکھنے کے لئے تم جاسکتی ہو اپنے



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



کمرے میں جا کر سوؤ۔“ اس نے اس کی ہمدردی لینے سے انکار کرنا چاہا۔

”شکور یا کا کا جان آپ کی بیوی نہیں ہیں جس طرح سے میں آپ کا خیال رکھ سکتی ہوں وہ نہیں۔“ ماہ نم نے سیفی کے قریب دھماکہ کیا تھا اس کا پر اعتماد رویہ جو کہہ رہا تھا اس کی تصدیق ہو گئی تھی۔

”بیوی!“

”جی بیوی، میں نے اس ایک ہفتے بہت سوچا میں پریشکھل لڑکی ہوں اور کوئی بھی فیصلہ جذباتی پن سے نہیں کرتی چند مہینے یہاں گزار کر اس کاغذی رشتے کو ختم کر کے اگر میں کسی اور جگہ شفٹ ہو جاؤں گی نوکری بھی کر لوں گی اور ایک دن شادی بھی لیکن اس کی کیا گارنٹی ہے کہ کوئی اور شخص آپ سے بہتر ہوگا آپ سے بدتر بھی تو ہو سکتا ہے تو پھر آپ ہی کیوں نہیں لہذا بہت سوچ سمجھ کر میں نے آپ کے ساتھ اپنا رشتہ تمام عمر قیام رکھنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن ہر کوئی اپنے فعل کے لئے آزاد ہے بس میری اتنی ہی درخواست ہو گی کہ تمام عمر اپنا نام مجھ سے مت چھینے گا اور نہ ہی اس گھر کی چھت، باقی آپ دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں تو میری طرف سے اجازت ہے ویسے تو یہ وقت ان باتوں کا نہیں میں صرف آپ کو جلد از جلد تندرست ہوتے دیکھنا چاہتی ہوں مگر شاید یہ سب کلیئر کرنا ضروری ہے۔“

ماہ نم اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ سیفی کو صرف اور صرف سچائی اور یقین انداز سے ہی بدلا جا سکتا ہے سیفی اس کی زندگی کا ایک بہت بڑا چیلنج تھا اور وہ اس چیلنج کو قبول کر کے مکمل تیاری کے ساتھ میدان میں اتری تھی اسے ہر حال میں اسے جیتنے تھا۔

سیفی اسے خاموش جانچتی ہوئی نظروں

سے ادھر ادھر کام کرتے ہوئے دیکھتا رہا لیکن بولا کچھ نہیں اور ماہ نم کو اندازہ ہو گیا اگلے چند دنوں میں کہ سیفی کی خاموشی ایک طوفان کا پیشہ خیمہ تھی، وہ طوفان جو اس کے پر اعتماد رویے کو ڈالوا ڈول کر کے رکھ دیتا تھا۔

☆☆☆

”تم جاؤ شکور!“ اگلی صبح جب شکور سیفی کو فریش اپ ہونے کے لئے اس کی مدد کرنے آیا تو سیفی نے اسے واپس بھجوا دیا ماہ نم نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔

”بیوی تو آپ ہیں میری اور کام میرے شکور کر رہا ہے۔“ بیڈ پر لیٹے وہ طنزیہ انداز میں بولا تھا اس کا انداز کافی جتنا ہوا سا تھا۔

ماہ نم نے خاموشی سے ہاتھ آگے بڑھایا اور بڑی مشکل سے واش روم تک سیفی کو لے کر گئی اتنی دھان پان سی لڑکی اتنے جوان مرد کا بوجھ سہارتے ہوئے واش روم کے چند قدم طے کروانا بہت مشکل تھا ماتھے پر پسینہ اور سانس کی رفتار تیز تھی اور پھر سیفی اس کا ایک طرف اور دوسرے طرف سے کندھا پر اپنا بازو رکھ کر چل رہا تھا وہ اس کے پورے وجود پر چھایا ہوا تھا وہ اس کے بے حد قریب تھا لیکن ماہ نم کو زورس نہیں ہونا تھا دل چاہے اندر سے کتنا ہی دھڑک رہا ہو اسے کان نہیں دھرنے تھے کیونکہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ ضدی، خود سر سیفی کو صرف اس کا پر اعتماد رویہ، سچائی اور خلوص ہی اسے کنٹرول کر سکتا ہے اگر وہ اس کے خود سر انداز پر حاوی نہ ہوئی تو تمام عمر ایک ضدی اور جنگلی سیفی کے ساتھ ہی گزارنی ہو گی۔

اسی طرح سے وہ اسے واپس بیڈ پر لے کر آئی تھی سیفی قدرے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔



”ناول باتھ آپ دلوائے گئیں یا.....؟“  
سینی نے جان بوجھ کر چیخ دیتی مسکراہٹ کے  
باتھ بات ادھوری چھوڑ دی۔

”میرا مطلب رات کو آپ نے کافی  
جذبائی تقریر کرتے ہوئے بیوی کا عہدہ سنبھالا  
ہے اور اس عہدے کی کافی ذمہ داریاں ہیں جبکہ  
آپ کا شوہر تقریباً ہاتھ پیر ہلانے سے عاری ہے  
اس کے تمام ہی کام آپ کو سرانجام دینے ہو گے  
یا پھر شکور یا کا جان کو بلوادیں۔“ وہ طنزیہ انداز  
میں پھر گویا ہوا تھا۔

ماہ نم کچھ بولے بغیر واش روم میں سے نیم  
گرم پانی میں ناول بھگو کر لے آئی۔  
”شرٹ کے بٹن کھولیے۔“ وہ اسے زچ  
کرنا چاہ رہا تھا۔

اس وقت اس نے بلیک شرٹ پہن رکھی تھی  
اس کے اتنے قریب ہو کر بٹن کھولتے ہوئے اس  
کی انگلیوں کی کیکپاہٹ پر قابو پانا دشوار ہو رہا تھا  
لیکن بے تاثر چہرے کے ساتھ سنجیدگی سے وہ  
اپنے کام کو سرانجام دینے لگی، اس کی جھکی بسی  
پلیٹیں انگلیوں کی ہلکی سی کیکپاہٹ اس پوری  
کاروائی کے دوران سینی نے محسوس نہیں رہی تھی اور  
وہ اسے نروس کرنے کے لئے مسلسل گھور رہا تھا۔  
بینڈ تیج جو اس نے ہسپتال میں نرس کو کرتے  
بغور دیکھی تھی کرنے کے بعد ناول وغیرہ سمیٹ کر  
رکھا۔

”آپ کافی کم گو ہو گئی ہیں مس نم۔“ اس  
کے خاموش رہنے پر وہ پھر گویا ہوا۔

”آپ کی کچھ باتوں کا جواب نہ ہاں میں  
دے سکتی ہوں اور نہ ناں میں۔“ اتنا کہہ کر وہ  
سب کچھ سمیٹ کر واش روم کی جانب بڑھ گئی تھی  
سینی نے ہلکا سا ہتھکڑ لگایا تھا۔

”ناشتے میں کیا لیں گے؟“ آکر پوچھا تھا

ماہ نم نے۔

”کیا دیں گیں۔“ جواب حسب معمول تھا  
جس انداز میں کہا گیا تھا ماہ نم کی نظریں یکبار جھکی  
تھیں۔

”میں اپنی مرضی کا ناشتہ بنا کر لاتی ہوں۔“  
وہ اتنا کہہ کر فوراً کمرے سے نکل گئی تھی اور سینی  
کافی پر اسرار انداز میں مسکرایا تھا۔

”ہونہہ عورت صرف ڈرامہ ہے دیکھتا ہوں  
کب تک تم یہ اچھی بیویوں والا ڈرامہ میرے  
ساتھ کرتی ہو اصل میں تو تم اپنے ضمیر کے ہاتھوں  
مجبور ہو تمہاری وجہ سے زخمی ہوں تو نیا نیا ہمدردی کا  
بخار چڑھ گیا جب ٹھیک ہو جاؤں گا تو پھر.....  
سب جھوٹ سب بکواس۔“ سینی نے زہر خند ہو  
کر سوچا تھا۔

☆☆☆

سارا دن کافی مصروف گزرا تھا ماہ نم کو سینی  
نے خوب ٹھن چکر بنا رکھا تھا کبھی کتاب پکڑا دو  
کچن میں مصروف ہوتی تو سیل پر سینی کی کال آتی  
فوراً جاتی تو حکم ہوتا کہ کتاب رکھ جاؤ جب دوبارہ  
کچن پہنچتی تو پھر کال آ جاتی کمرے میں جانے پر  
کہا جاتا پانی پلا دو جب دوپہر کو اس کی پسند کا  
اٹالین بڑا قفل آف چیز اتنی محنت سے بنا کر لے کر  
گئی دیکھ کر کہا گیا اب موڈ نہیں اسے صرف فروٹ  
سیلڈ کھانی ہے ماہ نم کو اچھی طرح معلوم تھا وہ اس  
کو زچ کر رہا ہے لیکن وہ بھی ہمت ہارے بغیر  
ماتھے پر ایک ٹھنک لائے بغیر کام کرتی رہی انکل  
مختار شام کو آگئے تھے اور سیدھا سینی کے کمرے  
میں گئے تھے یہ جانتے ہوئے بھی وہ اب بھی ان  
سے سیدھے منہ بات نہیں کرے گا وہ اس کے  
پاس بیٹھ کر اس کی خیریت معلوم کرنے لگے تھے۔  
”انکل چائے۔“ ماہ نم نے گرم بھاپ  
اڑاتا چائے کا کپ ان کی جانب بڑھایا ساتھ



میں چکن چیز سینڈوچ بھی تھے۔

”بیٹا آپ چائے بہت اچھی بناتی ہو۔“  
پہلا گھونٹ بھرتے ہی وہ بولے تھے۔

”انکل میٹنگ کیسی رہی؟“ اس کے آنے سے قبل اس کمرے میں خاموشی تھی دو نفوس کے ہونے کے باوجود۔

”ہوں شاندار۔“ انہوں نے جواب دیا اور پھر ماہ نم ان کی میٹنگ کے متعلق بات کرتی کرتی ملکی حالات پر تبصرہ کرنے لگی خاص طور پر معشیت پر یہ ان کی فیورٹ ٹاپک تھا اگرچہ سیفی خاموش تھا لیکن دونوں کی باتیں سن رہا تھا سارا دن کمرے میں تنہا پڑے رہنے کی وجہ سے ان دونوں کی باتیں سننا اسے اچھا لگ رہا تھا۔

وہ کسی بات کو لے کر ایک غلط نقطے پر بحث کر رہے تھے جب سیفی نے اچانک ان کی صبح کی تھی اور اس طرح وہ بھی ان کی باتوں میں شریک ہو گیا، کچھ دیر بعد مختار انکل اٹھ گئے تھے سیفی کے آرام کرنے کے خیال سے۔

”صدیقی صاحب سب میٹنگز کینسل کروا دیجئے میں تقریباً دوں پندرہ دن بچاؤ آفس آؤں گا اس دوران میرا فون آف رہے گا آپ دفتر سنبھال لیجئے گا، جی اد کے بائے۔“ کچھ ہی دیر بعد انہوں نے میجر کو کال کر کے کہا تھا اور میجر کی اگر مگر نے بغیر فون آف کر دیا تھا یہ سب انہوں نے ماہ نم کے چند لمحے پیشتر کہے گئے جملوں کے بعد کیا تھا جو وہ ان کے پیچھے کمرے میں آ کر کہہ کر گئی تھی۔

”انکل ہمیں اس کے گرد چاہتوں کا گھیرا تنک کرنا ہے اتنا تنک کہ وہ بھی اس گھیرے سے لٹکنا نہ چاہے اس کے لئے ہم اسے فورس نہیں کریں گے محض چند لفظوں سے محبت کا یقین نہیں دلایا جاسکتا ہمیں اس کی بے حد پرواہ ہے فکر ہے

عملی طور پر ثبوت دینا ہوگا، آپ کے لئے یہ سنہرا موقع ہے اپنے بیٹے کو اپنی محبت کا یقین دلانے کا اور یہ اب آپ پر ہے کہ اتنے برسوں سے روٹھے بیٹے کو کیسے مناتے ہیں میں آپ کی مدد کے لئے تیار ہوں بشرط کہ آپ بھی تیار ہوں۔“

”میں تیار ہوں بیٹا ہر قیمت پر اپنے بیٹے کو منانے کے لئے۔“ ماہ نم کے جانے کے بعد انہوں نے دھیرے سے بڑبڑاتے ہوئے اپنے میجر کو فون کیا تھا۔

☆☆☆

”انکل شطرنج کی بازی ہو جائے۔“ وہ سیفی کے پاس اگلے دن بھی خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ ماہ نم شطرنج اٹھائے کمرے میں آئی۔

”تمہیں کھیلنی آتی ہے؟“ انہوں نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

”میں اور بابا کھیلا کرتے تھے اور میں ہمیشہ جیتی تھی کیونکہ بابا خود سے ہار جاتے تھے لہذا مجھے جیتنے تک کھیلنی آتی ہے۔“ ماہ نم نے جواب دیا اور وہ ہلکا سا تھک لگا کر بیٹھے وہ دونوں سیفی کے قریب ہی بساط بچھا کر بیٹھ گئے ان دونوں نے سیفی کو کھیلنے کا نہیں کہا تھا بور ہوتا سیفی کچھ دیر بعد ہی موبائل سے تنگ آ کر ان کی جانب متوجہ ہو گیا کہ ماہ نم کھیل کم اور فاول زیادہ کر رہی تھی ان دونوں کا قدرے بلند ہوتا احتجاج متوجہ کر گیا ماہ نم کافی دیر سے ایک چال چلنے پر پھنسی ہوئی تھی تھوڑا سا دھیان دیتی تو وہ مختار صاحب کو آسانی سے مات دے سکتی تھی لیکن وہ اپنے گھوڑے کو اس طرف چلا نہیں رہی تھی۔

”گھوڑے کو دلائیں یا جانب رکھو۔“ آخر کار سیفی کو کہنا پڑا اور ماہ نم نے جلدی سے ایسا ہی کیا اور اس طرح وہ سیفی کی ہدایات پر آخر کار جیت گئی اور اس طرح سے خوش ہو رہی تھی جیسے سارا کمال



اس کا ہو۔

سیفی اور مختار صاحب اس کے بچوں کی طرح خوش ہونے پر ایک دوسرے کی جانب دیکھ کر مسکرائے یہ ایک بے اختیار حرکت تھی جلد ہی سیفی نے اپنی مسکراہٹ سیٹ لی تھی۔

”لنچ میں کیا بناؤں آج میرے جیتنے کی خوشی میں میری طرف سے ٹریٹ ہوگی۔“ وہ ان دونوں کو یوں مخاطب کر رہی تھی جیسے یہ چھوٹی سی فیملی ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی خوشی بگانت کے ساتھ زندگی بسر کر رہے تھے۔

”میرے لئے مرغ پلاؤ، زردہ، پودینہ کی چٹنی کا رائتہ اور قورمہ وغیرہ بنا لینا شامی کباب بھی ضرور بس۔“ مختار صاحب شرارت سے گویا ہوئے تھے ماہنم نے پوری آنکھیں کھول کر ”بس“ کہا تھا اور وہ ہنس پڑے تھے۔

”ارے بیٹا دل کا مریض ہوں جو بھی ہلکا پھلکا بنا دو یہ بوڑھا کھالے گا۔“ اس کے یوں بس کہنے پر وہ بے چارگی سے بولے تھے۔

”آپ؟“ وہ سیفی کی جانب مڑی تھی۔

”چکن سیلڈ۔“ مختار جواب موصول ہوا تھا اور وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ گئی تھی لیکن آنکھوں ہی آنکھوں میں مختار صاحب کو کچھ اشارہ کرنا نہیں بھولی تھی۔

ماہنم کے جانے کے بعد دونوں طرف پھر خاموشی طاری تھی جب مختار صاحب خاموشی سے اٹھے اور کمرے سے چلے گئے سیفی نے ہنزاری سے ان کی جانب سے رخ پھیرا اور موبائل پر بڑی ہو کر بوریت دور کرنی چاہی لیکن وہ اس کام سے بھی بوریت محسوس کر رہا تھا جبھی مختار صاحب ہاتھ میں چند کتابیں، لیپ ٹاپ اور کچھ کارڈز لئے کمرے میں دوبارہ آئے اور سیفی کے بالکل قریب کرسی رکھ کر بیٹھ گئے۔

”اب کی دفعہ جب میں لندن گیا تھا تو وہاں سے تمہارے لئے یہ کتابیں خریدی تھیں تمہیں کوکنگ اور پینٹنگ سے بے حد لگاؤ ہے اسی کے حوالے سے چند قیمتی اور بہترین کتابیں ہیں۔“ انہوں نے سیفی کی سائیڈ ٹیبل پر چار پانچ کتابیں رکھتے ہوئے کہا سیفی نے قدرے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

”اس میں وہاں کی چند بہترین ریسٹوران کی تصاویر ہیں۔“ انہوں نے لیپ ٹاپ کو بھی وہیں رکھتے ہوئے کہا۔

”میں جانتا ہوں تم اپنا ریسٹوران کھولنا چاہتے ہو میرے بزنس اور دولت سے تمہیں کوئی دلچسپی نہیں یہ دولت تو بس عیاشی میں اڑانے بلکہ برباد کرنے کے لئے تم استعمال کرتے ہو اور تصاویر بنا کر اپنے لئے رقم جمع کر رہے ہو تم میرے ساتھ اس سلسلے میں ذیل کر سکتے ہو کیا میں تمہارا سالکٹ پارٹنر بن سکتا ہوں آئی مین پیسہ میرا اور محنت تمہاری میں بھی انٹرفیئر نہیں کروں گا کہ تم کہاں کیسا ریسٹوران بنا رہے ہو۔“ انہوں نے بات کا آغاز کیا۔

”بیٹا گزشتہ ردیوں کے بارے میں اگر صفائی دینا چاہوں تو شاید غلطی ہی ہوگا، مجھے اعتراف ہے کہ دولت بنانے کے چکر میں، میں اپنی ذات ہی فراموش نہیں کی بلکہ تمہاری طرف سے بھی غفلت برت گیا تم جب جب کلاس میں فرسٹ آتے تھے میں کاروبار کے سلسلے میں کہیں نہ کہیں مصروف ہوتا تھا میں فون کرتا تھا لیکن یہ میری موجودگی کا نعم البدل تو نہیں تھا میری لاپرواہی کی وجہ سے بہت دور ہو چکے تھے بہت بڑی بھول تھی یہ میری زبانے نارسائی اور بے وفائی کا گہرا زخم صرف مجھے ہی نہیں دیا تھا بلکہ زخمی تو تم بھی ہوئے تھے میرا یہ گمان غلط تھا کہ ایک



سات سال کے بچے کو ان سب باتوں کا کیا پتہ اگر ہم دونوں اس وقت اس دکھ، غم اور درد میں اکٹھے ہو جاتے تو بہت جلد وہ غم ہلکا پڑ جاتا یوں ہمارے اندر پل کر روگ کی صورت اختیار نہ کر جاتا، زیبا نے مجھے کم دولت کا طعنہ دیا تھا اور میں دولت کمانے کے چکر میں اپنی اصل دولت کو گنوا بیٹھا میری اصل دولت تو تم تھی دن رات کر کے میں نے دولت کمائی جانتے ہو کس جنون کے تحت۔“ انہوں نے خاموشی سے سنتے سیفی کی جانب دیکھتے پوچھا اور جواب کا انتظار کیے بغیر پھر بات کا سلسلہ جوڑا۔

”کہ ایک دن مجھے زیبا ملے اور اپنے شوہر سے زیادہ میرے پاس دولت دیکھ کر اس کی نظروں میں پچھتاوے کا رنگ دیکھ کر میں اپنے اندر بھڑکتی آگ کو بجھا سکوں اور وہ وقت آیا بھی دوئی میں وہ مجھے ایک مینٹل ہسپتال میں ملی اس کی ذہنی حالت ابتر تھی اس کے پاگل پن کے دوروں سے تنگ آ کر اس کا چوتھا شوہر اسے وہاں پر داخل کر گیا تھا میرا ایک دوست وہاں پر ڈاکٹر تھا اور میں بس یونہی اس سے ملنے گیا تھا، جب زیبا کو دیکھا اس کی آنکھوں میں پچھتاوے کا رنگ تو کیا میں اپنے لئے پہچان کا رنگ بھی نہ دیکھ سکا وہ میرے لئے باعث عبرت تھی تو میں خود اپنے لئے بھی باعث عبرت بن گیا دل یہ بوجھ سہار نہ پایا اور مجھے ہارٹ ایک ہوا تب بس زندہ رہنے کی خواہش اس لئے تھی کہ میں تمہارے پاس آنا چاہتا تھا اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگ کر تمہارے ساتھ زندگی شروع کرنا چاہتا تھا میں ہسپتال میں تمہیں پکارتا رہا اور روتا رہا وہیں پر مجھے اطلاع ملی کہ زیبا نے ہسپتال کی چوکی منزل سے کود کر خودکشی کر لی میرے اسی ڈاکٹر دوست نے بتایا جس کے ہسپتال میں زیبا زیر علاج تھی دل کا درد اتنا سوا ہوا

کہ مجھے لندن ہائی پاس کے لئے جانا پڑا بائی پاس کے بعد بھی میں وہاں پر زیر علاج رہا اور مکمل طور پر صحت مند ہونے کے بعد تمہارے پاس آیا میں نے اپنی بیماری تم سے چھپا کر رکھی میں تم سے ہمدردی نہیں بلکہ پیار چاہتا تھا میرا خیال تھا کہ میں اپنی کوتاہیوں کو بہت جلد سدھار لوں گا تمہیں بتاؤں گا کہ تمہارا یہ بے وقوف باپ تم سے کتنی محبت کرتا ہے تمہاری آواز سننے کے لئے تمہارا بیزار اور گستاخ لہجہ بھی ہنسی خوشی برداشت کرتا رہا اور مجھے یقین تھا کہ تمہارا دل میری سچی محبت پر ایک دن ضرور کھل جائے گا لیکن جس رات میں یہاں آیا تمہارا اور ماہ نم کا مسئلہ سامنے تھا اور میں بلکہ تم بھی اس میں الجھ گئے اور جس وقت تمہیں گولیاں لگیں ڈاکٹر نے تمہاری حالت پر قدرے مایوسی کا اظہار کیا تو یہ دل بند ہونے لگا لیکن میں اپنے خدا کے آگے سجدے میں گر گیا میری اس سے یہی فریاد تھی کہ میرے بیٹے کو مجھے لوٹا دے، بس ایک موقع دے دے کہ میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ سکوں میں تمہارا گناہ گار ہوں بیٹا کیا تم اپنے نالائق سے گناہ گار باپ کو معاف کر سکتے ہو۔“ انہوں نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے تھے سیفی تڑپ ہی اٹھا بیٹا چاہے جتنا بھی ناراض ہو باپ کو ہاتھ جوڑتے بالکل نہ دیکھ سکتا اس نے تیزی سے اپنے بائیں ہاتھ سے ان کے جڑے ہاتھ تھام لئے۔

”پلیز ایسا مت کریں۔“ وہ بس یہی کہہ پایا اور مختار صاحب ہچکیوں کے ساتھ روتے چلے گئے ان آنسوؤں میں وہ اپنی تمام کوتاہیوں اور پچھتاوے دھولینا چاہتے تھے۔

☆☆☆

وہ زیبا کے متعلق جان کر اپ سیٹ ہوا تھا اس کی حد سے زیادہ غم روئی اور اکٹھا سا رو یہ وہ



بھی صرف ماہِ نم کے لئے اس بات کی گواہی دے رہے تھے ماہِ نم مختار صاحب سے یہ سب پہلے ہی جان چکی تھی اور اسی نے مشورہ دیا تھا کہ سیفی کو تمام حقائق سے آگاہ کیا جائے وہ سیفی کو جتنا جان چکی تھی اس کے اس رویے کے لئے ذہنی طور پر تیار تھی لیکن کانشا جھنے پر بے ساختہ سی کو دبا کر مسکراتا اتنا آسان تو نہیں۔

صبح سویرے نماز کے بعد وہ باغ میں سے خوبصورت پھول توڑ کر سیفی کے کمرے میں آ کر سجاتی وہ ٹائٹ پر سن تھارات دیر تک جاگنے کے باوجود وہ صبح سویرے اٹھ جاتا اور ماہِ نم بھی سارے دن کاموں میں مصروف ہونے کے باعث جلد ہی تھک کر سو جاتی اور چونکہ سیفی کو بارہ ایک بجے سے پہلے نیند نہیں آتی تھی تو وہ کبھی اسے آواز دے کر یا اس کے سیل پر کال کر کے اسے جگا دیتا کبھی کہتا واش روم جانا ہے، کبھی پاس پڑے پانی کی بوتل سے پانی پینا ہوتا لیکن خود گلاس میں ڈالنے کی بجائے اسے جگا دیتا اور کبھی چادر کو اپنے سینے تک اوڑانے کو کہتا اور کچھ دیر بعد وہی چادر اتارنے کو کہتا اس دوران وہ اسے کوئی نہ کوئی ایسا جملہ بھی کہہ جاتا جسے سن کر اس کی کان کی لوئیں تک سرخ پڑ جاتی وہ جانتی تھی وہ یہ سب اسے تنگ کرنے کے لئے اس کی برداشت آزمانے کے لئے کرتا تھا وہ عورت کی محبت اور محبت کی برائست کے ہر ناروا سلوک کو بے حد مستقل مزاجی اور خندہ پیشانی سے برداشت کر رہی تھی، لیکن یہ سب اتنا آسان تو نہیں تھا خاص طور پر جب وہ موبائل پر اپنی دوست لڑکیوں سے بے ہودہ گفتگو کر رہا ہوتا تھا یا پھر بعض اوقات اسے بری طرح سے ڈانٹ کر رکھا دیتا اور آج رات تو اس نے عجیب ہی فرمائش کر ڈالی تھی وہ ابھی سوئی ہی تھی کہ سیفی کی پکار سن کر اٹھ گئی اور

جلدی سے اس کے پاس آئی۔  
”کیا چاہیے؟“ اس کی آنکھوں میں کچی نیند کا خمار تھا گلابی ڈورے آنکھوں کے حسن میں اضافہ کر رہے تھے۔

”دو گلاس ڈرنک بنا دو۔“ ماہِ نم کو صحیح طرح سمجھ نہ آیا اور دوبارہ استفسار کرنے پر اس نے جس چیز سے ڈرنک بنانے کو کہا وہ بدک کریوں پیچھے ہٹی جیسے کسی بچھونے ڈنک مارا ہو۔

”میں اس گندی چیز کو کبھی ہاتھ نہیں لگاؤں گی۔“ اس کے صاف انکار پر سیفی تپ گیا تھا۔  
”ہونہہ بیوی صاحبہ آپ کے تو دعوے کمزور پڑنے لگے شوہر ہوں تمہارا میرا ہر حکم ماننا تمہارا اولین فرض ہے ناں۔“

”ہاں بالکل لیکن وہ حکم جو مذہب کی حد میں آئے اور یہ تو..... چھی میں تو کبھی اس حرام اور گندی چیز کو دیکھ بھی ناں سکتی سخت نفرت ہے مجھے اس سے۔“ وہ جلدی سے بولی تھی۔

”اوں پھر تو تمہیں مجھ سے بھی نفرت ہوگی محبت کا بس ڈرامہ ہی ہیں ناں۔“ وہ اپنے خیال کی تصدیق پر جلدی سے بولا تھا غصے سے اب اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا۔

”آپ کی اس عادت سے نفرت ہے آپ سے نہیں۔“ وہ دھیمے سے گئی۔  
”دیا ہوں ی، اس کا اعتبار بیٹنے کے لئے اقرار وفا کرنا اسے بے حد مشکل لگتا تھا لیکن یہ بہت ضروری تھا۔

”میں نے کہا ڈرنک بناؤ۔“ اس کے جواب پر لا جواب ہوتا وہ قدرے بلند اور سخت لہجے میں بولا تھا۔

”سوری میں یہ کبھی نہیں کروں گی۔“ ماہِ نم سنجیدگی سے جواب دیتی فرش پر بچھے اپنے بستر کی جانب بڑھ گئی تھی وہ اس خواہ مخواہ کی بحث کو طول نہیں دینا چاہتی تھی۔



”گوٹو ہیل۔“ سائیڈ کی دیوار پر زور سے گلاس مار کر سیفی چلایا تھا وہ اندر سے اس کے غصے سے خائف ہو گئی تھی۔

”اگر یہ تمہاری ضد ہے تو میری بھی ضد ہے جب تک اپنے ہاتھوں سے ڈرنک بنا کر نہیں پلاؤں گی تب تک میں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا اور اس وقت دفعہ ہو جاؤ میرے کمرے سے میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا جسٹ گیٹ لاسٹ۔“ ٹوٹے ہوئے گلاس کی کرچیاں پختے ہوئے ماہ نم کے کانوں میں اس کے سخت جملے سخت لہجے میں ادا کیے گئے انڈیلے گئے تھے وہ خاموشی سے باہر نکلتی چلی گئی تھی اور لاؤنج کے صوفے پر جا کر دراز ہو گئی تھی وہ سمجھ چکی تھی کہ سیفی ڈرنک کر کے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر اپنے ماضی کو بھلانا چاہتا ہے زیبا کے متعلق جان کر اس کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے اور وہ ان سے اٹھنے والی ٹیس سے بچنے کے لئے ام النجاشٹ کا سہارا لینا چاہتا ہے جو ماہ نم کبھی نہیں ہونے دے گی اسے حقائق کا جواں مردی سے سامنا کرنا ہوگا چاہے وہ کتنے ہی تکلیف زدہ اور تلخ ہو وہ یہ سب سوچتی ہوئی نیند کی وادی میں کھو گئی تھی۔

لیکن وہ اتنا ضدی ثابت ہو گا اس کا اندازہ نہیں تھا اسے سارا دن اس نے واقعی کچھ نہیں کھایا پیا تھا حتیٰ کہ کدوائی تک نہیں لی تھی یہاں تک کہ جو ڈاکٹر وہ سرے تیسرے دن چیک اپ کرنے آتا اس سے چیک اپ کروانے سے بھی انکار کر دیا اور بینڈیج بھی نہیں بدلوائی تھی، مختار صاحب کا کا جان جب بھی اس کے کمرے میں گئے کچھ کہنے کے لئے وہ سوتا بن گیا یا پھر کچھ کہنے سے پہلے ہی اس نے واضح ٹوک دیا تھا کہ فی الحال اسے کچھ سمجھایا نہ جائے وہ پہلے جیسا جنگلی، خود سر، ضدی سیفی بن گیا تھا ماہ نم نے اسے بار بار سمجھانا چاہا

لیکن اس کی التجا کے جواب میں وہ ایک ہی بات کرتا کہ تم میری بات مان لو تو میں تمہاری مان لوں گا یہ ناممکن تھارات ہونے کو آئی تھی وہ سب بے حد پریشان تھے صبح سے ماہ نم نے بھی کچھ نہیں کھایا تھا اس کے بھوکے پیاسے رہنے کی وجہ سے وہ خود بھی بھوکی پیاسی تھی اور اس کے روئے پر افسردہ اور پریشان بھی لیکن اب کی دفعہ سیفی کو اپنے روئے میں لچک لانا ہو گی یہ خود اس کی ذات کے لئے بے حد ضروری تھا اپنے اصول کے لئے وہ چٹان کی طرح سخت تھی سیفی کی ضد بے جا تھی لہذا اسے ہی یہ ضد چھوڑنا پڑے گی ماہ نم بہت بڑا رسک لے چکی تھی لیکن اس کی ثابت قدمی ہی سیفی کے خود سربیت کو توڑ سکتی تھی اگر ایک بار اس کا یہ خول چٹخ جاتا تو اسے پورا یقین تھا کہ اندر سے نرم خوشچا اور حساس سیفی نکل آتا۔

وہ بے حد نقاہت محسوس کر رہی تھی سیفی کے روئے نے اس کے اعصاب کو تناؤ کا شکار کر دیا تھا آخر کار وہ نماز عشاء سے فارغ ہو کر یونہی سو گئی تھی بونے سے پہلے بھی اس نے بہت کوشش کی کہ سیفی کو کچھ کھانے پر آمادہ کرے لیکن اس کی نااہاں میں نہ بدلی اب جبکہ وہ ٹھیک ہو رہا تھا زخم بھرنے لگے تھے اب تو وہ دو تین قدم بھی اٹھا لیتا تھا جسم کو کسی حد تک حرکت دے لیتا تھا وہ خود بھی جلد از جلد ٹھیک ہونا چاہتا تھا اس لئے درد کو برداشت کرتے ہوئے ہلکی پھلکی ورزش کرتا رہتا تھا اس کی دل پادور کافی اسٹراٹج تھی ڈاکٹر اتنی جلدی رو بصحت ہوتے دیکھ کر اپنی حیرانگی کا اظہار کرتا تھا اور آج وہ اپنی اور سب کی محنت اور سب کی دعاؤں کو پھر سے اکارت کرنے پر تلا ہوا تھا فضول سی ضد کے پیچھے۔

یہ ایک ویران اجاڑ سا جنگل تھا جس میں ایک درخت پر جھولا لٹکا ہوا تھا ماہ نم وہ جھولا لے



ہے جب سامنے سیفی کو دیکھا تھا تو وہ اس سے لپٹ گئی بدن ابھی تک کانپ رہا تھا اور جسم سارا پسینے میں نہا چکا تھا کمرے میں اسے سی کی خشکی کے باوجود۔

وہ بس اس کے گریبان کو اپنی دونوں مٹھیوں میں جکڑے اس کے سینے کے ساتھ لگی روتی چلی گئی۔

”شی، شی، بس، بس میں ہوں تمہارے پاس گھبراؤ مت۔“ وہ اس کے بالوں کو سہلاتے اسے چپ کرانے کی کوشش کر رہا تھا اس کے اعصاب بہت بری طرح سے تناؤ کا شکار ہوئے تھے درنہ ایک خواب سے اتنی بری طرح سے ڈرنے والی نہیں تھی۔

”سیفی! سیفی وہ..... وہ مجھے مار ڈالے گا، جھ..... جھ..... جھولے سے، مجھے ڈر لگتا ہے بلندی سے وہ..... وہ جانتا ہے..... وہ مجھے مار ڈالے گا۔“ وہ بے ربط ہو کر روتی ہوئی بولی تھی وہ ابھی بھی خواب کے زیر اثر تھی۔

”ایسا کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں ناں، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا جسٹ ریلیکس، ریلیکس، میں ہوں تمہارے پاس۔“ اس نے بچوں کی طرح اسے بہلایا تھا اور اپنے ایک بازو کا ٹھیرا اور مضبوط کیا تھا۔

چند ہی لمحوں میں ماہ نم کے سارے حواس جاگے تھے وہ اس وقت سیفی کے کمرے میں اپنے فرش پر بچھے بستر میں سیفی کے کشادہ سینے میں منہ دے کر چھپی ہوئی تھی اس چیز کا ادراک ہوتے ہی وہ بجلی کی سرعت سے پیچھے ہٹی تھی اور پاس پڑے دوپٹے کو جلدی سے شانوں پر پھیلا یا تھا اس کے گھنے بالوں کی چوٹی بے ترتیب سی اس کے کندھے سے نیچے جھول رہی تھی اور دو تین لٹیں اس کے چہرے پر پریشان لہرا رہی تھیں وہ تیزی

رہی تھی لیکن اسے یہ سب پسند نہیں تھا کوئی اسے بہت تیز تیز جھولا دے رہا تھا ہر طرف آندھی چڑھی ہوئی تھی ایک گرد و غبار چھایا ہوا تھا جو اس کی طرف تیزی سے بڑھ رہا تھا وہ اس جھولے سے اترنا چاہتی تھی مگر جھولا تھا کہ اور تیز اور تیز ہوتا چلا جا رہا تھا وہ چیخنے لگی تھی اس نے مہاپایا کو بھی پکارا اور بار بار مڑ کر جھولے دینے والے کو جھولا روکنے کو کہہ رہی تھی لیکن وہ تھا کہ اس کی حالت کا لطف اٹھاتا قہقہے لگاتا اور تیز جھولا دے رہا تھا اب تو جھولا آسمان سے بری طرح ٹکرا رہا تھا وہ اپنی حالت کی بے بسی پر اور خوفزدہ ہو چلی تھی ویسے بھی اسے بلندی سے ڈر لگتا تھا جھولے دینے والے انسان کے قہقہے بلند تر ہوتے جا رہے تھے اتنے تیز جھکڑ میں بھی وہ پسینے میں نہا گئی تھی وہ چیخ رہی تھی تبھی وہ مدد کے لئے سیفی کو پکارنے لگی لیکن اس آندھی طوفان اور ویرانے میں کوئی اس کی پکار سن ہی نہیں رہا تھا تب تیز ترین جھولا جب نیچے آیا تو اس نے اس آدمی کا چہرہ دیکھا، وہ اس کے چچا تھے۔

”جامل لے اپنے ماں باپ سے۔“ وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولے تھے اور انہوں نے تیز جھولا دیا تھا بلندی کی جانب تیزی سے بڑھتا جھولا اس کا دل حلق میں آ گیا تھا، وہ مرنے جا رہی تھی سانس بند ہو چکی تھی۔

”ماہ نم..... ماہی..... ماہی..... ماہ نم۔“ کوئی اسے جھنجھوڑ رہا تھا پکار رہا تھا لیکن وہ تو اتنی بلندی سے گر کر شاید مر چکی تھی لیکن نہیں ابھی تو وہ گر رہی تھی۔

”سیفی!“ وہ پھر زور سے پکاری تھی۔

”ماہ نم ہوش کرو۔“ کسی نے اسے بری طرح سے جھنجھوڑا تھا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی۔ ایک پل کو اسے سمجھ ہی نہ آئی کہ وہ کہاں پر



سے خود میں مٹتی تھی اور دوپٹے کو تیزی سے سر پر اوڑھ کر لیا تھا اپنی گزشتہ حالت اور اقدام پر وہ بے طرح شرمندہ ہو گئی تھی شرم سے اس کے گال دھک اٹھے تھے۔

”آر یو اوکے؟ تم ٹھیک ہو؟“ سیفی نے اس کی حرکات کو خاموشی سے دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا پسینہ اب بھی اس کے ماتھے پر جگمگا رہا تھا اور بدن میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ موجود تھی۔

”تم شاید خواب میں ڈر گئی تھی، کافی دیر سے میرا نام پکار رہی تھی اور کافی بلند بھی میں نے تمہیں بیڈ پر بیٹھے آوازیں دیں کال بھی کی تمہارے سیل پر مگر تم جاگی ہی نہیں بس خوفزدہ سی مجھے پکارے جارہی تھی، اس لئے بڑی دقت سے چل کر اور یہ دو فلور کشن رکھ کر میں بیٹھا ہوں، کیا بہت برا خواب دیکھا ہے۔“ وہ اب بھی نرم لہجے میں بولا تھا وہ اس کی اتنی شدید حالت دیکھ کر خیران اور پریشان رہ گیا تھا اور اب بھی اس کی حالت کے پیش نظر نرمی سے بولا تھا وہ ڈری سہی گھبرائی سی لڑکی اسے دل کے بے حد قریب محسوس ہوئی تھی اس کا ڈر اس کا درد اسے اپنا لگا تھا وہ جو مختار صاحب سے زیبا کے متعلق اور خود ان کے متعلق جان کر اندر سے اپ سیٹ تھا دکھی تھا زیبا کی صورت میں جو روپ اس نے عورت کا دیکھا اور پھر جو انجام سنا وہ بے حد اپ سیٹ ہوا تھا وہ تنہائی میں رو یا بھی تھا اس عورت کے لئے جو اس کی ماں تو کبھی نہ بن سکی اور اس باپ کے لئے جسے اس کا اور اپنا قیمتی وقت ایک ضد میں ضائع کر ڈالا سو زیاں کا حساب میں بس نقصان یہ نقصان تھا اوپر سے اسی وحشت میں اس نے رات کی، ماہِ نم کے ساتھ بیکار کی ضد باندھ لی تھی وہ اسے کھانا کھانے کا اصرار کر کے آخر کار افسردہ سی، بھمی بھمی سے سو گئی تھی اور وہ جاگ رہا تھا

جل رہا تھا جیسی اسے ماہِ نم کی ہلکی ہلکی چپچپ سنائی دیں اور پھر وہ نیند میں اسے ڈر کر پکارنے لگی تھی اس نے اسے بیڈ پر بیٹھے آوازیں بھی دیں لیکن وہ بہت گہری نیند میں کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہی تھی تبھی بمشکل درد کو سہتا اور چند قدم چل کر اس کے پاس آیا اس کا جسم کانپ رہا تھا وہ پسینے میں نہائی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر بے طرح خوف چھلک رہا تھا اس نے آواز دیے کر جگانا چاہا لیکن وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہی تھی تبھی پاس پڑے دو فلور کشن رکھ کر بدقت نیچے بیٹھ کر اس نے اس کا کندھا ہلایا تھا وہ اس کی کیفیت دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا بھی اس نے اسے کندھے سے ہلاتے ہوئے قدرے سختی سے جھنجھوڑا اور آوازیں دی تھیں وہ نیند سے جاگ کر اٹھ کر تیزی سے اس کے سینے کے ساتھ لگ گئی تھی جیسے کسی سے بچ کر وہاں پر آ کر محفوظ ہو گئی ہو اس کے اتنے قریب اور اس انداز پر سیفی ایک پل کو ختم سا گیا تھا اس کے لمس کے احساس نے اس کے بالوں سے آبی خوشبو نے اور اس کے کپکپاتے نازک سے بدن نے اس کے دل کی دھڑکن تیز کر دی تھی اس کے جسم کے ہر مسام سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا وہ اس یقین کے ساتھ اس کے چٹھی تھی جیسے وہ اسے ہر بلا، ہر مصیبت سے بچالے گا اس کی بانہوں کے گھیرے میں وہ محفوظ ہے اور وہ اس وقت اس کا یقین بن گیا تھا اپنے گزشتہ رویے کو پس پشت ڈال کر وہ اس سے ایک نرم خود دوست کی طرح ہم کلام تھا۔

”مم..... مجھے بلندی سے بہت ڈر لگتا ہے فوہیا ہے مجھے بلندی کا اور خواب میں، میں نے خود کو بلندی سے گرتے دیکھا تھا۔“ ماہِ نم نے اپنی کیفیت کی وضاحت دینی چاہی۔

”خالی پیٹ سوؤں گی تو ایسے ہی برے



خواب آئیں گے مجھ سے بھوک بالکل برداشت نہیں ہوتی اور کل رات سے میں نے بھی نہیں کچھ کھایا پلیز اب کچھ کھالیں۔“ معصومیت اور بے چارگی کے تاثرات چہرے پر سجائے، اس نے آخر میں التجا کی تھی اور سیفی یہ جان کر خائف ہوا تھا کہ اس کی بلا وجہ کسی ضد میں وہ بھی اس کے ساتھ بھوک پیاسی بیٹھی ہے دن رات اس کی حصار داری میں وہ خود کو بھی بھلائے ہوئی تھی وہ زیبا کی ناکام زندگی کا بدلہ انجانے میں اس سے لینے لگا تھا لیکن وہ خاموش ہی رہا تھا وہ اس کے بدلتے رویے پر حیران تھا محض کوئی کسی کا احسان اتارنے یا چند دن کی ہمدردی دکھانے کے لئے دن رات خود کو بھلائے صرف اسی کی فکر میں غلطیاں نہیں رہ سکتا وہ یہ اچھی طرح سے جان چکا تھا کہ اب وہ اسے ناپسند ہرگز نہیں کرتی تو کیا وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اس کا وہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھا۔

”بیڈ پر بیٹھ جائیے آپ کو یہاں یوں بیٹھنے پر دقت ہو رہی ہوگی۔“ اس نے اٹھ کر سیفی کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا دلگرفلی اس کے چہرے سے عیاں تھی سیفی نے کھانے کے متعلق سوال پر کچھ نہیں کہا تھا۔

وہ خاموشی سے اس کی نازک ہاتھ تھام کر اٹھا تھا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا بیڈ پر آن بیٹھا تھا۔

”سیفی! سچ میں مجھے بہت بھوک لگی ہے۔“ وہ بے چارگی سے بولی تھی اور سیفی پہلی بار اس کے منہ سے اپنا نام سن کر چونکا تھا۔

”تو کھانا کھا لو۔“ اس نے بے نیازی برتنی

چاہی۔

”نہیں آپ جب تک نہیں کھائیں گے تب تک میں بھی نہیں کھاؤں گی پلیز سیفی آپ کے

لئے کھانا کھانا بہت ضروری ہے دوائیں بھی نہیں کھائیں پلیز یہ مت کریں۔“ وہ روہاسی ہو گئی تھی صبح سے اس کی قمتیں کر کے تھک گئی تھی۔

”جاؤ جا کر سو جاؤ۔“ اس کی خوبصورت آنکھوں میں آئی نمی سے نظریں چراتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”نہیں سونا مجھے آپ سمجھتے کیوں نہیں اس طرح سے خود کو اذیت دے کر آپ کو کیا مل رہا ہے ہم سب تکلیف میں ہیں میں آپ کو بالکل صحت مند دیکھنا چاہتی ہوں اور اب جبکہ آپ ٹھیک ہو رہے ہیں تو اس انسان کے لئے خود کو تکلیف دے رہے ہیں جو نہ کل تھا نہ آج اور نہ مستقبل میں آئے گا ایسا مت کریں آپ ہم سب کے لئے اہم ہیں کا کا جان، اکل بہت پریشان ہیں ہم سب، سیفی آپ کو بالکل ٹھیک ہونا ہے ہم سب کے لئے ماضی کے تلخ اور کڑے حقائق کو ہوش و حواس سے چند لمحوں کے لئے بیگانہ ہو کر فراموش کرنا چاہیے، حقیقت کا سامنا کریں جواں مردی کے ساتھ ماضی میں جینا چھوڑ دے اور حال کو اپنا لے مستقبل خود ہی بہترین ہو جائے گا اس ایک عورت کا بدلہ ہم سب کی محبت سے مت لیں آپ کو کھانا کھانا پڑے گا سن لیا آپ نے۔“ روتی ہوئی وہ بے حد غصے میں بولتی چلی گئی تھی اور سیفی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتا رہ گیا تھا وہ راز جو وہ خود سے بھی چھپائے بیٹھا تھا وہ لڑکی نا صرف جانتی تھی بلکہ اسے اس معاملے میں قصور وار بھی نہیں مانتی تھی جلتے دل پر کسی نے نرم سا پھار رکھا تھا غصے میں چلتی ہوئی وہ کمرے میں رکھی فریج میں سے جوس کا گلاس لے کر آئی اور سیفی کی طرف بڑھایا۔

”چپ چاپ اسے پی لیجئے۔“ دمکی بھرے انداز میں کہا گیا اور سیفی نے اسے شعلہ بار نظروں



نہند میں تھی سیفی نے ایک کونے میں سٹ کر لیٹے  
وجود کی محتاط پسندی کو نوٹ کیا اور بیڈ سے ٹیک لگا  
کر سینے سے لمبی سانس خارج کی۔

☆☆☆

”یوں حادثاتی طور پر گزر جانا افسوس ہوا۔“  
انکل نے افسوس کرنے کی رسم نبھائی لیکن سیفی  
خاموش ہی رہا۔

”نمبر سینڈ مت کرو، اکاؤنٹ نمبر اس کی  
ضرورت نہیں تم میری ذمہ داری ہو اور ابھی یہ  
سب تازہ ہے کوئی دور پرے کا رشتے دار اٹھ کر  
پر اہلم نہ کر دے۔“ کچھ دیر بعد سیفی بولا تھا۔  
”وہ تمہارا حق ہے لیکن میرا خیال ہے تمہیں  
اس پر اہلم سے دور ہی رہنا چاہیے۔“ وہ مزید گویا  
ہوا، مختار صاحب نے بھی تائیدی انداز میں سر  
ہلایا تھا۔

”میرا بھی اس جائیداد میں سے حصہ لینے کا  
کوئی ارادہ نہیں جو وقت پر میرے بابا کے کام نہ آ  
سکی میں اس مصیبت کو اپنے گلے ڈالنے کا ارادہ  
نہیں رکھتی اسی لئے میں نے کہا تھا کہ وہ یہ سب  
فروخت کر دے یا تقسیم کر دے لیکن ان کے  
اصرار پر میں ٹال دینے کے لئے حامی بھرتی تھی  
پھر اگر ان کا فون آیا تو واضح کہہ دوں گی۔“ ماہ نم  
نے بھی دل کی بات کہہ ڈالی، اسے چچا کی موت کا  
افسوس تو ہوا تھا لیکن اب اس سر پر سے لنگی تلوار  
ہٹ گئی تھی رات خواب کا مطلب اسے سمجھ آ گیا  
تھا بلندی سے وہ نہیں بلکہ اس کے چچا گرے تھے  
موت کا وقت معین ہو تو ایک کاٹا بھی اس کا سبب  
بن جاتا ہے ہر فرعون یہ بھول جاتا ہے کہ موت کا  
وقت مقرر ہے اور وہ سائے کی طرح اس کے  
پیچھے لگی ہوئی ہے جب وقت آیا آن گلہ دبو چاہت  
دولت جائیداد خادم نوکر کچھ کام نہیں آتا رستم  
پہلوان جیسے لوگ پچھاڑ کھا گئے موت کے

سے گھورتے ہوئے گلاس پکڑ لیا چند گھونٹ لے کر  
اس نے سائیڈ ٹیبل پر پہنچ دیا تھا اس دوران وہ  
مایونیز کے سینڈوچ تیار کر چکی تھی اور ایک سینڈوچ  
اس کی جانب بڑھا دیا اس کی بھوک کی خاطر اس  
نے خاموشی سے سینڈوچ پکڑا اور چھوٹے  
چھوٹے نوالے کھانے لگا اس دوران وہ دو  
سینڈوچ کھا چکی تھی واقعی وہ بھوک کی بے حد کچی  
تھی پھر اسی خاموشی سے اس نے سیفی کو میڈیسن  
دی تھی، دل میں ڈرے ہونے کے باوجود اس  
نے شکر ادا کیا تھا کہ سیفی نے اپنی ضد توڑ ڈالی اور  
پھر خاموشی سے اپنے بستر پر جا کر سونے کی تیاری  
کرنے لگی جیسی سیفی بولا تھا۔

”تم ادھر بیڈ پر کیوں نہیں سوتی ویسے تو تم  
نے خود بیوی کے عہدے پر فائز کر لیا پھر یہ فرش  
پر بستر لگانے کا مطلب؟ مجھ سے ڈر لگتا ہے کہ  
تمہیں میں خود کو تمہارے شوہر ہونے کے عہدے  
پر فائز نہ کر دوں اور پھر اس عہدے کے جو حقوق  
ہیں وہ وصول نہ کر لوں حالانکہ ابھی تو یہ ممکن نہیں،  
تمہارے قول و فعل میں تضاد ہے۔“ نہ جانے کس  
خیال کے تحت وہ کہتا چلا گیا تھا۔

”ایسا نہیں ہے آپ کے آرام کے خیال  
سے میں یہاں سوتی ہوں کہیں میری کروٹیں لینے  
کی وجہ سے آپ ڈسٹرب نہ ہوں۔“ اس نے توجیح  
دینی چاہی۔

”نہیں میں ڈسٹرب نہیں ہوں گا آج سے تم  
یہیں پر سویا کرو اگر پھر خواب میں ڈر گئی تو میرے  
لئے مشکل ہو گا۔“ بیڈ کی دوسری جانب اشارہ  
کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے گویا ہوا، وہ خاموشی  
سے اٹھی اور دوسری جانب آ کر سر تک چادر اوڑھ  
کر لیٹ گئی وہ جانتی تھی ایسی بات پر اس کا اعتماد  
ہی اسے سیفی کے مقابل کھڑا کر سکتا ہے ورنہ اس  
کی کمزوری جانے کا تھوڑی دیر بعد ہی وہ گہری



اکھاڑے میں۔  
اس نے خود کو ان دیکھی زنجیروں سے آزاد  
محسوس کیا تھا وہ اب کھل کر آزاد فضا میں سانس  
لے سکتی تھی۔

فون ایک بار پھر بجا تھا اور ماہ نم نے نمبر  
ڈس کلیٹ کر کے اس نے فون ہی آف کر دیا تھا  
سیفی نے جانچتی نظروں سے یہ سب دیکھا اس  
نے اپنے تاثرات سپاٹ رکھے تھے لیکن وہ دل  
ہی میں ایک فیصلہ کر چکا تھا ماہ نم برتن سمیٹ کر  
کچن کی طرف بڑھ گئی تھی انکل مختار اخبار میں  
کھوئے ہوئے تھے اور سیفی نے اٹھنے سے قبل  
خاموش ایک حرکت کی جس کے بعد اس کے  
چہرے پر سختی در آئی تھی اور وہ اسٹک کا سپارا لے کر  
لابریری کی جانب بڑھا چند لمحوں قبل کی گئیں ماہ نم  
کی باتیں اسے یاد آئیں۔

”ہاں واقعی نہ وہ میرا ماضی تھی نہ حال اور نہ  
اب مستقبل میں آئے گی، میں ایک عورت کا بدلہ  
تو ختم سب نہیں لے سکتا لیکن وہ عورت میری ماں  
تھی جس نے بھول کر بھی خود کو اس قابل نہ بنایا  
اور میں ڈرتا تھا کہ جب اس عورت کی رسوا کن  
کارناموں سے تم آگاہ ہوگی تو تمہیں مجھ سے بھی  
گھن آئے گی میں اس کے وجود کا حصہ ہوں اس  
کا بے وفا خون میری رگوں میں بھی دوڑتا ہے  
لیکن آج تمہاری باتوں نے دل پر رکھا ایک  
بھاری بوجھ ہٹا دیا دل بہت ہلکا پھلکا ہو گیا ہے۔“  
بے آواز روتے ہوئے سیفی نے اس کو دل میں  
مخاطب کرتے ہوئے کہا بس آخری بار آج وہ پھر  
چھپ کر اس عورت کے نام پر رو لینا چاہتا تھا جو  
اس کی زندگی کا ایک تاریک پہلو تھا بس آخری بار  
گہری ہوتی خاموش رات اس کے ساتھ تھی۔

☆☆☆

ماہ نم کے سیل پر کسی کی کال آ رہی تھی ماہ نم

نمبر دیکھ کر کوفت سے کال کاٹ دی وہ اس وقت  
باغ میں سیفی، مختار انکل اور کا کا جان کے ساتھ  
موجود تھی وہ سب گرین ٹی کا لطف لے رہے تھے  
اور سیفی کی فرمائش پر کا کا جان نے پکڑے بنائے  
تھے بند گوبھی کے پکڑے جو وہ صرف کا کا جان  
کے ہاتھوں کے بنے پسند کرتا تھا فون پھر بجا تھا ماہ  
نم نے جلدی سے کال کاٹی اس وقت مختار انکل  
اور کا کا جان سیفی کے بچپن کی باتیں دہرا رہے  
تھے اور سیفی حیران ہو رہا تھا کہ اس کے ڈیڈ کو اس  
کے متعلق بہت سے واقعات یاد تھے وہ اس سے  
اتنے بے خبر کبھی نہیں رہے تھے جتنا وہ سمجھتا تھا  
بدگمانی کے بادل چھٹ چکے تھے گو وہ ان سے مکمل  
طور پر فریجک تو نہیں ہو پایا تھا لیکن صدیوں پر  
محیط فاصلہ سمٹ چکا تھا ماہ نم بھی اس کی باتوں سے  
لطف اندوز ہو رہی تھی فون ایک بار پھر بجا تھا۔

”کس کا فون ہے بیٹا۔“ مختار انکل نے بار  
بار فون کاٹنے پر آخر پوچھ ہی ڈالا۔

”کوئی رائگ نمبر ہے۔“ ماہ نم نے جلدی  
سے جواب دیا اور اپنی اندرونی گھبراہٹ چھپانے  
کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”میں رات کے کھانے کی تیاری کر لوں۔“  
اتنا کہہ کر وہ کچن کی جانب بڑھی تھی۔

”بھئی مجھے پرہیزی کھانوں سے کب  
نجات ملے گی۔“ مختار صاحب نے مسکین شکل بنا  
کر پوچھا تھا۔

”ابھی کچھ دن اور باکی پاس کروائے آپ کو  
زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔“ ماہ نم بارعب انداز میں  
کہتی اندر چلی گئی اور مختار صاحب اس کے انداز  
پر بس مسکرا کر رہ گئے۔

”کا کا جان اللہ نے بیٹے جیسی نعمت تو دے  
رکھی تھی بیٹی جیسی رحمت بھی عطا کر دی۔“ انہوں  
نے کا کا جان سے تشکرانہ انداز میں کہا اور کا کا



جان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”لیکن یہ نعمت آپ کے لئے ہمیشہ رحمت بنی رہی۔“ کب سے خاموش بیٹھے سیفی نے کہا تھا۔

”نہیں ایسا بالکل نہیں وہ تو میری کوتاہیاں.....“ مختار صاحب نے اس کے خیال کی جلدی سے تردید کرنا چاہی۔

”ڈیڈ میں اس کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں جب آپ تنہا پردیس میں آپریشن کر رہے تھے ایک جوان جہان بیٹے کے ہونے کے باوجود اس وقت کوئی آپ کا ہاتھ تھام کر یہ کہنے والا نہیں تھا سب ٹھیک ہو جائے گا آپ کا آپریشن کامیاب رہے گا آپ نے اس عورت کا انجام اکیلے ہی اپنی ذات پر جھیل ساری عمر جس جنون میں گزار دی آخر میں پتہ چلا کہ وہ کسی کے لئے کچھ معنی ہی نہیں رکھتا سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے انسان کی کیا حالت ہوتی ہے مجھ سے بہتر کون جانتا ہے ہم دونوں کا ہی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ نادانی کی نظر ہو گیا لیکن اب ایسا نہیں ہو گا آئی پر اس۔“ مختار صاحب اور کا کا جان حیرت سے گنگ بیٹھے سیفی کو سن رہے تھے وہ مغرور نقوش والا اکھڑ، ضدی مگر حسین نو جوان سیفی ہی تھا انہیں یقین نہیں آیا تھا مختار صاحب بے اختیار اٹھ کر سیفی کو گلے لگایا ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے وہ تینوں جذباتی ہو کر رو رہے تھے اور غروب ہوتی شفق نے یہ منظر مسکراتے ہوئے دیکھا کہ ہر برسات کے بعد آسمان نیا دھلا اور نکھرا ہی ہوتا ہے۔

☆☆☆

رات وہ سب ڈنر کر رہے تھے سیفی اب کافی حد تک چل پھر لیتا تھا ماہ نم اسے باغ میں سیر بھی روزانہ کراتی تھی اور صحت کا بہت خیال رکھتی تھی سیفی کی فرمائش پر وہ سب لوگ ڈاننگ ٹیبل پر

کھانا کھا رہے تھے انکل مختار صاحب حسب عادت ماہ نم کے لذیز کھانوں کی تعریف کر رہے تھے مگر سیفی خاموشی سے کھانے میں مگن تھا ماہ نم کے ساتھ اس کا رویہ بدلا نہیں تھا کا کا اور مختار صاحب نے اس سلسلے میں فی الحال خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

ماہ نم کے فون پر پھر کال آرہی تھی اس نے تیزی سے نمبر ڈس کنکٹ کرنا چاہا جب پھپھو کانگ دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

”پھپھو کا فون آرہا ہے۔“ اس نے حیران ہوتے ہوئے بتایا۔

”سن لو بیٹا۔“ مختار صاحب نے متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

دوسری طرف کی بات سنتے ہوئے ماہ نم کا چہرہ سفید پڑتا دیکھ کر سب کو متوجہ ہونا پڑا۔

”کب ہوا یہ؟“ ماہ نم کے گلے سے زندگی آواز نکلی تھی۔

”نہیں پھپھو مجھے ضرورت نہیں آپ وہ سب غریبوں میں تقسیم کر دیں۔“

”جی ٹھیک ہے میں بتا دوں گی بلکہ سینڈ کر دوں گی۔“

”جی میں..... میں ٹھیک ہوں اور بہت خوش بھی، آپ کو حوصلہ اور ہمت کرنا ہوگی بہت

بھاری ذمہ داری آپ پر آگئی ہے اللہ آپ کی مشکلیں آسان کرے، جی میں سمجھ گئی ہوں، اوکے اللہ حافظ۔“ کچھ دیر کی بات چیت کے بعد اس نے فون بند کر دیا تھا۔

”چچا جان پرسوں حویلی کی سیڑھیوں سے گر کر انتقال کر گئے۔“ اس سرسراتے ہوئے لہجے میں سب کو اطلاع دی اور پھر مزید بولی۔

”پھپھو کہہ رہی تھی کہ بابا کی جائیداد میں جو حصہ بنتا ہے وہ بچ کر وہ رقم میرے اکاؤنٹ میں



ٹرانسفر کروا دی جائے گی اکاؤنٹ نمبر چاہیے تھا انہیں اس سلسلے میں کیونکہ اب اس خاندان میں کوئی مرد تو بچا نہیں جو اتنی جائیداد کی حفاظت کرے اور پھپھو ویسے ہی گوشہ نشین ہو چکی ہیں لہذا انہوں نے تمام جائیداد فروخت کرنے کا فیصلہ کیا ہے میں نے کہا تو مجھے نہیں چاہیے لیکن ان کا اصرار تھا اور دوسری ہدایت انہوں نے یہ کہ میں گاؤں نہ آؤں جو انواہ چچا نے میرے متعلق اڑائی وہ اسے قائم رکھنا چاہتی ہیں تاکہ مجھے کبھی کسی سے کوئی خطرہ نہ ہو۔“ ماہ نم نے تعصلاً بتایا۔

”جانتا ہوں کہ سیفی پر گولیاں کس نے چلاوائیں اس وقت وہ کسی کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا اسے سوچنا تھا اور فیصلہ کرنا تھا وہ آج دل کی نہیں دماغ کی سننا چاہتا تھا اسے دماغ کی مانی تھی چونکہ آج کل وہ اسٹک کے سہارے چل لیتا تھا زخم بھر رہے تھے تو وہ کبھی باغ میں ٹہل لیتا، لائبریری میں کوئی بک پڑھ لیتا، مختار صاحب کے ساتھ شطرنج کھیلتا وہ دونوں باب بننا ایک دوسرے کو خوب وقت دے رہے تھے پچھلی کیاں دور کی جا رہی تھیں ایسے میں ماہ نم کا تیسرے فریق کے طور پر ان کے ارد گرد اس کی موجودگی دونوں کو اچھی لگتی تھی چونکہ وہ آج کل کچھ وقت لائبریری گزارتا تھا لہذا یہ ایک معمول کی بات تھی ماہ نم اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو چکی تھی اور مختار صاحب کا جان کے ساتھ سبزیوں کا معائنہ کرنے چلے گئے وہ سب ان چھٹیوں کو خوب انجوائے کر رہے تھے فارم ہاؤس میں خوب رونق تھی جس کی اصل وجہ یقیناً ماہ نم تھی۔“

”عامم گھر واپس آچکا ہے ان فیکٹ اس کی پوری فیملی واپس آچکی ہے میں نے ایک بندہ اس کے گھر کے بارنگرانی پر مامور کیا ہوا تھا اس نے

اطلاع دی ہے۔“

”نام لینے سے تمہارا بھی ذکر لازمی ہوتا ہے اور یوں یہ بات پھیل جاتی اور مجھے اپنی بہو کی عزت اور اپنے خاندان کی عزت سب سے عزیز ہے لہذا میں نے صبر کر لیا اور سیفی پر حملے کی خبر کو میں نے کتنے جتن کر کے میڈیا والوں سے چھپایا پولیس کو خاموش کر دیا ہے یہ میں ہی جانتا ہوں آہ کاش کوئی جان سکے کہ تقدیر اس کی قیمت میں کیا لکھ چکی ہے تو شاید کوئی کسی کا برا نہ کرے۔“ انکل مختار نے سنجیدگی سے کہا تھا ماہ نم کو افسوس تو ہوا تھا لیکن اسے لگا تھا جیسے اس کے سر پر لنگتی تلوار اب ہٹ چکی ہے وہ آزاد ہے اور اب اسے رات کو دیکھے ہوئے خواب کا مطلب سمجھ آیا تھا بلندی سے وہ نہیں اس کے چچا گرے تھے نہ جانے اس کی چھٹی حس نے یہ خواب اسے کیوں دکھایا وہ بس سوچتی رہ گئی۔

سیفی خاموشی سے کھانا کھا کر اٹھ گیا تھا اس نے اپنے کسی بھی قسم کے جذبات کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن وہ ایک فیصلہ کن ارادہ کر چکا تھا۔

☆☆☆

”عامم گھر واپس آچکا ہے ان فیکٹ اس کی پوری فیملی واپس آچکی ہے میں نے اپنا ایک بندہ اس کے گھر کے پاس رکھوالی کے لئے چھوڑ رکھا تھا اس نے اطلاع دی ہے۔“

رات جب سونے کے لئے محتاط انداز میں ماہ نم بیڈ کے دوسرے کونے پر بیٹھی تھی تو سیفی کی سنجیدہ آواز کمرے میں ابھری۔

”میں اس بات کو ختم کر چکی ہوں وہ واپس آئے یا نہ آئے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔“ وہ واضح انداز میں بولی تھی۔

”مجھے ہے سروکار اور میں نے یہ بات ختم نہیں کی اس روز تم اس کے لئے گھر سے بھاگی



رگ رگ میں اس کا زہر پھیلا ہوا تھا اتنی آسانی سے وہ اس سوچ سے نجات کیسے پالیتا۔

”بس اب ایک لفظ اور نہیں میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں اپنے کردار پر اٹھنے والی انگلی ہرگز نہیں نہ ہی اب میں تمہیں بتاؤں گی کہ اس رات میں کس مصیبت سے دوچار ہو کر عاصم کی یوں مدد لینے پر تیار ہوئی تھی، اصل میں غلطی میری ہی ہے میں نے سوچا تمہارے اندر چھپے بہترین انسان کو میں کھوج لوں گی لیکن نہیں تمہارے لئے ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر ہی ہیں ایک عورت کی بے وفائی کا بدلہ تم اس دنیا کی ساری عورتوں سے لوٹے آئی کائنات بلیوڈس، تمہاری آنکھوں پر تو شک کی پٹی بندھی رہے گی اور میں چوبیس گھنٹے اپنے ہاتھوں میں اپنا کریکٹر شوقیٹ لے کر نہیں گھوم سکتی سو مسٹر اسفند علی آج سے آپ کی اور میری راہیں جدا میں کل ہی کسی دو یمن ہاسٹل شفٹ ہو جاؤں گی۔“ وہ تن تن کرتی اٹھی تھی اور دھاڑ سے دروازہ بند کرتی کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی سیفی نے غصے میں پاس پڑا تکیہ زور سے فرش پر پھینکا تھا اماؤس کی رات اور سیاہ ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وہ ٹائٹ پرسن ہونے کے باوجود صبح سویرے اٹھ جاتا تھا اس کی آنکھ وقت پر کھلی تھی، حالانکہ رات اس نے کافی بے چین نیند لیتے ہوئے گزری تھی لیکن آج اس کا کمرہ خالی سا تھا کسی نے نماز فجر ادا کر کے اپنے پاکیزہ اور پر نور چہرے کے ساتھ اس پردم کر کے کچھ نہیں پھونکا تھا وہ دھیرے سے اٹھ کر اسٹک کی مدد سے باغ میں چند قدم واک کرنے نکلا وہ اسے کہیں نظر نہیں آئی تھی دل کچھ مضطرب ہوا تھا وہ جلد ہی واپس کمرے میں آ گیا، آج کسی نے اس کے گلہ ان میں تازہ پھول نہیں سجائے تھے اور نہ ہی مسکرائی

تھی میں نے بس تم دونوں کے بیچ آ گیا۔“ سیفی نے یکدم بھڑکتے ہوئے کہا وہ بے وقوف نہیں تھا جو بار بار ماہ نام کا فون کاٹنا سمجھ نہ پاتا اور ویسے بھی عاصم نام کی پھانس اس کے سینے میں گڑی ہوئی تھی اسے لگا کہ وہ ماہ نام محض ان کا احسان اتارنے اور اسی کی وجہ سے اس کے چچا کے ہاتھوں زخمی ہونے کی وجہ سے ہمدردی میں آ کر ایک جذباتی فیصلہ کر رہی ہے اور اسے عورت کے اس دہرے روپ سے شدید نفرت تھی اور یہ نفرت غصے کا روپ دھار کر آج ماہ نام کے سامنے آئی تھی۔ وہ ایک پل کے لئے صدمے سے گنگ بیٹھی رہ گئی تھی۔

”میں جس وجہ سے گھر سے نکلی تھی کیا آپ نہیں جانتے؟ انکل یا کا کا نے آپ کو نہیں بتایا۔“ اپنے متعلق صفائی دینا اسے دنیا کا مشکل ترین کام لگا تھا، الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر منہ سے ادا ہوئے تھے۔

”انہوں نے مجھے کیا بتانا تھا یا میں نے کیا پوچھنا تھا کیا میں خود نہیں جانتا عاصم نے خود مجھے فون پر بتایا تھا کہ تم دونوں نکاح کرنے جا رہے ہو اور اس رات کیا تم عاصم سے کسی لیکچر کو ڈسکس کرنے نکلی تھی کس کو فریب دے رہی ہو تم عورت کے اس مکار اور بے وفا روپ سے بہت اچھی طرح واقف ہوں میں۔“ وہ جھٹکا تھا تمام حقائق کا بغور مطالعہ کرنے کی بجائے وہ غصے میں جو منہ میں آیا بولتا چلا گیا ماہ نام کا یوں گھبرا کر فون کاٹنا اور رائنگ نمبر کہنا جبکہ وہ خود موقع پا کر اس کا سیل چیک کر کے عاصم کی بے شمار کالز دیکھ چکا تھا اگر وہ فینر تھی تو سچ کہتی چھپاتی کیوں وہ یہ سب برداشت نہیں کر پایا تھا اور آخر کار اس پر چلا اٹھا درحقیقت اس کی اصلیت اس پر ظاہر کرنے کے لئے وہ عورت کے بے وفا روپ سے ڈسا ہوا تھا



آواز کے ساتھ ناشتے میں کیا بناؤں پوچھا تھا۔  
 ”اور جب وہ کسی مشکل سی ڈش کا نام لیتا تو وہ اپنی چھوٹی سی ناک ہلکی سے چڑھا کر کہتی۔“  
 ”اوہ یہ مجھے آتی تو ہے لیکن شاید آپ جتنی اچھی نہ بنا پاؤں آپ جب بالکل ٹھک ہو جاؤ گے تو میں آپ سے ایسی تمام ڈشز بنانا سیکھوں گی کا کا بتاتے ہیں یو آر بیسٹ کک بچپن سے ہی آپ کو کوئنگ کا جنون ہے۔“

وہ بہت اچھا لگاتی تھی اور اس کے چکھنے پر پر امید نظروں سے دیکھتی تھی لیکن اسے زچ کرنے کے لئے وہ کچھ نہ کہتا تب وہ تھوڑا سا منہ پھلاتی اسے اس کی یہ ادا بہت اچھی لگتی لیکن چہرے پر آنے والی مسکراہٹ چھپا جاتا۔

کچھ ہی دیر بعد شکور اس سے ناشتے کو پوچھنے آیا تو اس نے بے دلی سے لانے کو کہہ دیا اب دل حقیقی معنوں میں بے چین ہوا اٹھا تھا تو کیا ان کے درمیان جدائی کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے کیا واقعی وہ یہ گھر چھوڑ کر چلی گئی۔

”ہونہہ اس میں تو وہ ماہر ہے۔“ وہ پھر سے زہر خند ہوا تھا۔

”آئینہ دیکھنا کسی کے بس کی بات نہیں۔“ رات میں جو کچھ ان کے درمیان ہوا وہ خود کو اب بھی اپنی جگہ پر درست گردانتا تھا۔

”چلو اچھا ہوا اتنے دنوں سے جو ڈرامہ شروع ہوا ہوا تھا جلد ہی اپنے انجام کو پہنچا۔“ اس نے دل مضطرب کو دلاسہ دینا چاہا لیکن وہاں پر تو سناٹے کا راج تھا بھی مختار صاحب ناک کر کے اس کے کمرے میں آئے وہ کافی پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

”سینفی تم نے ماہِ نم سے کیا کہا ہے وہ یہ گھر چھوڑنے کی بات کر رہی ہے۔“ اپنے لہجے کو نرم

اور پرسکون رکھنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔  
 ”اوہ تو وہ ابھی یہی ہے۔“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”ابھی وہ میرے کمرے میں آئی اور اس نے کہا کہ اسے کسی ویمین ہاسٹل میں بھیج دیا جائے، اب وہ مزید یہاں نہیں رک سکتی، پوری پیننگ کر چکی ہے وہ اور مزید کچھ بتا بھی نہیں رہی سوائے رونے کے تم دونوں کا جھگڑا ہوا ہے؟“ انہوں نے پھر پوچھا۔

”جاتی ہے تو جائے آپ کیوں اتنے پریشان ہو رہے ہیں اسے ایک نہ ایک دن تو جانا ہی ہے وہ اپنے کمرے سے میرا ساتھ نبھانے کے لئے تو نہیں نکلی تھی اس کا بزدل عاشق واپس آ چکا ہے۔“ غصہ حد سے سوا ہوا تھا بدگمانی عروج پر تھی۔

”کون؟ وہ عاصم؟“ انہیں شاک لگا۔  
 ”جی محترمہ کا فون اس کی مس کالز سے بھرا پڑا ہے ڈیٹر کیا آپ عورت کو جانتے نہیں بے وفائی اس کی گھٹی میں پڑی ہے بس یہی آئینہ میں نے اس کو دکھایا اور آئینے میں کوئی بھی اپنی اصل بد صورت شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔“ اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے خود کو لا پرواہ ظاہر کرنا چاہا۔  
 ”اس نے وہ گھر کیوں چھوڑا تم جانتے نہیں، اس نے تمہیں بتایا نہیں؟“ وہ اصل بات کی تہہ تک پہنچتے ہوئے اس سے پوچھ رہے تھے۔  
 ”سینفی تم نے اسے بہت ہرٹ کیا ہے بہت دکھ دیا ہے وہ بہت پیاری نیک اور اچھی بچی ہے جیسا تم سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں پہلی ملاقات میں اس نے مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دیا تھا، اس کا حوصلہ اور بہادری دیکھ کر ہی میں نے اس کی مدد کرنے کی ٹھانی تھی کیا میں اس وقت اسے



درالامان نہیں بھیج سکتا تھا فوری طور پر تم سے نکاح کرنے کی ہی تجویز کیوں دی جبکہ وہ کسی اور کے ساتھ بھاگنے کے ارادے سے اتنی رات گئے اپنے گھر والوں کو دھوکہ دے کر نکلی تھی تمہارے خیال میں اس کے چچا اپنی مرضی سے اس کی شادی نہیں کرنا چاہ رہے تھے اور وہ اس عاصم میں انٹرسٹڈ تھی اگر ایسا ہی تھا تو کیا میں ایسی لڑکی کو بہو بنا لیتا اتنے سامنے کی چیز پر تبھی تم نے غور کیا ہی نہیں اور میں سمجھتا رہا کہ تم اس کی تمام پرابلمز سے آگاہ ہو۔“ وہ دکھ اور حیرت سے اسے مخاطب کرتے چلے گئے سیفی ان کی بات پر چونک کر انہیں دیکھتا رہ گیا اور پھر انہوں نے ماہِ نم کی تمام کہانی سنائی ماں باپ کے ایکسیڈنٹ سے لے کر قرآن سے نکاح کرنے تک کی کہانی اس کی پھپھو کا اسے گھر سے فرار ہو جانے کا مشورہ کسی بھی جاننے والے کی مدد لینا کسی کلاس فیلو جیسے وہ جانتی ہو اور جو اس کی مدد کر سکے اس سے نکاح کر کے اس عذاب سے نکل جانے کا مشورہ وہ اسے کبھی کچھ بتاتے چلے گئے اور سیفی گم صدمہ سننا چلا گیا۔

”اور ان سب سے بڑھ کر میں جان گیا تھا کہ یہ وہی لڑکی ہے جسے تم پسند کرتے ہو اور میرے پاس یہی ایک موقع تھا تمہیں گھر کر شادی کروانے کا ورنہ ہم ماں باپ کی کوتاہیوں کا بدلہ تم ساری عمر شادی نہ کر کے لینے کی ٹھان چکے تھے کتنے ضدی ہو مجھ سے زیادہ کون واقف ہو گا اس سے مجھے یقین تھا ایک بار تم دونوں نکاح جیسے یا کیزہ بندھن میں بندھ جاؤ تو بہت جلد بدگمانی کے یہ بادل چھٹ جائیں گے لیکن مجھے نہایت دکھ سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آج تمہاری اس بدگمانی نے اس لڑکی کو بہت ہرٹ کیا ہے وہ اچھی ہے سیفی تمہیں چاہتی ہے محبت کرتی ہے تم سے اور ایسا انسان جو آپ کو آپ کی برائیوں سمیت قبول

کرے اور آپ کو اندھیروں سے نکالنے کا خواہاں ہو اسے ٹھکانا دینا بہت بڑی حماقت ہے اس نے ہی مجھے سمجھایا کہ بات کرنے سے دوریاں سمٹ جائیں گی ورنہ مجھ میں ہمت کہاں تھی تمہارے دکھ اور نگلے شکوؤں کا سامنا کرنے کی میں بہت کمزور انسان ہوں بیٹا میری یہ خامی ہی تو ہمیں اس مقام پر لے آئی لیکن اس مضبوط اور بہادر لڑکی نے مجھے اکسایا دن رات اس نے تمہاری خدمت کی ہے کیا ہم دیکھ نہیں رہے تھے کہ تم اسے کیسے تنگ کرتے ہو لیکن اس نے کا کا اور مجھے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ تمہیں ٹوکے نہ ایک دفعہ اندر کا زہر نکل جائے تو سب بالکل ٹھیک ہو جائے گا چاہے اس زہر سے اس کا سارا جسم نیل و نیل ہو جائے لیکن ہو بہت خودار اور با کردار لڑکی ہے تم نے شاید انجانے میں ہی سہی اس کے کردار کو نشانہ بنایا ہے اسے وہ برداشت نہیں کرے گی میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن وہ کسی صورت یہاں پر رکنے پر تیار نہیں اس نے مجھے عاصم کے فون کا بتایا تھا اور یہ بھی کہ جس دن اس نے اسے فون کیا اسی روز اس نے واضح طور پر بتا دیا تھا کہ اس کا نکاح سیفی سے ہو چکا ہے اور وہ اس بزدل شخص کو صرف اس لئے معاف کر چکی ہے کہ اس مشکل وقت میں پیٹھ دکھانے پر اسے ایک اتنے اچھے انسان کا ساتھ ملا ہے اور آئندہ اسے فون کرنے کی جرأت نہ کرے میرے سامنے اس نے بات کی تھی اس سے اور وہ ڈھیٹ انسان بس بکو اس کرتارہا کہ ایک کرپٹ اور فلرٹ انسان سے نکاح سے بہتر ہے کہ وہ اس کی جانب پلٹ آئے اس کے گھر والوں نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ فوری طور پر غائب ہو جائے اور وہ سب گھر والے تمہاری صورت میں آنے والی مصیبت سے بچنے کے لئے کسی رشتے دار کے



گھر جا بیٹھے لیکن اب جب اس کے چچا بھی نہیں رہے تمام مصائب ختم ہو گئے ہیں اور اس نے بھی آخر کار اپنے گھر والوں کو منالیا ہے تو اسے واپس پلٹ آنا چاہیے وغیرہ وغیرہ بہت بے بھاد کی سیانی تھیں ماہ نم نے اسے تمہیں اس نے ترجیح دی تھی اس پر اگر اس کا کہیں پر اس کے ساتھ کوئی دلی لگاؤ ہوتا تو کیا وہ فوراً اسے ٹھکرا دیتی اور پھر میرے سامنے ساری بات کیوں کرتی وہ اندر اور باہر سے شفاف لڑکی ہے ہم لوگوں نے یہ بات فی الحال تم سے اس لئے مخفی رکھی کہ ابھی تم اس سچائی کو صحیح طور پر جانچ نہ پاؤ گے اور نہ اس نے اس کو زیادہ اہمیت دی اس کے بعد وہ جب بھی کال کرتا رہا اس نے اٹینڈ نہیں کی اور بس۔“

”سیفی ہو سکے تو اسے منالو بیٹا۔“ تمام حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے بڑی لجاجت سے کب کے سر جھکائے خاموش بیٹھے سیفی سے کہا جس کے چہرے پر پشیمانی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

”وہ اس گھر کی رونق ہے میری بیٹی ہے مجھے تمہارے ہی جتنی عزیز ہے اور میں شاید اس کی بات ماننے پر مجبور ہو جاؤں وہ اگر تم سے الگ ہونے کا فیصلہ کرے گی تو مجبور ہو جاؤں گا اس کا ساتھ دینے کو، مجھے مجبور مت ہونے دو بیٹا۔“ آخر میں ان کی آواز بھرا گئی تھی اور وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

☆☆☆

اک صبح  
جس کے ذرے چنتے چنتے  
میری اگلیاں شل ہو جائیں گی  
ایک سمندر

جس کے جرے پیتے پیتے  
میری سانس اکھڑ جائے گی

واقعی اگلیاں شل ہو گئیں تھیں کالج جیسے ذرے ذرے چنتے چنتے اس نے لاونچ پر پڑے صوفے پر بیٹھے اپنے ہاتھوں کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا اور اس کے بدگمانی کے سمندر کو پیتے پیتے اگر اس کی سانس بھی اکھڑ جائے تو کیا بس یہ سمندر تمام ہو لیکن کسی کی گناہ پر اسے مصلوب کرنا اور شک کی صلیب پر چڑھا دینا یہ اسے کسی قیمت پر منظور نہیں تھا دل کی آہ کا پر اس نے کان بند کر لئے تھے وہ اٹل فیصلہ کر چکی تھی اور اب دنیا کی کوئی طاقت اس کے فیصلے کو بدل نہیں سکتی تھی اپنے ارادوں میں تو وہ لوہا تھی۔

”بیٹا رانی!“ کا کا جان قدرے گھبرائے سے اس کے پاس آئے تھے وہ جو انتظار میں بیٹھی تھی چونک کر انہیں دیکھا۔

”بڑے صاحب کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی ہے، ڈاکٹر کو فون کیا ہے۔“ مختصر سا کہہ کر وہ مختار صاحب کے کمرے کی جانب چلے گئے ماہ نم کو فوری طور پر سمجھ نہ آیا وہ کیا کرے جب وہ اس گھر اور اس کے مکینوں سے تمام رشتے ختم کر کے جا رہی تھی تو کیا فرق پڑتا ہے کہ اس گھر کے مکین کس حال میں ہو لیکن وہ تیزی سے اٹھ کر ان کے کمرے کی جانب دوڑی بھی سیفی بھی گھبرایا سا اپنے کمرے سے نکلا وہ دونوں ایک پل کو ٹھہرے اور ماہ نم اس سے آگے چلتی ہوئی قدرے بھاگتی ہوئی مختار صاحب کے کمرے میں پہنچی، وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے چہرہ زدہ آنکھیں بند ماتھے پر پسینہ اور سانس کھینچ کھینچ کر لے رہے تھے ماہ نم ان کی حالت دیکھ کر گھبرا اٹھی سیفی بھی کمرے میں داخل ہوا۔

”کیا ہوا ہے کا کا جان؟“ اس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

”پتہ نہیں میں کمرے میں آیا ناشتے کا



پوچھنے تو یہ فرش پر گرے پڑے تھے۔“

یہ سن کر وہ دونوں بوکھلا کر رہ گئے اتفاق سے چند منٹوں کی دوری پر ایک ڈاکٹر کا گھر تھا ڈاکٹر کا جان کے کہنے پر فوری طور پر نہیں بلا کر لے آیا انہوں نے آتے ہی بی بی چیک کیا کا جان سے ان کی طبیعت کے متعلق چند سوالات کیے اور کچھ میڈیسن اپنے میڈیکل باکس سے نکال کر انہیں کھلانے کو فوری طور پر کہا کا جان نے خود ہی نیم بے ہوش مختار صاحب کو میڈیسن کھلائی۔

”جیسا کہ آپ بتا رہے ہیں ان کا بائی پاس ہو چکا ہے ایسے میں اچانک بی بی خطرناک حد تک بڑھ جانا بہت خطرناک بات ہے ایچ فیکٹر بھی ہے اس ایچ میں انسان کے زروس کمزور ہو جاتے ہیں مجھے لگتا ہے انہیں اچانک کوئی صدمہ پہنچا ہے ان کے زروس کے لئے کسی بھی قسم کا سٹرگیس نقصان دہ ہو سکتا ہے کوشش کریں ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔“ ڈاکٹر سیفی اور ماہ نم کو یہ کہہ کر چلتا بنا اور وہ دونوں اپنی جگہ خاموش کھڑے رہ گئے۔

جس شخص نے اول دن سے اسے پیار اور اعتبار دیا آج وہ ان کی پریشانی سبب بن گئی تھی یہ سوچ اسے ندامت کے احساس میں گھیرے ہوئے تھی وقتی طور پر وہ سیفی اور اپنا معاملہ بھلا گئی تھی۔

”بیٹا رانی ڈاکٹر آپ کا انتظار کر رہا ہے سامان اس نے گاڑی میں رکھ لیا ہے وہ آپ کو وویمین ہاسٹل چھوڑ آئے گا۔“ چند لمحوں کے بعد کا جان نے ماہ نم کے قریب آ کر اسے اطلاع دی ماہ نم خاموش نظروں سے بس انکل مختار کو دیکھتی رہ گئی۔

”یہ کہیں نہیں جا رہی ہیں کا جان کا سامان

واپس رکھوا دیں۔“ کرسی پر بیٹھے سیفی نے جتنی لہجہ میں کہا کا جان فوراً کمرے سے نکل گئے۔

”میں آپ کے حکم کی پابند نہیں ہوں۔“ ماہ نم کو اس کے تحکمانہ رویے پر پھر سے غصہ آیا تھا۔

”جانتا ہوں حکم نہیں دے رہا درخواست کر رہا ہوں ڈیڈ ہوش میں آ کر سب سے پہلے آپ کا پوچھیں گے اور آپ کو یہاں نہ پا کر یقیناً یہ صدمہ ان کے لئے ناقابل برداشت ہوگا اور میں ڈیڈ کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا لہذا میری درخواست ہے کہ آپ کچھ عرصے کے لئے رک جائیں۔“ ماہ نم سیفی کو نرم اور انداز مخاطب پر دم بخود کھڑی رہ گئی۔

وہ خود کون سا جانا چاہ رہی تھی وضو کر کے وہیں پر جائے نماز بچھا کر وہ نوافل ادا کرنے لگی تھی انکل مختار کی زندگی اور صحت کے لئے اس کے ہاتھ اپنے رب کی بارگاہ میں دعا کی صورت میں اٹھے ہوئے تھے۔

”اس بندی کے پاس ہر مشکل کا حل اس صورت میں موجود ہے تبھی تو کوئی مشکل اس کے لئے بڑی نہیں رہتی۔“ سیفی اسے نوافل ادا کرتا دیکھ کر بس سوچ کر رہ گیا۔

”سیدھی طرح سے کہہ نہیں سکتا تھا کہ ماہ نم اب کبھی اس گھر سے نہیں جائے گی اور اس کے گزشتہ رویوں کو معاف کر کے وہ اس کے ساتھ ایک خوبصورت زندگی کا آغاز کرے وہ تمام عمر اسے اعتماد اور پیار دے گا اور بھول کر بھی ایسی گھٹیا بات نہیں سوچے گا۔“ دل نے اسے لتاڑا لیکن اس انا پرست انسان کے لئے اتنی کول نازک سی لڑکی کو معافی مانگ کر منانا ماؤنٹ ایورسٹ سر کرنے کے برابر لگ رہا تھا۔

آدھے گھنٹے کے بعد مختار صاحب کے وجود میں حرکت ہوئی سیفی جلدی سے اٹھ کر ان کے



قریب آیا۔ ”ڈیڈ کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟“  
پریشانی سے پوچھے گئے سوال پر انہوں نے نیم دا  
آنکھوں سے سرکہ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر  
جواب دیا۔

”ماہ نم..... ماہ نم چلی گئی۔“ نحیف آواز میں  
انہوں نے پریشانی سے استفسار کیا تھا اور باپ کی  
ماہ نم کے متعلق اتنی محبت دیکھ کر اسے جیسی نہیں  
بلکہ انجانی سی خوشی محسوس ہوتی تھی وہ دونوں باپ  
بیٹا ایک مرکز پر آن کر اکٹھے ہو گئے تھے اور وہ مرکز  
تھا ماہ نم۔

”نہیں انکل میں آپ کو ایسی حالت میں  
چھوڑ کر جاسکتی ہوں؟“ ماہ نم سلام پھیر کر تیزی  
سے اٹھ کر ان کے قریب آ کر بولی تھی۔

اسے دیکھ کر ان کے چہرے پر اطمینان کے  
سائے لہرائے تھے اور انہوں نے نقاہت سے  
آنکھیں موند لیں تھیں کمرے میں تین نفوس کی  
موجودگی میں بھی خاموشی طاری تھی، کچھ لمحے  
یونہی سرک گئے تھے۔

جب کا کا جان ہاتھ میں فریش اپل کا  
گلاس تھامے کمرے میں داخل ہوئے۔

”صاحب کے پاس میں موجود ہوں آپ  
دونوں کا ناشتہ میں سیفی بابا کے کمرے میں ہی لگوا  
آیا ہوں ناشتہ کر کے آپ کو دوئی کھانی ہے اور بیٹا  
رائی بھی صبح سے یونہی خالی پیٹ ہے آپ دونوں  
اپنا خیال نہیں رکھو گے تو صاحب کا کون خیال رکھ  
پائے گا۔“ کا کا جان نے گلاس کا جوس سائیڈ ٹیبل  
پر رکھتے ہوئے کہا۔

”آں تم لوگوں نے ابھی ناشتہ بھی نہیں کیا  
چلو جاؤ ناشتہ کرو جا کر۔“ مختار صاحب نے  
آنکھیں کھولتے ہوئے جلدی سے کہا۔

”آپ نے بھی تو ناشتہ نہیں کیا ہم سب یہی

ناشتہ کریں گے۔“ سیفی نے مختار صاحب کو  
مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں میں ابھی بس جوس لوں گا تم  
دونوں ناشتہ کر آؤ پھر میں ماہ نم سے کوئی مزیدار سی  
پرہیزی ڈش بنوا کر کھاؤں گا۔“ مختار صاحب  
جلدی سے بولے۔

”ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے جائے آپ دونوں  
ناشتہ کر آئیں میں ہوں یہاں پر۔“ کا کا جان بھی  
جلدی سے بولے اور ان دونوں کے اصرار پر وہ  
دونوں بالآخر باہر کی جانب بڑھے ماہ نم کا سیفی  
کے کمرے میں جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن  
جب کا کا جان دروازے تک آئے دروازے کو  
بند کرنے تو مجبوراً ماہ نم کو سیفی کے پیچھے اس کے  
کمرے میں داخل ہونا پڑا کا کا جان اسے دیکھ ہی  
ایسے رہے تھے کہ پزل ہو کر وہ جلدی سے کمرے  
میں چلی آئی۔

نظریں جھکائے وہ خفا سی پلٹ کر کمرے  
سے باہر جانے کو تھی جب سیفی نے اس کا ہاتھ  
مضبوطی سے تھام کر اپنی جانب کھینچا اور اس  
صورت حال کے لئے تیار نہ تھی اور قدرے لڑھکا  
کر سیفی کے قریب آن کھڑی ہوئی سنہلنے کا موقع  
بھی نہیں ملا کہ سیفی نے اس ہاتھ کو اپنے سینے پر  
رکھتے ہوئے اس کے اور قریب ہوا، ہاتھ کی  
گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ چھڑا ہی نہیں پارہی  
تھی۔

عمر بھر کی ہیں مسافتیں یہ دوریاں یہ فاصلے  
تم چاہو تو کچھ عجب نہیں یہ پل ہیں سر ہو جائیں  
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے  
یہ زیست کے کٹھن راستے ہمسفر ہو جائیں  
سیفی کی بو جھل اور گیسر آواز اس کے بے حد  
قریب ابھری تھی۔

”چھوڑے میرا ہاتھ۔“ وہ نروس ہو گئی تھی



لیکن ان لمحات میں وہ کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی بات اس کے کردار کی تھی وہ اسے کسی صورت معاف کرنے کو تیار نہیں تھی۔

”چھوڑ دیا لیکن اب بار صرف ایک بار تم میری بات سن لو پلیز۔“ وہ ہلچلی لہجے میں بولا ہمیشہ سے سیفی کو خفا، ضدی اور سرکش روپ میں دیکھا تھا۔

”مجھ اب آپ کی کوئی بات نہیں سننی انکل کی یوں اچانک طبیعت خواب نہ ہوتی تو میں کب کی جا چکی ہوتی۔“ اس نے غصیلے اور جتانے ہوئے لہجے میں واضح کیا تھا۔

”میں تمہیں فورس تو نہیں کر سکتا لیکن میری گزارش ہے ایک بار آرام سے میری بات سن لو۔“ وہ پھر نرم لہجے میں بولا ماہ نم کے اکھڑ اور غصیلے انداز پر بھی اسے غصہ نہیں آیا تھا اور ایک بار پھر نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر سامنے صوفے کی طرف جانا چاہا جب ماہ نم کو بے تحاشہ غصہ آگیا اور اس نے تیزی سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

”مجھے آپ کی کوئی بات نہیں سننی نیو ریب ختم ہو چکا ہے۔“ اس نے پلٹ کر جانا چاہا، ابھی تیزی سے آگے بڑھ کر دیوار کے ساتھ اسے لگائے ہوئے جانے کی تمام رانیں بند کر دیں اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی اور سیفی اپنے دونوں ہاتھ دیوار پر ٹکائے اس کے بے حد قریب اپنی بانہوں کا گھیرا ڈال کر کھڑا ہو گیا۔

”کیسے نہیں سننی تمہیں میری بات اور کچھ ختم نہیں ہوا میں تمہیں ختم کرنے نہیں دوں گا، کب سے کہہ رہا ہوں آرام سے بات کر لوں لیکن تم ہو کہ تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تمہیں جانے دوں گا تم میری زندگی ہو اور زندگی کو کوئی بھی ہاتھ سے یوں جانے نہیں دیتا۔“ سیفی نے بھڑکتے

ہوئے غصے میں اتر اؤنا کیا ماہ نم جہاں اس کی قربت سے گھبرائی تھی وہاں اس کا یوں اچانک اظہار سن کر اپنی جگہ کھم سی گئی لیکن اگلے ہی پل اس نے اس کی گرفت سے نکل جانا چاہا وہ دل کو اب ان لمحات کی زد میں ہرگز نہیں لانا چاہتی تھی۔

”شی، ڈونٹ موو، سن می۔“ سیفی اس کے اور قریب ہوا تھا اس کے چہرے پر اس کی گرم سانسیں پڑ رہی تھیں اس کا وجیہ مضبوط سراپا اسے ایک آہنی دیوار کی مانند لگا۔

”زندگی ہوں تبھی تو مجھے ذلیل کیا، بغیر بھروسے کے میں ایسی زندگی تو کبھی نہ جیو۔“ وہ پھر پھلکی تھی۔

”معاف کر دو بس ایک بار معاف کر دو غلطی ہو گئی میں نے آج تک ایسے جملے کسی سے نہیں کہے تم جانتی تو ہو مجھے کچھ بھی تو چھپا نہیں رہا تم سے میرے ماضی کی تلخیوں کو سامنے رکھ کر ایک موقع نہیں دو گی مجھے، میں ہمیشہ عورت کو ایک بے وفا خود پرست اور لالچی سمجھا لیکن عورت کے پاکیزہ شفاف اور پر خلوص روپ سے تم نے مجھے آشنا کیا میں تو تمہارا پہلی نظر کا اسیر ہو گیا تھا لیکن تم پہلی ہی نظر میں ڈیپارٹمنٹ کے کارڈور میں دھیرے دھیرے سے چلتی ہوئی سیدھی میرے دل میں اتر گئی تھی تمہاری اس جرأت پر حیران کھڑا رہ گیا تھا کلاس میں تمہارا تعارف کرانا اور میرا تمہیں ستانا اصل میں تو میں اپنے دل کو باور کرا رہا تھا کہ تم میں ایسا کچھ نہیں جو میں پہلی نظر میں چاروں شانے چت ہو گیا دل کی ہٹ دھرمی کو دبانے کے لئے ہی تمہیں زچ کرتا رہا ہر جگہ پر اور اس رات مجھے پہلی بار صحیح معنوں میں ادراک ہوا کہ تم میرے دل کی دنیا بدل چکی ہو تبھی تو تمہاری خوشی کے لئے میں تمہیں کسی اور کو سوپنے کو بھی تیار ہو گیا لیکن قدرت مجھ پر مہربان تھی اور تم



میرے نام کر دی گئی تب میں تم سے بھاگنے لگا کہ میرے پاس تم کسی کی امانت ہو اور محبت کا حصول انسان کی کتنی بڑی خوشی ہے مجھ سے بہتر کون جانتا تھا اور محبت کا چھن جانے کا دکھ کیا ہے یہ رگوں کو کاٹنے والا درد میں تمہیں نہیں دینا چاہتا تھا، اس لئے عاصم کو کہیں سے بھی ڈھونڈ کر تمہارے سامنے لا کھڑا کرنا چاہتا تھا بظاہر میں تم سے لا پرواہ تھا لیکن تمہاری سوچیں آنکھیں تمہارا افسردہ چہرہ تمہارا وہ ملگجاسا علیہ مجھے بے چین رکھے رکھے تھے میں سمجھتا تھا کہ تم عاصم کی وجہ سے تسکین ہو بھی تو نکاح کے باوجود رخصتی نہ ہونا اور اسے محض کاغذی رشتہ بنائے رکھنا کی شرط رکھی تھی تم نے لیکن پھر میں نے تم میں بدلاؤ دیکھا میرے زخمی ہونے سے پہلے ہی تم زندگی سے سمجھوتہ کر کے آگے بڑھنے لگی تمہارے چہرے کا سکون مجھے بناؤنی لگتا میں تمام عمر تمہارا سمجھوتہ بننے کو تیار نہیں تھا میرے زخمی ہونے کے بعد تم میری ہمدردی میں اس رشتے کو قبول کر لو مجھے منظور نہیں تھا تب میں تمہیں خود سے متنفر کرنے کے لئے تمہیں اور زچ کرنے لگا تب میرا دل مجھ سے لڑتا تھا ہمدردی میں کوئی اتنا آگے نہیں جاتا یہ لڑکی تم سے محبت کرنے لگی ہے اس کی نظروں میں تمہارے لئے ایک خاص جذبہ ہلکورے لے رہا ہوتا ہے تمہارا میرے لئے ڈیڈ ک قریب لانا غیر محسوس انداز میں انہیں میرے پاس بٹھائے رکھنا چائے کافی یا شطرنج کے پہانے میری ڈھکی چھپی مسکراہٹ پر تمہاری آنکھوں میں خوشی کے رنگ بھر جانا میرے کرب میں میرے دکھ پر تمہارا بے چین رہنا اور میری قربت سے تمہارا گھبرانا بظاہر تو تم بے نیازی کا لبادہ اس وقت اوڑھے رکھتی تھی لیکن تمہاری حیا تمہارا محتاط انداز چھپائے نہ چھپتا تھا کیا یہ صرف ایک ہمدردی تھی ہرگز نہیں میرا دل

تمہارے ہر انداز پر مجھے سمجھاتا اور میں اسے غصے میں اس کی آواز کو دباتا عاصم کے متعلق بتا کر میں نے تمہیں خوشخبری اپنی طرف سے سنائی تھی میرا خیال تھا کہ کھوئی ہوئی محبت کے بارے میں سن کر تم کھل اٹھو گی لیکن اس وقت میں نے تمہاری آنکھوں میں جلتے دیپ بجتے دیکھے تمہاری نظروں کا شکوہ اور کرب مجھے میری نظروں میں گرا گیا تم خفا ہو کر کمرے سے نکل گئی اور یہ کمرہ خالی ہو گیا میرے دل کی طرح، میں صبح سے تمہیں کھونج رہا ہوں، میں ڈر گیا تھا ماہ نام بہت بری طرح سے ڈر گیا تھا کہ واقعی تم اس گھر کو چھوڑ کر چلی گئی ہو تم جو میرے صینے کی وجہ ہو تمہارے بغیر سانس لینا دوبھر لگا لیکن میں اپنی محبت کی قربانی تو اس بے وقوفی کی نظر کر رہا تھا کہ تم اور عاصم.....

”میرے سامنے اس کا نام مت لیں میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ بزدل لوگوں کی میری زندگی میں کوئی گنجائش نہیں۔“ ماہ نام نے اس کی بات کاٹتے ہوئے قدرے خفگی سے کہا اور اس کے پرسوں اظہار سنتے ہوئے بھی وہ اسے ٹوکے بغیر رہ نہ پائی۔

”او کے سوری مسز اسفند اور جب ڈیڈ نے مجھے تمہارے متعلق تمام حقائق سے آگاہ کیا تو میں اپنی ہی نظروں میں گر گیا رات تمہیں اتنے گھٹیا الفاظ میں کیسے کہہ گیا میں تم سے محبت ہی نہیں تمہارا بے حد احترام بھی کرتا ہوں تم نے تو مجھے عورت کے مضبوط کردار اور با حیا روپ سے آشنا کیا تھا میں شرمندگی کی دلدل میں دھنستا چلا گیا تم سے معافی مانگتا تو درکنار تمہارا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں رہی تھی مجھ میں، تم شاید یونہی خفا اس گھر سے چلی جاتی اور میں معافی مانگنے کی ہمت نہ کر پاتا لیکن ڈیڈ نے میرا مسئلہ حل کر دیا اور ان کے کمرے میں بیٹھے میں اندر سے



تمہارے ساتھ بات کرنے کی ہمت جوڑتا رہا تب مجھ پر ایک اور بات بھی واضح ہوئی تم صرف میرے دل کو ہی اپنا اسیر نہیں کیے بیٹھی ہو بلکہ اس گھر کی درو دیوار، کا کا جان اور ڈیڈ کو بھی اسیر بنا چکی ہو میں اپنے دل سمیت ان سب کو مایوس نہیں کر سکتا پلیز رات جو کچھ ہوا اور اس سے پہلے بھی میں نے تمہیں جب بھی تنگ کیا مجھے ان سب پر معاف کر دو آئی لو یو سوچ لیکن پھر بھی میں تمہیں اپنی محبت قبول کرنے پر مجبور نہیں کروں گا میں بہت برا انسان ہوں میرے ساتھ زندگی گزارنا آسان نہیں تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو، یہ تمہاری زندگی ہے اور.....

”مجھے کوئی مجبور نہیں کر سکتا اور نہ ہی آپ برے انسان ہیں آپ کے اندر میں نے ایک خوبصورت انسان کھوجا ہے اور اس سے محبت کی ہے یونورٹی میں آپ کے متعلق جو باتیں اور قصے مشہور تھے اور پھر آپ کا انداز اور حلیہ ظاہری سی بات ہے کوئی اچھی رائے تو میں قائم نہیں کر سکتی تھی پھر ہمارے درمیان ہونے والی جھڑپ لیکن آنے والے وقت نے یہ ثابت کر دیا کہ زندگی دھوپ تم گھنا سائے کی طرح ہو مجھ پر جب بھی رخ دھوپ پڑنے لگی تم میرے آگے تن کر کھڑے ہو گئے چچا جان نے جب ہاتھ اٹھایا تم کس طرح سے آگے آئے تھے پہلی بار میں نے اپنے اندر تحفظ کے احساس کو پھیلنے محسوس کیا پھر وہ لڑکی نیٹا تب بھی، اور پھر دھیرے دھیرے میں یہ جانتی گئی یہ شخص اتنا برا ہرگز نہیں جتنا نظر آتا ہے، اپنے سے کمزور لوگوں کا خیال رکھنا کسی خود غرض انسان کا شیوہ تو نہیں ہو سکتا چپکے سے لو کروں کی ضروریات پوری کرنا اور پھر اس رات تم نے مجھے اپنے کمرے میں داخل نہیں ہونے دیا کہ تم نے ڈرنک کر رکھی تھی تب مجھے تمہارے

کردار کی مضبوطی کا احساس ہوا اور دل تمہاری طرف مائل ہونا شروع ہوا اور پھر میں تمہاری خوبیوں سے متاثر ہوئی چلی گئی، نیٹا کے سامنے بے خبری میں تم نے میرے متعلق اپنے احساسات کو واضح کر دیا تھا یہ کہہ کر یہ مجھے دل د جان سے قبول ہے اور میری بیوی جیسے الفاظ میں اس روز تمہاری اپنے متعلق فیلنگز جان گئی تھی لیکن بظاہر تمہارا لا پرواہ، سرد رویہ، تمہارا کھینچا کھینچا سا رہنا کیوں تب کا کا جان نے تمہارے متعلق بتا کر میری تمام الجھنیں دور کر دیں اور میرا فیصلہ بھی آسان کر دیا تم فطرتاً برے نہیں تھے حالات نے ایسا بنا دیا تھا اور جس روز تمہارے زخمی ہونے کی اطلاع آئی تب مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں نکاح جیسے پاکیزہ بندھن میں بندھ کر میرے اللہ نے میرے دل میں تمہاری محبت ڈال دی ہے میں تمہیں چھوڑ کر کبھی نہیں جاسکتی کہ اللہ سے دعاؤں میں تمہاری زندگی مانگتے ہوئے میں نے یہی وعدہ کیا تھا میں کیسے توڑ سکتی ہوں ہاں لیکن مجھے یہ ہرگز منظور نہیں تھا کہ تمام عمر میں اپنے کردار کا شوق فیکٹ ہاتھ میں لئے گھوموں تمہیں مجھ پر میری محبت پر یقین کرنا ہو گا بس چند دنوں کی دوری کے خیال سے جا رہی تھی کہ مجھے ایک روز یہی واپس آنا تھا کہ مجھے آپ سے محبت ہو گئی ہے۔“ آپ سے تم اور تم سے آپ کا فاصلہ طے کرتے ہوئے ماہ نم نے آخری جملہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ ادا کیا تھا لیکن وہ جانتی تھی ان لمحات میں اقرا ودفا بے حد ضروری ہے وہ سیفی کو خود ترسی میں جکلا ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی اگر اس نے اپنا دل کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا تو یہ ضروری تھا کہ ماہ نم بھی ایسا ہی کرے اور اس نے ایسا ہی کیا وہ اس کی قربت سے ندوس ہونے لگی تھی وہ ابھی تک ایسے



ہی کھڑے تھے سیفی کی نظروں میں جذبے کو دینے لگے تھے اس کے اظہار کے بعد۔

”لیکن چند باتیں ہیں اگر آپ مان لیں تو۔“ لوہا گرم دیکھ کر اس نے چوٹ لگائی۔

”میں ڈرنک کبھی نہیں کروں گا میری بیوی اس بات کو سخت ناپسند کرتی ہے اس بات کا اندازہ ہو چکا ہے میں تمہیں اور خود کو کبھی ناراضگی میں بھوکا نہیں رکھ سکتا کہ تم بھوک کی بہت کچی ہو مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا ہے اور میں اپنے یہ بال بھی کٹوا لوں گا اور کان میں پڑا یہ ایرٹاپس بھی اتار دوں گا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور ماہ نم کی آنکھوں میں حیرت اور خوشی کے جذبات ابھرے تھے اس کے انگ انگ سے خوشی پونٹھنے لگی تھی۔

”تو مس نم کیا آپ میرے ساتھ تمام عمر گزارنا پسند کریں گی یقین کریں میں ایک مفید شوہر ثابت ہوں گا۔“ وہ شرارتی ہوتا بولا تھا۔

”وہ کیسے؟“ وہ بھی شریر ہوئی تھی۔

”میں تمام عمر آپ کو لذیذ کھانے بنا کر کھلاؤں گا، آپ کی خوبصورت تصویریں بناؤں گا۔“

”بس؟“

”نہیں ہر وقت ہر پل آپ کو بے حد دے حساب پیار دوں گا۔“ اس نے اس کے ماتھے پر اپنی محبت کی مہر ثبت کرتے ہوئے گہیر اور جذبات سے بوجھل آواز میں کہا تھا۔

”انکل کب سے ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے جلدی چلیں۔“ اسے پٹری سے اترنا دیکھ کر وہ بانہوں کے نیچے سے جھک کر تیزی سے پرے ہوتے ہوئی بولی تھی۔

”سنو یہ جو تم خود کو مجھ سے چھپائے رکھتی ہو تمہارے اس حسین روپ کو جی بھر کر دیکھنے کو بے حد دل چاہتا ہے تمہارے یہ لمبے بال جو تم

باندھ کر رکھتی ہو انہیں خود پر بکھرے محسوس کرنا چاہتا ہوں تمہیں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اچانک اس کا ہاتھ تھام کر اپنے جذبات کا اظہار کر کے اسے بے حد زور کر ڈالا تھا۔

”تمہارا یہ پر اعتماد انداز اور شرم و حیا عجیب ہی کمینیشن ہے چلو ڈیڈ انتظار کر رہے ہوں گے ان کی طبیعت ٹھیک ہو جائے تو شاندار سا ویسے کے بعد ہی مون ٹرپ کا ذکر کروں گا بلکہ ابھی یہی بات کرتا ہوں منٹوں میں ٹھیک ہو جائیں گے چلو اب کہیں روہی نہ پڑنا۔“ اس کی حالت سے محفوظ ہوتے وہ اس کا ہاتھ پکڑے ڈیڈ کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا اور مختار صاحب نے جب انہیں یوں کمرے میں داخل ہوتے دیکھا تو انہوں نے کا کا جان کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔

ان کی ترکیب کامیاب رہی تھی وہ ان دونوں کے ضدی پن سے واقف تھے ان کے درمیان صلح کرانے کے لئے انہوں نے فوراً کا کا جان کے ساتھ مل کر اپنی بیماری کا ڈرامہ تیار کیا اور ڈاکٹر کو بھی اس ڈرامے میں شامل کر لیا تھا اور اب ان دونوں کے چہروں پر چاہت کا امنٹ رنگ دیکھ کر ان کا دل شاد ہو گیا تھا آخر کار بہار نے یہاں پر ڈیرے ڈالنے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا بظاہر انہوں نے خود کو قدرے نحیف اور بیمار ظاہر کرتے ہوئے اپنی دونوں بانہیں پھیلا دی تھیں جس میں وہ دونوں آسمائے تھے، وہ انہیں کبھی نہیں بتائیں گے کہ ان کی بیماری بہانہ تھی نہ جانے مستقبل میں پھر کب ضرورت پڑ جائے آخر دونوں ضدی تھے کا کا جان بھی ان کے ساتھ مسکرانے لگے تھے چاہت کا رنگ ہر سو پھیلتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

ماہ 2015

141

ماہنامہ



نیل پر رکتے ہوئے وہ ان کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گئی۔

”کیا لوگی چائے یا کافی؟“ انٹرکام کان سے لگے انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”اوں چائے۔“ سوچتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

”السلام علیکم آنٹی کیا میں اندر آ سکتی ہوں۔“ صبور آنٹی کی کال پر وہ آج یونیورسٹی سے سیدھی ان کے آفس چلی آئی تھی، اس کا ہنستا مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ بھی مسکرا اٹھی تھیں۔

”آؤ آؤ بیٹا تمہیں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے؟“

”تھینک یو آنٹی!“ اپنا ہینڈ بیگ اور فولڈر

## ناولٹ

”میں نے تم سے بید کے متعلق بات کرنے کے لئے تمہیں بلایا تھا بیٹا کہ تم اسے سمجھاؤ وہ مجھے بہت مس اندر اسٹینڈ کر رہا ہے۔“ چائے کا مہا سیپ لیتے ہوئے انہوں نے اس کی طرف دیکھ کر التجائیہ انداز میں کہا اور کچھ دنوں پہلے اس کے اور اپنے درمیان ہونے والی بدمزگی کے بارے بھی اسے آگاہ کر دیا جس کو سن کر اسے پچھلے دنوں اس کی کیفیت یاد آنے لگی جب وہ بہت ڈیپریسڈ دکھائی دے رہا تھا اور کافی حد تک بیمار بھی، لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا جب اس نے گھر میں ہونے والے کسی جھگڑے کا ذکر اس سے نہیں کیا تھا۔

اسے شدید حیرانی ہو رہی تھی آخر بید نے اسے کیوں نہیں بتایا تھا۔

”میں سچ کہہ رہی ہوں رضوانی سے میرا ایسا کوئی تعلق نہیں ہے جس پر مجھے کوئی ندامت یا احساس جرم ہو، وہ ہماری کمپنی کے ایک بہت بڑے کلائنٹ ضرور ہیں مگر، ہاں یہ سچ ہے کہ وہ









نجانے کب سے مجھے شادی کی آفر کر رہے ہیں اور میں نے ہر بار ان کی مصلحتی کی ہے، میرا اللہ جانتا ہے کہ میں نے بھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا، جہاں میں نے روحان کے بغیر اپنی زندگی کے اتنے قیمتی برس گزارے ہیں، کیا اب تھوڑا سا وقت اور نہیں گزار سکتی؟“ بات کرتے کرتے ان کی آنکھوں میں آنسو اتر آئے تھے۔

”مجھے اچھی طرح علم ہے کہ میں ایک جوان بیٹے کی ماں ہوں سوتیلی ہی سہی، مگر میرے دل میں اس کی محبت اس کی اپنی ماں سے بڑھ کر ہے اس لئے میں نے کبھی نہیں چاہا کہ مجھ سے ایسا کوئی قدم اٹھے جو اس کے مستقبل پر غلط نقش چھوڑے، میں تو اپنی ساری زندگی بہید کے نام کر چکی ہوں مجھے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیے میں بس اس کی خوشی چاہتی ہوں، مگر وہ ہے کہ مجھے سمجھتا ہی نہیں، نہ جانے کہاں سے اسے میرے بارے میں اتنی غلط باتیں سننے کو مل جاتی ہیں کہ میں رضوانی سے، خیر تم اسے سمجھاؤ بیٹا کہ وہ مجھ سے اس طرح بدگمان مت ہو ورنہ میں بالکل خالی ہو جاؤں گی میرے پاس کچھ بھی نہیں بچے گا۔“

صبر آنٹی اب باقاعدہ رونے لگی تھیں، اس سے ان کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی تھی وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کے قریب جا کر انہیں کندھوں سے تھام لیا۔

”مت روئیں آنٹی میں اسے سمجھاؤں گی اسے ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ اس نے آج تک آپ کے بارے میں اس انداز سے ہرگز نہیں سوچا اور نہ کبھی ایسی کوئی بات کی ہے آپ کو لے کر۔“ آہستگی سے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے پوری سچائی سے کہا۔

”پتہ نہیں کیوں وقت گزرنے کے ساتھ

ساتھ میں اس کے رویہ سے بہت خوفزدہ ہونے لگی ہوں ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے کہ میرے لئے اس حد تک بدگمانی اسے مجھ سے دور نہ لے جائے اور میں مزید پچھتاؤں میں نہ گھر جاؤں۔“ ان کے آنسو کسی طور نہیں ختم رہے تھے، وہ بے چین سی ہو گئی تھیں۔

”اللہ نہ کرے آنٹی، آپ ایسا کیوں سوچتی ہیں، وہ لاکھ آپ سے بے اعتنائی برتے مگر پھر بھی وہ آپ کی کیئر کرتا ہے، آپ کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا اگر اسے ایسا کرنا ہوتا تو وہ بہت پہلے کر چکا ہوتا جبکہ اسے کوئی روک بھی نہیں سکتا تھا۔“ اس کی بات پر وہ کتنی ہی دیر تک اسے یونہی دیکھتی رہیں انہوں نے تو کبھی اس طرح سوچا ہی نہیں تھا اور خواخواہ اپنے دل میں ڈر کو بڑھائے جا رہی تھیں۔

نہایت آزر دگی کے ساتھ مسکراتے ہوئے انہوں نے آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو نرمی سے صاف کیا پھر اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھامتے ہوئے محبت سے گویا ہوئیں۔

”برسوں سے میرے اندر بیٹھے خوف کو تم نے پل میں ختم کر دیا بیٹا، مجھ سے زیادہ تو تم اسے جانتی ہو ہے ناں؟“

”نہیں آنٹی آپ نے تو اس سے محبت کی ہے اور میں تو اس کی بس عام سی ایک دوست ہوں، اس لئے آپ سے زیادہ اسے کوئی نہیں جان سکتا۔“ اس کی بات پر وہ دھیرے سے مسکرا دیں، پھر گویا ہوئیں۔

”تم عام سی نہیں بہت خاص سی دوست ہو اس کی یہ مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا، تم بہت اہم ہو اس کے لئے اور یہ بات خود وہ بھی نہیں جانتا۔“ انہوں نے بڑے وثوق کے ساتھ کہا تو وہ کھل کر مسکرا دی۔



”او کے آنٹی اب میں چلتی ہوں اور آپ پلیز پریشان مت ہوا کریں، ہید بھی بالکل دیا نہیں ہے جیسا آپ اسے سمجھتی ہیں، ناؤ ریلیکس میں اس سے بات کروں گی، لیکن اگر آپ اسی طرح خود کو بلکان کرتی رہیں تو میں بھی شاید کوئی ہیلپ نہ کر سکوں کیونکہ جب آپ روتی ہیں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے اور آپ کو تو پتہ ہے کہ جب انسان تکلیف میں ہوتا ہے تو کام اچھا نہیں کر پاتا۔“ اس کی بات پر وہ آہستگی سے ہنس پڑیں۔

”او کے میری جان اب پریشان نہیں ہوگی بس دعا کروں گی کہ وہ میری طرف لوٹ آئے اور مجھے ایک بار ماں تسلیم کر لے۔“ انہوں نے آزرده لہجے میں مسکرا کر کہا۔

”انشاء اللہ ایسا ہی ہو گا آنٹی۔“ وہ ہینڈ بیگ اور فولڈر اٹھاتے ہوئے پورے یقین سے بولی پھر اللہ حافظ کہتی آفس سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

پچھلے کئی دنوں سے وہ اپنے اندر باہر جگہ تبدیلی ہی تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔

چاہنے کے باوجود وہ خود کو ذہن میں آئی مختلف سوچوں سے آزاد نہیں کر پا رہا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ الگ تھلگ سارے لگا تھا، ان سب کے درمیان میں ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو غائب تصور کرتا تھا، کمرے میں چھ گھنٹے بند اسائنمنٹس میں خود کو الجھانے کی بے پناہ کوشش کرتا مگر صفحے ملتے ہوئے نہ وقت گزرنے کا احساس ہوتا اور نہ اپنی حالت کے بدلنے کا۔

یونیورسٹی میں آج کل آخری دن تھے ایگزامز شروع ہونے والے تھے لہذا وہ سب بھی کیفے میں اکٹھے ہوئے تھے، وہ آج کافی دنوں بعد ان سب کے درمیان میں بیٹھا تھا ورنہ

اسٹڈی کا بہانہ کر کے وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں پایا جاتا یا گھر سے باہر۔

”لگتا ہے تم نے اس بار ٹاپ کرنے کا ارادہ کیا ہے اسی لئے ہمارے ساتھ کمپائن اسٹڈی کر کے اپنا ٹائم ویسٹ کرنا نہیں چاہتے ہے ناں؟“ زیادہ نے پہلے بھی کئی بار ہمیشہ کی طرح اپنے گھر کمپائن اسٹڈی کے لئے فورس کر چکا تھا مگر وہ ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال دیتا تھا۔

”کیا بات ہے ہید کوئی پرابلم ہے کیا؟“ عباد نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا جو سب میں ہوتے ہوئے بھی لائق سادکھائی دے رہا تھا۔

”نہیں یار کوئی پرابلم نہیں ہے بس اسٹڈی کی ٹینشن ہو رہی ہے۔“ اس کی بات پر عباد خاموش ہو گیا تھا۔

”ہائے۔“ ارتج کی چبکتی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ بے اختیار گہرا سانس اپنے اندر اتارنے لگا، وہ باری باری سب سے مصافحہ کر رہی تھی۔

”ہیلو ہید لگتا ہے تم تو بہت جلد ہم سب کو بھول جاؤ گے، ہے ناں؟“ چیر پر بیٹھتے ہوئے اس نے اس کی مسلسل غیر حاضری پر چوٹ کی تو نجانے کیوں وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے کی جسارت ہی نہ کر سکا سر نیچے کیے محض مسکرا کر رہ گیا، پھر چند ہی لمحوں بعد عباد اور زیادہ کی طرف دیکھ کر گویا ہوا۔

”یار مجھے چلنا ہو گا شزاء سے ملنے کا پراس کیا تھا میں نے، تم لوگوں سے شام کو ملاقات کرتا ہوں، او کے؟“ غجالت میں کہتا وہ اپنی چیر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ کیا بات ہوئی یار اتنے دنوں بعد تم یونیورسٹی آئے ہو اور آتے ہی شزاء کے پاس جا رہے ہو دیٹس ناٹ فیئر۔“ عباد نے قدرے



منجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”سوری یار اس سے کچھ ضروری بات کرنی تھی اس لئے ورنہ۔“

”لیکن شزاء کو تم انکار کر چکے ہو تو پھر اس سے ملنا کیا معنی رکھتا ہے؟“ انعم نے حیرانی سے استفسار کیا۔

”فرینڈ شپ تو ہے ناں اس سے۔“ مختصر جواب دیتا وہ تیزی سے کفے سے باہر نکل گیا۔

”پتہ نہیں ہوں آج کل ہید کا بی ہور کچھ عجیب سا ہو رہا ہے نہ زیادہ ملتا ہے نہ بات کرنا بس چپ ہی رہتا ہے، لگتا ہے کوئی پراہلم ہے جسے وہ شیر نہیں کرنا چاہتا۔“ انعم نے اپنا تجزیہ بیان کیا جس پر سب نے تائیدی انداز میں سر ہلادیا۔

جبکہ وہ دل ہی دل میں اس سے ملنے کا تہیہ کرنے لگی تاکہ اس کی پریشانی بانٹ سکے جس نے اب تک کوئی بات نہیں کی تھی۔

ہم ہم ہم

”ہائے شزاء کیسی ہو؟“ وہ پارکنگ میں کھڑی اپنی گاڑی کی جانب بڑھ رہی تھی جب شزاء اسے پارکنگ ایریا سے گاڑی نکالتی نظر آئی۔

”ٹھیک ہوں، تم کیسی ہو؟“ شزاء نے جوابا سوال کیا۔

”بالکل ٹھیک، تم اکیلی جا رہی ہو، ہید کہاں ہے؟“ وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”معلوم نہیں وہ تو مجھ سے اب ملتا ہی نہیں ہے، اس کی اور میری آخری ملاقات ایک ماہ پہلے ہوئی تھی۔“ شزاء کے لہجے میں پھیلی افسردگی اور آنکھوں میں پھیلی نمی کو باآسانی محسوس کر سکتی تھی، وہ تاسف سے شزاء کی گاڑی کو دور تک جاتا دیکھتی رہی جواب نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

اگر اس نے شزاء سے نہیں ملنا تھا تو جھوٹ

کیوں بولا۔

وہ گاڑی ڈرائیو کر کے سیدھی اس کے گھر جا پہنچی اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی، شام کے پانچ بجے تھے جب وہ گھر میں داخل ہوا تھا اسے سامنے ہی صوفے پر بیٹھے دیکھ کر وہ لمحہ بھر کو ٹھنک کر اپنی جگہ پر رک گیا پھر آہستگی سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

”کیسی ہو؟“

اسے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر دل بے ترتیب انداز میں دھڑکنے لگا تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ وہ شدید تذبذب کا شکار ہو رہا تھا۔

”تم زیادہ ہی تکلف سے کام نہیں لینے لگے؟“ اس کا حال دریافت کرنے پر وہ طنز آہولی، وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے مقابل آکھڑی ہوئی تھی، جواباً وہ خاموش ہی تھا۔

”شزاء سے ملاقات ہو گئی؟“ اس کے سوال پر اس نے لمحہ بھر کو اس کی جانب دیکھا مگر اگلے ہی لمحہ سر جھکا گیا، وہ زیادہ دیر اس کی طرف دیکھ ہی نہیں پار رہا تھا۔

”تم بیٹھو میں تمہارے لئے چائے بنواتا ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ کچن کی جانب بڑھ رہا تھا جب اپنے پیچھے اس کی آواز سنائی دی، وہ وہیں ٹھہر گیا۔

”میں چائے پی چکی ہوں ہید اور کیا تمہیں نہیں لگتا کہ میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں تمہارا مسئلہ جاننا چاہتی ہوں تمہارے اس جھوٹ کی وجہ جاننا چاہتی ہوں جو تم نے آج سب کے ساتھ بولا تھا۔“ وہ ایک بار پھر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی، مگر وہ اب بھی خاموش تھا۔

”یہاں بیٹھو اور مجھ سے بات کرو۔“ اس نے نرمی سے اس کا بازو تھاما اور صوفے کی طرف



اشارہ کیا تو وہ غیر محسوس طریقے سے اپنا بازو اس کے ہاتھوں سے چھڑاتا صوفے پر جا بیٹھا۔

”میں جانتی ہوں تمہارے ساتھ کیا پر اہلم چل رہا ہے صبور آنٹی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے، لیکن مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ تم ان کے بارے میں ایسا کچھ سوچ بھی سکتے ہو؟“ وہ نہایت غیر دلچسپی سے اس کی باتیں سن رہا تھا، وہ اسے کیا بتاتا کہ اسے اب کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رہی تھی، وہ جو مرضی کریں آخر کو وہ خود مختار ہیں سو کچھ بھی کر سکتی ہیں اور ویسے بھی وہ کیسے اسے بتائے کہ اس نے تو کب سے اس کا ذہن تو نجانے کون کون سی سوچوں کی آماجگاہ بن چکا تھا جہاں وہ صرف اسے ہی سوچتا تھا اور سوچنا چاہتا تھا۔

”بید شاید تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تم نے انہیں کتنی تکلیف پہنچائی ہے، وہ تم سے بہت محبت کرتی ہیں مگر تمہیں ان کی محبت کہیں نظر ہی نہیں آتی اور نہ ان کی وہ قربانیاں دکھائی دیتی ہیں جو انہوں نے صرف تمہاری خاطر دی ہیں، اگر انہوں نے یہی سب کرنا ہوتا تو اس وقت بھی کر سکتی تھیں جب روحان انکل انہیں بالکل تنہا چھوڑ کر چلے گئے تھے اور تم بہت چھوٹے تھے وہ اپنے اور تمہارے تحفظ کی خاطر کسی کو بھی اپنا سکتی تھیں لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا کیونکہ وہ اسٹیپ مدر کے بعد اسٹیپ فادر کا دکھ تمہیں دینا نہیں چاہتی تھیں وہ ڈرتی تھیں کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو وہ تمہیں ہمیشہ کے لئے کھودیں گی اور وہ تمہیں کسی بھی قیمت پر کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتی تھیں۔“ وہ غائب دماغی سے اس کی تمام باتیں سن رہا تھا۔

”انہیں اور ان کی محبت کو سمجھنے کی کوشش کرو بید، کاش تمہیں بھی کسی سے سچی محبت ہوتی تو تب

تمہیں محبت میں ملے دکھ اور اذیت کا احساس ہو پاتا۔“ اس کی آخری بات پر لمحہ بھر کے لئے اس نے اپنے اندر حشر برپا ہوتا محسوس کیا، جس پر وہ فوراً ہی قابو پا گیا تھا، وہ مزید کیا بول رہی تھی اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

”تمہاری ذہنی کیفیت اور ٹینشن کو میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں لیکن پھر بھی مشورہ دوں گی کہ آئندہ دوبارہ جھوٹ مت بولنا اور نہ مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کرنا۔“ اپنی بات مکمل کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور جانے سے پہلے ایک نظر اس پر ڈالی ابھی تک اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا، آج پہلی بار ایسا ہوا تھا جب وہ صبور آنٹی کے متعلق کہی گئی اس کی باتوں کو اتنے تحمل کے ساتھ سنتا جا رہا تھا، اللہ کرے کہ اس کے دماغ سے صبور آنٹی کے بارے میں تمام بدگمانیاں دھل جائیں، وہ دل ہی دل میں دعا کرتی وہاں سے نکل آئی اور اپنے گھر کی طرف چل پڑی۔

☆☆☆

آج انعم کے گھر پر عباد اور انعم کے نکاح کی تقریب کا اہتمام بڑے پروقار انداز میں کیا گیا تھا بڑے اور خوبصورت سے لان کو برقی قلموں سے سجا کر اس کی شان میں مزید اضافہ کیا گیا تھا، رنگ و بو کی محفل اس وقت پورے عروج پر تھی۔

انعم کے گرینڈ فادر کی خواہش پر ان دونوں کے نکاح کا اچانک اعلان کیا تھا جو اگلے ہفتے کینیڈا شفٹ ہونے والے تھے لہذا وہ اپنے سامنے یہ فریضہ سرانجام دینا چاہتے تھے جبکہ رخصتی ان کے ایگزامز کے بعد ہونا قرار پائی تھی، عباد اور انعم کے چہروں پر نظر نہیں ٹک رہی تھی جو اندرونی خوشی کے باعث جگمگائے جا رہے تھے۔

وہ سب اس وقت اسٹیج پر عباد اور انعم کے پاس بیٹھے خوش گپیوں اور قہقہوں سے فضا کو رونق



بخش رہے تھے۔

ارتج اب تک نہیں آئی تھی، غیر ارادی طور پر اس کی نظر بار بار گیٹ کی طرف پڑتی اور اسے ڈھونڈنے لگتی مگر وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی، اس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا، پھر اچانک زیادہ سے بات کرتے ہوئے وہ گیٹ سے اندر داخل ہوتی نظر آئی تو دل گویا ایک جگہ رٹھیر گیا تھا اور دھڑکنیں منتشر ہو کر ادھر ادھر بکھر گئی تھیں، بے اختیاری کے عالم میں وہ اسے دیکھتا جا رہا تھا نظر تھی کہ قصد کے باوجود ہٹ نہیں پا رہی تھی، وہ سب سے ملتی اب ارتج کی طرف بڑھ رہی تھی، قرار کے بجائے بے قراری پورے وجود پر چھا رہی تھی سینے میں موجود دل بری طرح پھڑپھڑانے لگا تھا اور حلق خشک ہو کر بند ہونے لگا تھا، اضطرابی انداز میں وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں بری طرح رگڑے جا رہا تھا جس کا شاید اسے خود بھی احساس نہیں تھا مگر اضطراب تھا کہ کسی طور کم نہیں ہو پا رہا تھا۔

مزید وہاں بیٹھنا دو بھر ہو رہا تھا وہ لمحہ ضائع کیے بغیر اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز تیز قدم اٹھاتا لان کر اس کے اندر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ شدید حیرانی سے اسے جاتا دیکھتی رہی جو اس سے ملے بغیر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

ارتج پر عباد اور انعم سے ملنے والوں کا رش بڑھ گیا تھا جس کے باعث کسی کی نظروں میں اس کی یہ حرکت نہیں آئی تھی۔

اس سے رہا نہ گیا اور اس کے پیچھے کچن تک چلی آئی۔

وہ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالے گلاس میں انڈیل رہا تھا۔

”اتنی سخت سردی میں اتنا سرد پانی؟“ وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

وہ خالی گلاس ٹیبل پر رکھ کر پلٹ ہی رہا تھا جب اسے اپنے بالکل سامنے دیکھ کر وہ وہیں رک گیا۔

”تم کب آئیں؟“ اسے کھڑا دیکھ کر ناچار اسے رکنا پڑا تھا۔

”جب تم مجھے دیکھ کر مجھ سے ملے بغیر یہاں چلے آئے تب ہی آئی تھی۔“ وہ طنز کرتے ہوئے بولی۔

”میں نے تمہیں نہیں دیکھا تم کب آئی تھیں؟“ اس کے صاف جھوٹ پر وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی جس نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا، اس میں چاہے اس کا نفع ہو یا نقصان۔

”پتہ نہیں تم کب سے جھوٹ بولنے لگے ہو اور ایسی کیا مجبوری ہے جو تمہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کر رہی ہے۔“ وہ تاسف سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی تو وہ محض نظریں چرا گیا۔

”تم کیوں میرے ساتھ اس طرح کر رہے ہو؟“ اس کے لہجے میں دکھ پنہاں تھا۔

”تم تو مجھے دیکھتے ہی خوش ہو جاتے تھے، اپنی ہر تکلیف اور ہر پریشانی مجھ سے شیر کرتے تھے لیکن اب تو لگتا ہے تمہاری سب سے بڑی پریشانی میں ہی ہوں جس سے تم بھاگنا چاہتے ہو۔“ اس کی بات پر اس نے ایک نظر اسے دیکھا جو اس وقت اس کے رویے پہ ملول دکھائی دے رہی تھی۔

”تم سب سے اچھی طرح ملتے ہو بات کرتے ہو لیکن پتہ نہیں کیوں میری موجودگی تم سے برداشت نہیں ہوتی، میں پچھلے کئی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں جہاں میں ہوتی ہوں تم وہاں سے چلے جاتے ہو آخر کیوں؟“ وہ روہا سی ہو رہی تھی۔

اس کا دل جیسے کسی شکنجے میں جکڑا جا رہا تھا وہ



بے چین سا ہو گیا تھا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے ارتج میں بھلا ایسے کیوں کروں گا میں۔“

”یہی تو میں سوچ رہی ہوں کہ تم ایسا کس طرح کر سکتے ہو میرے ساتھ جبکہ میں نے تمہارے ساتھ ایسا کچھ کیا ہی نہیں ہے۔“ پہلی بار وہ اپنی وجہ سے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس کے تمام آنسو صاف کر ڈالے مگر وہ تو اپنی جگہ پر جما ہوا تھا اس میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ ایک لفظ بھی کہہ سکے۔

”کیا بات ہے یار خیریت تو ہے تم دونوں کہاں غائب ہو میں کب سے.....“ زیاد غالباً انہیں ڈھونڈتا ہوا یہاں تک آپہنچا تھا مگر ارتج کے ترچہ پر نظر پڑتے ہی وہ تشویش سے اس کی طرف بڑھ گیا۔

”وہاٹ ہینڈ ارتج، آریو اوکے؟“ وہ کچھ بھی کہے بغیر تیزی سے کچن سے باہر نکل گئی تو زیاد سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”کیا بات ہے ہید تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟“ جواباً وہ خاموش ہی رہا۔  
”کیا ہوا ہے کچھ بولتے کیوں نہیں ہو؟“  
زیاد نے اصرار کیا۔

”کچھ نہیں ہوا یار، کچھ بھی نہیں۔“ اسے تو خود کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب اچانک کیا ہوا ہے؟ وہ کچھ بھی بولنے کی پوزیشن میں نہیں تھا سوچ سوچ ہی کھڑا رہا پھر باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر بعد جب تمام مہمان ریفریشمنٹ کے بعد اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے وہ تینوں انعم کے بیڈروم میں موجود گہری سوچ میں غلطاں تھے۔

”تمہارے اور ارتج کے درمیان کیا پرالیم

چل رہا ہے یار کچھ تو بتاؤ۔“ عباد نے ٹھہر جانے والی خاموشی کو توڑتے ہوئے اس سے پوچھا۔  
”تمہیں پتہ ہے ہید تم ہم سب سے کتنے دور ہو رہے ہو لیکن تمہیں شاید اس بات کا احساس نہیں ہے۔“ اس کی مستقل خاموشی سے تنگ آ کر زیاد نے اگلی بات کر ڈالی جس پر وہ مزید چپ نہ رہ سکا۔

”تم غلط سمجھ رہے ہو ایسا کچھ نہیں ہے میں تم لوگوں سے دور ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔“ وہ صاف گوئی سے بولا۔

”تو پھر ہم میں ہوتے ہوئے بھی کہاں غائب رہتے ہو؟ پہلے کی طرح ان تمام ایکٹیویٹیز میں دلچسپی کیوں نہیں لیتے جو تمہیں پسند ہوا کرتی تھیں؟“ عباد نے پوچھا۔

”دیکھو ہید اگر کوئی پرسنل پرابلم ہوتا تو ہم شاید اس حد تک نہ تو فورس کرتے اور نہ محسوس کرتے مگر مسئلہ چونکہ تمہارے اور ارتج کے درمیان کا ہے اس لئے بہت ٹینشن ہو رہی ہے کیونکہ تم دونوں کے رویوں سے ہم سب کو پریشانی ہو رہی ہے۔“ زیاد کی بات پر وہ محض پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

”کیوں اتنے الجھے الجھے سے رہتے ہو یار کچھ تو شیئر کرو۔“

”میں خود کچھ نہیں جانتا میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے میں تم لوگوں کو کیا بتاؤں پلیز مجھے فورس مت کرو مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“ وہ خود سے الجھتے الجھتے شاید تھک چکا تھا سو جھنجھلا کر قدرے تیز آواز میں بولا، وہ واضح طور پر اندرونی خلفشار کا شکار لگ رہا تھا ایسے میں وہ اسے تنہا کیسے چھوڑ سکتے تھے۔

”تمہارا بی بیو ارتج کے ساتھ بہت بدل گیا ہے اور یہ صرف اس نے ہی نہیں بلکہ ہم نے



بھی محسوس کیا ہے۔" عباد کی بات پر وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ارتج کو لے کر کیا محسوس کرنے لگے ہو؟" زیاد نے سیدھی بات کہی جس پر وہ کتنی ہی دیر تک ایک ٹک اسے دیکھتا چلا گیا، وہ تو سمجھ رہا تھا کہ وہ سب بے خبر ہیں اور کچھ نہیں جانتے مگر.....

تھکے تھکے سے انداز میں وہ صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر گہرا سانس اپنے اندر اتارنے لگا، جبکہ وہ دونوں سوالیہ انداز میں اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، چند ثانیے بعد اس کی دھیمی سی آواز سنائی دی۔

"پتہ نہیں میرے ساتھ یہ سب کیا ہو رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے، ارتج میری بہت اچھی دوست ہے بلکہ میری سب سے اچھی دوست ہے لیکن پچھلے دو ماہ سے میری فیلنگز کچھ عجیب سی ہو رہی ہیں اسے دیکھے بغیر سکون نہیں آتا اور جب وہ سامنے آتی ہے تو بے چینی بڑھ جاتی ہے، اسے دیکھتا ہوں تو دیکھتے رہنے کو دل کرتا ہے مگر پھر بھی اس سے کترانے لگتا ہوں، اس کے پاس جانے کو دل چاہتا ہے مگر جب وہ قریب آتی ہے تو ڈر جاتا ہوں کہ کہیں وہ مجھ سے دور نہ چلی جائے ہر وقت اسے سوچتا ہوں اس کے بارے میں سوچتا ہوں کوئی دوسرا خیال بھی پاس سے نہیں گزرتا سوائے اس کے خیال کے، اس کے ساتھ وقت نہیں زندگی گزارنے کو دل کرنے لگتا ہے، مگر، مگر اپنے آپ سے شرم محسوس ہونے لگتی ہے اپنی سوچ پر گھنٹوں خود پر ملامت کرتا ہوں کہ اگر اسے پتہ چل گیا تو شاید وہ بھی میری شکل تک دیکھنا گوارا نہ کر لے اور اگر ایسا ہوا تو کیا کروں گا میں؟" نجانے کتنی دقت کے بعد وہ یہ سب کہہ پایا تھا اور پھر خاموش ہو گیا تھا۔

"تم کچھ غلط تو نہیں کر رہے ہو۔" عباد کی

بات پر اس نے ایک اچھتی سی نظر اس پر ڈالی جیسے اس نے بہت انہونی بات کہہ ڈالی ہو۔

"عباد ٹھیک کہہ رہا ہے اگر تم ارتج کو پسند کرنے لگے ہو تو اس میں حرج ہی کیا ہے، کوئی مناسب ساموچ دیکھ کر....."

"وہاٹ نان سینس زیاد میں محض اسے پسند کرتا ہوں اور کچھ نہیں ہے، اس کے علاوہ وہ مجھ پر بھروسہ کرتی ہے، اعتبار کرتی ہے مجھ پر اور مجھے اچھا دوست سمجھتی ہے ایسے میں اسے کچھ کہہ کر میں اس کا اعتبار توڑنا نہیں چاہتا۔" زیاد کی پوری بات نے بغیر وہ تیز لہجے میں بولا۔

"تم صرف اسے پسند نہیں کرتے ہید مائنڈ اٹ۔" عباد نے پیش گوئی کرنے والے انداز میں اسے دیکھ کر کہا۔

"جانتا ہوں لیکن میں اسے دھوکہ دینا نہیں چاہتا، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا میں کیا کروں، میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں اگر میں نے اس پر کچھ بھی ظاہر کیا تو وہ مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی اور اگر اس نے ایسا کیا تو میں اپنی ہی نظروں میں گر جاؤں گا۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

"پھر ایسے ہی رہو گے، اسی کنڈیشن میں رہو گے؟" زیاد نے اس کی حالت کو دیکھتے ہوئے عجیب سے انداز میں سوال کیا تو وہ دکتے سر کو بمشکل اٹھا کر باری باری دونوں کو دیکھنے لگا۔

"میں ارتج پر بھی کچھ ظاہر نہیں کروں گا چاہے اس کے لئے مجھے تمام....." بات کرتے کرتے اس کی نظر دروازے پر جا پڑی جہاں ارتج دم سادھے اسے ہی دیکھ رہی تھی اس کی نظروں میں کیا تھا دکھ حیرانی، تاسف یا ملامت؟ وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ عباد اور زیاد کو بھی شدید



جھٹکا سا لگا تھا جیسی کوئی اپنی جگہ سے ہل ہی نہیں پایا تھا۔

اس پر ایک زہر خند نظر ڈال کر وہ تیزی سے وہاں سے ہٹ گئی، انعم جو اس کے ساتھ ہی کمرے تک آئی تھی دور تک اسے آوازیں دے کر روکنے کی کوشش کرنے لگی مگر وہ ان سنی کرتی باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر پہلے کے ہنید کے خدشات سچ سچ معلوم ہوئے دکھائی دے رہے تھے، اچانک خراب ہو جانے والی اس پوزیشن پر وہ سب سر پکڑے بیٹھے تھے۔

☆☆☆

اور پھر وہی ہوا جس کا اسے ڈر تھا۔

ارتج مکمل طور پر اسے نظر انداز کر رہی تھی، جب کہیں اس کا سامنا اس سے ہو جاتا وہ لالعلقی بنی وہاں سے ہٹ جاتی، وہ خود بھی اس سے نظر ملانے کی ہمت اپنے اندر نہیں پا رہا تھا، اس کا سخت رویہ اس کے لئے انتہائی تکلیف دہ تھا، وہ کہے اس کے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرے اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

عباد، انعم اور زیاد نے بھی اپنے تئیں کئی بار اس سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہی مگر وہ کوئی بات بھی سننے کو تیار نہ تھی، پھر کچھ دنوں بعد شروع ہونے والے ایگزامز میں سب مصروف ہو گئے مگر ذہن ان دونوں کی طرف ہی لگا رہتا، ان دونوں کے درمیان بڑھتی تلج سے سب پریشان تھے مگر وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے۔

آج لاسٹ پیپر تھا اور وہ سب کے اصرار پر ان کے پاس کیفے میں چلی آئی تھی جہاں وہ سب اس کے منتظر بیٹھے تھے۔

”دھنیکس ارتج تم آئیں تو سی۔“ اسے آتا دیکھ کر انعم نے صد شکر ادا کیا۔

”پلیز یار تم لوگوں کے جو بھی اختلافات ہیں آج کے لئے ختم کر دو اور آج ہم اس لاسٹ ڈے کو اچھے طریقے سے سیلبرٹ کر کے یادگار بنانا چاہتے ہیں پھر اس کے بعد ہم سب پروفیشنل لائف کی طرف بڑھ جائیں گے پھر شاید اتنی فرصت سے بیٹھ نہ پائیں کیونکہ ہمیں اپنا فیوچر ڈسکس کرنے کے لئے بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہوگی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوگا کہ ہم ایک دوسرے کے لئے ٹائم ہی نہ نکال پائیں، ہم جیسے آج ہیں کل بھی ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی رہیں گے انشاء اللہ۔“ عباد کی بات پر سب نے بیک وقت انشاء اللہ کہا، مگر وہ دونوں تو گویا لب سے بیٹھے تھے بالکل چپ، وہ تینوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

”آج شام کو ہم لوگ باہر جائیں گے اور خوب انجوائے کریں گے ڈن؟“ عباد نے ہاتھ آگے بڑھایا تو باری باری انعم اور زیاد نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا تو چند لمحوں بعد اس نے بھی اپنا ہاتھ زیاد کے ہاتھ پر رکھا اور اب سب منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جو بیکسر لاعلم بیٹھی تھی۔

”ارتج پلیز گیو یور ہینڈ۔“ انعم کے کہنے پر اس نے ناچار اپنا ہاتھ رکھنے کے لئے بڑھایا تب ہی اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ زیاد کے ہاتھ پر سے اٹھالیا۔

پتہ نہیں اس نے ایسا کیوں کیا تھا بہر حال جو بھی ہوا تھا اس سے غیر ارادی طور پر ہوا تھا۔

”او کے گائیز شام کو ملتے ہیں پھر۔“ زیاد نے فوراً کافی اور اسٹیکس کا آرڈر دیتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو سب کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

☆☆☆

مارچ 2015

151

حصہ



اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بجے تھے وہ غضب سے مل کر واپس گھر جا رہا تھا جب اس نے موبائل کارڈ لینے کے لئے دائیں جانب گاڑی کو بریک لگائے اور شاپ کی طرف بڑھ گیا اسی اثناء میں اس کی نظر ساتھ ہی میڈیکل سنور پر جا پڑی، محض ایک لمحے کے لئے اسے گماں ہوا کہ وہ ارتج ہے اس نے ارادی طور پر دوسری نظر اس پر ڈالی وہ واقعی ارتج تھی۔

رات کے اس پہر وہ تنہا میڈیکل سنور پر؟ اسے اچنبھا ہوا تھا، وہ لمحہ ضائع کیے بغیر اس کی طرف دوڑ پڑا۔

”ارتج!“ وہ میڈیسن ہاتھ میں تھامے پے منٹ کر کے پلٹ رہی تھی جب اپنے بالکل قریب اس کی آواز سن کر پہلے وہ چونکی پھر دیکھنے کی زحمت کیے بغیر آگے بڑھتی چلی گئی۔

”تم رات کو اس وقت یہاں اکیلی، تم مجھے نہیں کہہ سکتی تھیں کیا؟“ اس کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے اس نے افسوس سے اس کی طرف دیکھ کر کہا مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر چلتی رہی گویا اس کے ساتھ کوئی موجود نہیں ہے۔

”ٹیکسی۔“ پاس سے گزرتی ٹیکسی کو ہاتھ بڑھا کر اس نے روکنا چاہا جس پر اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا، اس کی اس حد درجہ بیگانگی پر وہ ایک سخت نظر اس پر ڈال کر ٹیکسی کو آگے بڑھ جانے کا اشارہ کیا پھر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا میں اتنا برا ہو گیا ہوں ارتج کہ اب تم مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھتیں کہ میں تمہارے کسی کام آسکوں۔“

”میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، مجھے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ بالکل سپاٹ لہجے میں بولی۔

”گاڑی میں بیٹھو میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔“ کہہ کر وہ ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھ

گیا۔

”میں چلی جاؤں گی پلیز تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے زحمت کرنے کی۔“ اس کے لہجے میں پتہ نہیں کیا بات تھی کہ وہ پل بھر کے لئے اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

”مجھے اتنا نظروں مت گراؤ ارتج فار گاڈ سیک۔“ التجائیہ انداز میں کہہ کر وہ اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول کر کھڑا ہو گیا اور منتظر نظروں سے اسے دیکھنے لگا جوش و پنج کی سی کیفیت میں کھڑی تھی، پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر وہ آہستگی سے آگے بڑھی اور چپ چاپ بیٹھ گئی۔

اس نے سکون کا سانس بھرا اور ڈور بند کر کے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا، تمام راستہ مکمل خاموشی تھی۔

وہ مسلسل ونڈ اسکرین سے باہر دیکھ رہی تھی جبکہ وہ یکسوئی کے ساتھ ڈرائیونگ کرنے میں مصروف تھا۔

گھر کے سامنے گاڑی رکتے ہی وہ برق رفتاری سے گیٹ کی جانب دوڑی، وہ بھی اس کے پیچھے چلا آیا۔

وہ سیدھی پاپا کے کمرے میں گئی تھی جہاں یمینہ ان کے سرہانے ان کے منجیف ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لئے پریشان بیٹھی تھی اور نظریں شاید اسی کے انتظار میں دروازے پر مرکوز تھیں جیسی اسے دیکھتے ہی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

”اتنی دیر لگا دی ارتج پاپا کو فوراً میڈیسن دینی تھیں۔“ یمینہ اس کے ہاتھ سے میڈیسن لیتی پریشانی کے عالم میں بولتی کمرے سے باہر نکلنے لگی جب دروازے میں اسے کھڑے دیکھ کر رک گئی پھر غلبت میں آگے بڑھ گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے کچن میں چلا آیا۔

”انکل کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی



کیا؟“ یمینہ انکل کے لئے دودھ گرم کر رہی تھی جب اس نے ایک شکایتی نظر اس پر ڈالی پھر گویا ہوئی۔

”ہاں اچانک طبیعت بگڑ گئی تھی اور میڈیسن بھی ختم ہو گئی تھیں جس کی وجہ سے بہت پریشانی ہوئی اور دوسرا گاڑی راجیل لے کر چلے گئے تھے اپنی بہن کے گھر حیدر آباد تو بس پوچھو مت اور ایک تم ہو میں اتنے دنوں سے آئی ہوئی ہوں ایک بار بھی مجھ سے ملنے نہیں آئے اور اب بھی ارتج نے اتنے فون کئے تمہیں مگر نہ فون ریسو کیا نہ بعد میں خیریت معلوم کی۔“

گرم دودھ سے بھرا گلاس احتیاط سے اٹھاتے ہوئے یمینہ نے بھرپور انداز میں شکایت کی تو وہ بری طرح چونک اٹھا اور ٹراؤڈرز کی جب سے فون نکال کر مسڈ کالز لسٹ چیک کرنے لگا مگر وہاں ارتج کی کوئی مسڈ کال موجود نہیں تھی۔

اس کا مطلب تھا اس نے یمینہ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ فون پک نہیں کر رہا۔ وہ تھوڑی دیر وہاں رکا پھر گھر چلا آیا، اس دوران وہ اپنے کمرے میں ہی رہی۔

☆☆☆

وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی یمینہ اور حرا کا انتظار کر رہی تھی جو قریبی مارکیٹ تک گئی تھیں گھر کا کچھ ضروری سامان لانے۔

”اندر آ سکتا ہوں؟“ اس کی آواز پر اس نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا جو اپنے مخصوص انداز میں اس کی طرف سوالیہ انداز میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔

اس نے شاید جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا تب ہی دوبارہ ہاتھ میں پکڑی اسٹوری بک کی طرف متوجہ ہو گئی۔ یقیناً وہ اسی رد عمل کا شکار تھا اس لئے دوبارہ

پوچھنے کی زحمت کیے بغیر آہستگی سے چلتا ہوا اس کے سامنے والے صوفے پر ٹپک گیا اور ہاتھ بڑھا کر اس کے ہاتھ میں موجود بک لے کر بند کر کے ٹیبل پر رکھ دی۔

”ناراض ہو؟“ کافی دیر چپ رہنے کے بعد اس نے استفساریہ انداز میں اس کی طرف دیکھا، مگر وہ اسی طرح خاموش تھی۔

”کیا ہم پہلے کی طرح اچھے دوست بن سکتے ہیں؟“ وہ اس کی کسی بھی بات کا جواب دینا انتہائی غیر ضروری سمجھ رہی تھی اس لئے مکمل لا تعلق اپنائے بیٹھی تھی۔

”ارتج میں تم سے بات کر رہا ہوں۔“ اس نے اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے پکارا جس پر اس نے محض ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی پھر دوبارہ اسی پوزیشن میں بیٹھ گئی۔

”کیا تم وہ سب کچھ بھلا کر مجھے معاف کر سکتی ہو؟“ اس کے اس سوال پر اس نے ناراض نظروں سے اسے دیکھا جو بڑے آرام سے اس سے پوچھ رہا تھا۔

”جہیں۔“ قدرے توقف کے بعد اس نے سختی سے انکار کر دیا۔

”کیوں، کیا تم میرے بارے میں اتنی تنگ دل ہو کہ میری کسی غلطی کو کھلے دل سے معاف نہیں کر سکتیں؟“

”تمہاری اس غلطی کو کبھی معاف نہیں کروں گی کیونکہ تم نے میرا اعتبار توڑا ہے اور جو اعتبار ہی توڑے اس کے پاس کوئی بھی رشتہ جوڑنے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔“ وہ دل ہی دل میں شکر ادا کرنے لگا جو اس سے بات کرنے پر راضی تو ہوئی تھی مگر نہ اب سے پہلے تو وہ ایک لفظ بھی بولنا پسند نہیں کر رہی تھی۔

”آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا ارتج پلیز،



میرے دل میں تمہارے لئے وہی احترام اور وہی قدر ہے میرا یقین کرو، میں تمہیں زندگی میں کبھی اپنی ذات سے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا صرف ایک بار میرا یقین کر لو۔“ وہ التجائیہ انداز میں بول رہا تھا۔

”تم نے میرے ساتھ بہت زیادتی کی ہے بلید روحان، تم نے میرا سب سے اچھا، سب سے بہترین دوست مجھ سے چھین کر مجھے خالی ہاتھ چھوڑ دیا، میں تمہیں کیسے معاف کر سکتی ہوں۔“ نجبانے اس کا دل کتنا بھرا ہوا تھا کہ بات کرتے کرتے اس کی آنکھوں سے شفاف آنسو موتی کی مانند قطار در قطار گرتے جا رہے تھے۔

”میں نے تمہیں کبھی کھونے کا تصور تک نہیں کیا تھا کبھی تم سے دور ہونے کا خیال بھی دل میں نہیں لائی تھی کہ کہیں وہ سچ نہ ہو جائے لیکن تم نے میرے سارے خدشات پورے کر دیئے، تم نے مجھے توڑ دیا بلید، میرے اعتبار کو میرے خلوص کو ریزہ ریزہ بکھیر دیا تم نے سب کچھ ختم کر دیا، وہ دوست جس پر میں آنکھ بند کر کے بھروسہ کرتی تھی جس پر مجھے خود سے بڑھ کر مان تھا تم نے مجھے اس سے الگ کر کے دور پھینک دیا، اپنے اور میرے درمیان موجود مخلص اور قیمتی رشتے کو لمحے میں بے مول کر کے رکھ دیا، تم نے مجھے اکیلا کر دیا بلید۔“ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے، بے اختیار وہ چہرہ ہاتھوں میں لئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی تو وہ پہلے۔۔۔ کہیں زیادہ بے چین ہو گیا۔

”ارتج پلیز روڈ مت، میں کہہ رہا ہوں ناں آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، میں اس لمحہ کو اپنی اور تمہاری زندگی سے نوچ کر پھینک دوں گا جس لمحے نے مجھے تمہاری نظروں میں بے اعتبار کیا ہے، میں دفن کر دوں گا اس پل کو ہمیشہ کے لئے،

بس تم مجھ پر بھروسہ کرو میرا اعتبار کرو ارتج میں وہی ہدیت تمہیں لوٹا دوں گا جس کو میں نے تم سے دور کر دیا تھا، پلیز بان جاؤ صرف ایک بار، میں زندگی بھر تمہارا مان نہیں توڑوں گا میں وعدہ کرتا ہوں اگر بھروسہ توڑا تو کبھی صورت تک نہیں دکھاؤں گا، میں بس تمہاری نظروں میں معتبر رہنا چاہتا ہوں، مجھے اعتبار دے دو پلیز۔“ فرط جذبات میں اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے پوری سچائی سے کہا تو وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی جس کی روشن آنکھوں میں صرف سچ جھلک رہا تھا۔

”میں اپنے اتنے اچھے دوست سے دور نہیں رہ سکتی بلید، تم تو میرا بہت بڑا سہارا ہو مجھ سے یہ سہارا کبھی مت چھیننا پلیز۔“ ایک بار پھر اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے تھے۔

اس نے آپس میں جڑے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

”میں بھی تو نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر یار، تم نہیں جانتیں میں نے کب کب تمہیں یاد نہیں کیا، کس کس وقت مجھے تمہاری ضرورت محسوس نہیں کی، مجھے تو تمہاری عادت ہے یار، تمہارے علاوہ کبھی اپنے پاس کسی کو پایا ہی نہیں چاہے وہ کوئی تکلیف ہونی یا معمولی سی خوشی، ہمہ وقت تمہاری موجودگی میرے لئے کل سرمایہ رہی ہے، دن میں رات میں کب تمہاری یاد نہیں کیا میں نے؟ ہر تکلیف میں مجھے تم یاد آتی تھیں کہ تم ہو میں تو میرا خیال رکھتیں، مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم یار کہ میرے کمرے میں موجود وارڈ روب میں کون سا دراز کس چیز کے لئے ہے اور کس چیز کو کہاں رکھنا ہے مجھے کچھ پتہ نہیں، میرے کمرے کی حالت بہت بری ہے اس وقت بھی، تم دیکھو گی ناں تو مجھے خوب برا بھلا کہو گی۔“ اس کے بتانے پر وہ



دھیرے سے مسکرا دی تو وہ بھی کھل اٹھا تھا۔

”جو تمہارا خیال رکھتے ہوں تمہیں بھی ان کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے ناں۔“ اس نے مشورہ دیا تو وہ بھی مسکرا کر رہ گیا۔

”کافی پیو گے؟“ تھوڑی دیر بعد اس نے نارمل لہجے میں اس سے پوچھا۔

”ہاں لیکن آج میں بناؤں گا اپنے ہاتھ سے۔“ کہہ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کچن کی جانب بڑھ گیا

اسے اپنے سر سے ایک بڑا بوجھ سرکتا محسوس ہو رہا تھا، ارتج کی ناراضگی اور بے اعتنائی اسے اندر ہی اندر کاٹ رہی تھی، کتنے ہی دنوں سے وہ خود سے بھی نظر نہیں ملا رہا تھا، کتنا خالی اور بے معنی ہو گیا تھا اس کا وجود اس کے نہ ہونے سے۔

اس کے بغیر تو وہ کچھ نہیں تھا اس کا احساس ان چند دنوں میں اسے بخوبی ہو گیا تھا، وہ صرف اس کی دوست تھی یہ خود کو باور کراتے ہوئے اسے کسی تکلیف سے گزرنا پڑا تھا یہ وہی جانتا تھا، ایک بار اسے کھو چکا تھا دوبارہ کھونے کا حوصلہ اس میں ہرگز نہیں تھا، اپنی نظروں، اپنی سوچوں اور اپنے اندر پختے ہر جذبے پر اس نے لاکھوں پہرے بٹھا دیئے تھے جو اس کی شفاف دوستی کی نگرانی پر مامور تھے، وہ پہلے کی طرح اس کے لئے اچھا دوست ثابت ہونا چاہتا تھا اس کے دل سے ہر احساس کو مٹانا چاہتا تھا جو اسے کسی خوف میں مبتلا کر سکتا تھا۔

اس رات اسے تنہا میڈیکل شور پر دیکھ کر اس نے اپنا دل کسی گہری پستی میں گرتے دیکھا تھا انجانے میں ہی سہی مگر اس نے واقعی اس کے ساتھ زیادتی کر ڈالی تھی دوستی کا بھرم توڑ کر رکھ دیا تھا، نہ دوستی کا حق ادا کر سکا تھا نہ فرض، مگر اب وہ اسے کسی امتحان میں ڈالنے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا،

وہ خود تو ٹوٹ گیا تھا اسے توڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کافی تیار ہو چکی تھی، دھمک میں کافی ڈالے اس کے پاس لاؤنج میں چلا آیا، جہاں وہ بڑے پرسکون انداز میں لی وی پر نظریں جمائے بیٹھی تھی، اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان دیکھ کر اس کے اندر طمانیت کا بھرپور احساس پیدا ہو گیا تھا۔

”تھینکس۔“ کافی کاگ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے وہ خوشگوار انداز میں بولی۔

”تم نے آفس جوائن نہیں کرنا کیا؟“ کچھ دیر بعد اس نے اس سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”کیوں؟“ وہ تعجب سے اسے دیکھنے لگی جو اپنے ساتھ بہت غلط کر رہا تھا۔

”تمہیں اپنے فوجہ کی کوئی پرواہ نہیں کیا، تم خود دیکھو سب سیٹل ہو چکے ہیں عباد اپنے انکل کے ساتھ بزنس میں ان ہو گیا ہے زیادتی نیشنل کمپنی میں اچھی پوسٹ پر جاب کر رہا ہے اور تم، تم کیا کر رہے ہو سوائے خود کو ویسٹ کرنے کے۔“ وہ کافی پینے کے ساتھ ساتھ اس کی تمام باتیں خاموشی سے سن رہا تھا۔

”پلیز ہید ایسا مت کرو صبور آنٹی اکیلے اتنا کچھ کب تک کر سکتی ہیں، تم بزنس میں ان کی ہیلپ کرو گے تو انہیں بھی کچھ ریسٹ مل جائے گا، تم مانو نہ مانو یہ صبور آنٹی کی ہی ہمت تھی جنہوں نے روحان انکل کے بعد اس گھر کو بزنس کو اور حتیٰ تمہیں بھی سنبھالا، اکیلا آدمی بھی اتنا سب کچھ نہیں کر سکتا، وہ تو پھر عورت ہیں ایک کمزور عورت، انہیں مزید کمزور مت کرو وہ اندر سے ختم ہو جائیں گی اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا تب تمہاری انا، کہیں جا کر سو جائے گی تم دیکھ لینا۔“ پتہ نہیں وہ اور کیا کیا بولتی رہی جس کو وہ بس



ستنا ہی رہا تھا، جیسے ہی وہ رکی وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”او کے یار چلتا ہوں، کل ملیں گے۔“ وہ بالکل پہلے کی طرح بولا تو وہ دل سے خوش ہو گئی تھی۔

”بہید پلیز سوچنا ضرور۔“ اپنے پیچھے اس کی آواز سنائی دی مگر وہ کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گیا۔ اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان میں سب کچھ ٹھیک ہوتا چلا گیا تھا۔

☆☆☆

پچھلے کچھ دنوں سے وہ اپنے اندر عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا، اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا، گھر میں رہنا نہ گھر سے باہر رہنا، اگر گھر میں ہوتا تو کئی کئی گھنٹے کمرے میں بند رہتا نہ کسی سے بات کرتا نہ کسی کا فون ریسیو کرتا۔

اس وقت بھی وہ کب سے اپنے کمرے میں مقید تھا جب چائے کی طلب کے باعث وہ کچن میں چلا آیا اور اپنے لئے چائے بنانے لگا، تب ہی اسے سامنے والے کمرے سے کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی جس کو اس نے اپنا وہم سمجھ کر جھٹک دیا، مگر دوسری بار بھی وہی آواز سنائی دی تو وہ نظر انداز نہ کر سکا اور کچن سے باہر نکل کر کمرے کی طرف چل پڑا، جہاں بیڈ پر وہ سینے پر ہاتھ رکھے بری طرح کراہ رہی تھیں، بے اختیار وہ ان کی طرف بڑھا اور انہیں دونوں بازوؤں سے تھام لیا۔

”آپ ٹھیک تو ہے ناں، کیا ہوا ہے آپ کو؟“ ان کا رنگ زرد پڑ رہا تھا، اس کے لہجے میں واضح تشویش تھی، انہوں نے بمشکل ہاتھ سے دراز کی طرف اشارہ کیا تو وہ فوراً ان کی سائیڈ ٹیبل کی دراز کی طرف لپک گیا جہاں بے شمار دوائیاں رکھی تھیں۔

اس نے حیرانی سے پہلے ان تمام دوائیوں کو اور پھر ان کی نقاہت زدہ وجود پر نظر ڈالی، اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا تھا کہ وہ نجانے کب سے کن کن بیماریوں میں الجھی ہوئی تھیں جن کا اسے کبھی علم ہی نہ ہو سکا تھا اور علم بھی کیسے ہوتا اسے تو ان کی ذات سے کبھی کوئی دلچسپی ہی نہیں رہی بلکہ اس نے تو کبھی غور سے ان کا چہرہ تک دیکھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی تھی تو پتہ کیسے چلتا کہ وقت نے ان پر کس طرح اپنے گہرے اثرات چھوڑے تھے۔

ان کے بتانے پر اس نے دو تین ٹیبلٹ اور پانی کا گلاس ان کی طرف بڑھا دیا، کپکپاہٹ کے باعث گلاس میں سے پانی چھٹک گیا تھا۔ اس نے دونوں بازوؤں سے سہارا دے کر انہیں بٹھایا اور اپنے ہاتھ سے انہیں میڈیسن کھلانے کے بعد انہیں نہایت آرام سے بیڈ پر لٹا دیا۔

ایک لمحہ کے لئے اسے لگا جیسے وہ بہت قیمتی شے ہیں جس کا اسے ادراک نہیں تھا، وہ غیر ارادی طور پر ان کے سامنے رکھی چیئر پر بیٹھ گیا۔ وہ آنکھیں موندے خود کو ریلیکس کرنے کی سعی کر رہی تھیں، تھوڑی دیر بعد ان کی حالت قدرے بہتر ہوئی تو انہوں نے آنکھیں کھول کر اس کی موجودگی کو محسوس کرنا چاہا، وہ اسی طرح چیئر پر بیٹھا ہوا تھا۔

”تم پریشان مت ہو بیٹا میں ٹھیک ہوں، تم جاؤ جا کر سو جاؤ بہت رات ہو گئی ہے۔“ باوجود نقاہت کے وہ مسکرا کر گویا ہوئیں، انہیں اب بھی خود سے زیادہ اس کی فکر تھی وہ کچھ۔

”کچھ کھائیں گی آپ؟“ وہ بہت کمزور اور اپنی محنت بارے حد درجہ لا پرواہ دکھائی دے رہی تھیں۔



”تم کھلاؤ گے تو کھالوں گی بیٹا۔“ اس کے پوچھنے پر ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو ٹھہلانا لگے تھے، وہ آج پہلی بار ان کے کمرے میں آیا تھا پہلی بار انہیں کچھ کھانے کو پوچھ رہا تھا انہیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے تھا؟

وہ اٹھ کر کچن میں چلا آیا اور سوپ گرم کرنے لگا، تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہاتھ میں سوپ کا باؤل لیے ان کے کمرے میں چلا آیا، وہ بیڈ کی بیک سے ٹیک لگائے نیم دراز کسی گہری سوچ میں غلطاں تھیں جب اس کی آہٹ پر وہ چونک کر دروازے کی جانب دیکھنے لگیں۔

”میں آج بہت خوش ہوں بھید۔“ سوپ کا باؤل سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ بھرائی ہوئی آواز میں اس سے مخاطب ہوئیں تو وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

”آج میرا بیٹا میرے پاس ہے میں کتنی خوش ہوں بتا نہیں سکتی۔“ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں، اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا انہیں جواب کیا کہے؟ اسے تو ان سے بات کرنا بھی نہیں آتی تھی کہ کبھی کی ہی نہیں تھی۔

”آپ نے آج میڈیسن نہیں لی تھیں؟“ تھوڑی دیر بعد اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ لیا تو وہ تو جیسے نہال ہی ہو گئی تھیں، ممتا بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا ہوئیں۔

”اب ریگولر لوں گی بیٹا۔“ پتہ نہیں کیوں وہ کچھ شرمسار سا ہو گیا تھا۔

دوائیوں کے زیر اثر اب وہ غنودگی میں تھیں، کتنی ہی دیر تک وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتا چلا گیا۔

آج وہ پہلی بار ان کے چہرے پر اپنے لئے محبت دیکھ رہا تھا یہ ارتج کی باتوں کا اثر تھا کہ وہ

زندگی میں پہلی دفعہ اپنی ذات کے بجائے صرف ان کے بارے میں سوچ رہا تھا پہلی دفعہ اس بات کے قطع نظر کہ انہوں نے اس کے ساتھ کیا کیا وہ اپنا تجزیہ کر رہا تھا کہ اس نے ان کو کیا دیا، پیار، محبت، توجہ جس کی وہ حقدار تھیں، کچھ بھی تو نہیں دیا، اس نے محض نفرت اور تلخ باتوں کے، ان کی زندگی صرف بزنس اور آفس تک ہی محدود تھی۔

آفس میں بھی تنہا اور گھر میں بھی، جبکہ وہ تو لمحہ لمحہ اس کے ساتھ رہی تھیں سکول کے فنکشنز سے لے کر سالانہ رپورٹس اور اس کے ہجیکٹس کے انتخاب تک ہر جگہ، لیکن پھر بھی اس نے انہیں اپنی ذات سے تکلیف ہی پہنچائی تھی محض تھوڑی سی غفلت اور لاپرواہی کے عوض ان کی پوری زندگی کو اس نے سزا بنا ڈالی تھی۔

سوچ سوچ کر یکدم اس کا دل گھبرانے لگا تھا، وہ آہستگی سے چیر پر سے اٹھا اور لائٹس آف کر کے باہر نکل آیا۔

ان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی گویا وہ بہت ہلکا پھلکا سا ہو گیا تھا، گزشتہ دنوں خود پر طاری کیفیت اس کی سمجھ میں آنے لگی تھی، دل و دماغ پر دھرا نادیدہ بوجھ جیسے اب ہٹ رہا تھا، کتنے برسوں سے وہ اس بوجھ کو اپنے اندر اٹھائے پھر رہا تھا اب ہٹا تو خود کو پرسکون محسوس کرنے لگا، آج سب کچھ اچھا دکھائی دے رہا تھا گھر اور گھر میں موجود ہر شے پہلے سے زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی، وہ کچھ سوچتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

”کانگریجو لیشنز یار۔“

اس نے کچھ دنوں پہلے آفس جوائن کر لیا تھا جس کی خبر ان سب کو آج ملی تو وہ خوشی کے مارے



اس کے پاس آفس ہی آہنچے تھے، کافی دنوں بعد وہ ان سب سے ایک ساتھ مل رہا تھا خوشی یقینی تھی، ان کے استقبال کے لئے وہ مسکرا کر چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا اور باری باری سب سے مصافحہ کرنے لگا۔

”اٹس گریٹ ہیڈ ریلی گریٹ۔“ انعم نے اسے اس کے فیصلے پر سراہتے ہوئے کہا۔

”ہینکس یار ہم جو تمہاری وجہ سے اتنے پریشان ہوتے تھے کہ پتہ نہیں کیا بنے گا تمہارا، تمہیں یہاں بیٹھے دیکھ کر بہت خوش ہو رہی ہے، اٹس ریلی گڈ۔“ زیادن بھی اس کی حوصلہ افزائی کی جس پر وہ مسکرا کر رہ گیا۔

”تم لوگوں نے دیکھا صبور آنٹی کتنی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔“ اس کے پاس آنے سے پہلے وہ سب صبور آنٹی کے آفس میں جا کر ان سے مل کر آئے تھے اور اب انہی کی بات کر رہے تھے۔

”ہاں یار واقعی میں نے پہلی بار انہیں اتنا مطمئن اور بات بے بات ہنستے دیکھا ہے۔“ زیاد نے بھی عباد کی تائید کی۔

”اور اس سب کا کریڈٹ صرف تمہیں جانا ہے ہید۔“ انعم کی بات سن کر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔

”تم لوگ بتاؤ کیا لو گے؟“ اس نے انٹر کام کان سے لگاتے ہوئے ان سب کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”یہاں نہیں ہم کہیں باہر چلیں گے اور زبردست ساؤنڈ کریں گے، آفٹر آل اتنے دنوں بعد ہم سب اکٹھے ہوئے ہیں اتنا تو حق بنتا ہے ناں۔“ ارتج کے کہنے پر سب نے اس کی تقلید کی تو اس نے انٹر کام واپس رکھ دیا اور پھر سب باہر جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے وہ

آفس سے باہر نکل آئے۔

”تم بتاؤ زیاد کب جا رہے ہو بحرین؟“ کھانے کے دوران اس نے زیادہ سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”نہیں یار میں نے کمپنی کو ٹکٹ ریٹرن کر دیا ہے۔“ زیاد کے بتانے پر وہ سب حیرت سے سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگے۔

”لیکن کیوں؟“ عباد نے تعجب سے زیاد کو دیکھا۔

”انتاز بردست پر موشن چانس تو کیسے ضائع کر سکتا ہے یار، ایک بار جاتا تو سہی لائف بن جاتی تیری۔“ اس نے حیرانی سے زیاد کو دیکھا جس کی دماغی حالت پر اسے شبہ ہو رہا تھا۔

”بس پار میرا دل نہیں مانا کبھی تم لوگوں سے اتنا دور گیا ہی نہیں تو اب کیسے جاسکتا ہوں، وہ بھی دو سال کے لئے جس میں ایک بار بھی مجھے پاکستان آنے کی پر مشن نہیں ہوگی، نہیں یار ہرگز نہیں، ایسی ہزار آفرز بھی ملیں تو میرا جواب یہی ہوگا اور رہی لائف بننے کی بات تو زندگی تو بن ہی گئی ہے تم جیسے دوستوں میں رہ کر اور کیا چاہیے؟“ زیاد کا جواب سب کو لا جواب کر گیا تھا، کتنی ہی دیر تک وہ سب باری باری ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر زیاد پر اتنا پیار آیا کہ سب ہی فلک شکاف قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

”دل جیت لیا یار۔“ عباد نے اسے گلے لے لگاتے ہوئے کہا۔

”میں بھی تم لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتا نہ دور رہ سکتا ہوں گائیز۔“ عباد نے فرط محبت میں اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

”میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے۔“ ارتج نے آنکھوں کے گیلے ہوتے گوشے اگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے کہا تو انعم کی



آنکھوں میں باقاعدہ آنسو تیرنے لگے تھے۔  
 ”اوہ کم آن یار کیا ہو رہا ہے یہ سب، پلیز  
 اتنے ایسوشنل مت ہوں اور ڈنرا بجوائے کرو ورنہ  
 آرڈر واپس بھی ہو سکتا ہے۔“ اس کے ڈرانے پر  
 سب نے مسکراتے ہوئے دوبارہ کھانا کھانے  
 میں مگن ہو گئے۔

☆☆☆

”تم اب بھی بالکل پہلے کی طرح ہو ہید،  
 حالانکہ اب تم اتنا بڑا بزنس رن کر رہے ہو تمہیں  
 بہت ریسائبل اور خود کو لے کر بہت کیئرفل ہو جانا  
 چاہیے تھا مگر تمہارا روم دیکھ کر کہیں سے نہیں لگتا  
 کہ یہ کسی بزنس مین کا روم ہے۔“ وہ ابھی ابھی  
 آفس سے گھر لوٹا تھا اور سیدھا اپنے کمرے میں  
 ہی چلا آیا تھا، جہاں اسے چیزیں سمیٹتے دیکھ کر  
 ایک لمحے کے لئے وہ اپنی جگہ پر ٹھنک کر رک کر  
 اسے دیکھنے لگا تھا جو بڑی مستعدی سے اس کے  
 کمرے میں جا بجا بکھری اس کی بکس اور فائلز کو  
 ترتیب سے ریک میں رکھ رہی تھی۔

”تم کب آئیں؟“ ہاتھ میں پکڑا کوٹ بیڈ  
 کی طرف اچھالتے ہوئے اس نے پوچھا۔  
 ”تھوڑی دیر پہلے ہی آئی ہوں، تمہیں تو  
 اتنے اتنے دن گزر جاتے ہیں اپنی شکل دکھائے،  
 گھر میں بھی سب تمہیں یاد کرتے ہیں اور پاپا تو  
 خاص طور پر تمہاری غیر حاضری کو بہت مس کرتے  
 ہیں لیکن تم ہو کہ کال کرنے کے باوجود نہیں  
 آتے۔“ مصروف مصروف سے انداز میں کمرہ  
 سمیٹتے ہوئے پتہ نہیں وہ کیا کیا بول رہی تھی جسے وہ  
 غیر دلچسپی سے سننا بیڈ کی طرف بڑھ گیا جیسے وہ کچھ  
 سننا ہی نہ چاہ رہا ہو۔

”میری بات کا جواب تو دو۔“ کلائی پر  
 بندھی رسٹ وائچ سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ  
 اس کی بات پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”میں پوچھ رہی ہوں تم آج ڈنر پر پاپا سے  
 ملنے آرہے ہونا؟“ اس نے دوبارہ پوچھا۔  
 ”بہت مشکل ہے یار آج رات ایک  
 کلائنٹ کے ساتھ میٹنگ ہے۔“ شوزا اتارتے  
 ہوئے اس نے جواز پیش کیا تو وہ قدرے غصے  
 سے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی اور سوالیہ انداز  
 میں بولی۔

”تم کچھ زیادہ ہی بڑی نہیں ہو گئے ہو؟“  
 اس کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔  
 ”یار تم لوگ ہی تو کہا کرتے تھے کہ فارغ  
 رہنا ٹھیک نہیں ہے آفس جوائن کر لو، اب آفس  
 جوائن کیا ہے تو مصروفیت تو بڑھے گی ناں۔“ اتنا  
 کہہ کر وہ شاور لینے کی غرض سے واش روم کی  
 طرف بڑھ گیا۔

”میں تم سے ملنے آئی ہوں اور تم شاور لینے  
 جا رہے ہو دیس ناٹ فیئر۔“ اسے شدید برا لگا  
 تھا، اس کا یوں نظر انداز کر کے جانا سو بولے بغیر  
 نہ رہ سکی۔

”ڈونٹ مائنڈ یار پلیز بہت تھک گیا ہوں  
 فریش ہو کر آتا ہوں۔“ اس نے تھکے تھکے سے  
 انداز میں کہا تو وہ چپ کر گئی۔

بیس منٹ بعد جب وہ واش روم سے باہر  
 نکلا تو کمرہ خالی تھا۔

وہ جا چکی تھی، شاید کوئی ضروری کام یاد آ گیا  
 ہو، وہ ٹاؤل سے بال رگڑتا آئینے کے سامنے آ  
 کھڑا ہوا، تھوڑی دیر پہلے اچانک طاری ہونے  
 والی تھکان اب قدرے کم محسوس ہو رہی تھی،  
 معلوم نہیں وہ تھکان تھی یا بے چینی جو ارتج کو  
 دیکھتے ہی اس کے حواسوں پر سوار ہو گئی تھی۔

وہ شاید اس سے ملنا نہیں چاہ رہا تھا یا اس  
 وقت اس کا موڈ نہیں تھا کسی سے ملنے کا، پتہ نہیں  
 کیا تھا، وہ خود کبھی نہیں جانتا تھا، وہ سر جھٹک کر



میں بولیں تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی قدرے تحمل سے گویا ہوا۔

”جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”اگر ایسا نہیں ہے تو میں مسز نعمان سے ان کی بیٹی کے لئے بات کروں وہ بھی لاسٹ منٹھ ہی کینیڈا سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لے کر آئی ہے اور یہاں اپنا کلینک بنا رہی ہے بہت ٹیلنٹڈ ہے وہ، تم کہو تو میں تمہارا پروپوزل لے کر جاؤں مسز نعمان کے ہاں؟“ وہ بڑی آس سے اسے تمام تفصیلات سے آگاہ کر رہی تھیں کہ شاید وہ راضی ہو جائے۔

”میں نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں سوچا اور نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔“ مختصر سا جواب دے کر وہ آگے بڑھ گیا، مگر ان کی آواز پر بے اختیار رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”تم چاہو تو ایک بار سبرین سے مل لو بیٹا پھر تم جو بھی فیصلہ کرو گے میں تمہارے ساتھ ہوں گی۔“

پتہ نہیں کیوں وہ آج اتنا اصرار کر رہی تھیں؟

”میں آپ سے کہہ رہا ہوں ناں میں ابھی شادی میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں بہتر ہے آپ اس بارے میں کچھ مت سوچیں۔“ اس کا لہجہ قدرے سخت سا ہو گیا تھا وہ مزید کچھ نہ بولیں اور چپ کر گئیں۔

اس کے جانے کے بعد وہ باسیت سے گھر میں پھیلی اداسی اور خاموشی کو ٹکنے لگیں جو نہ جانے کتنے برسوں سے اس گھر میں ادھر سے ادھر بکھرتی ہی جا رہی تھی، وہ جتنا ان اندھیروں کو روشنی میں بدلنے کی کوشش کرتیں اتنا ہی اندھیرے ان کا تعاقب کرتے نظر آتے۔

اس کے انکار سے ان کا دل یکدم بجھ سا گیا

تیار ہونے لگا۔

”کہیں جا رہے ہو بیٹا؟“ صبور آنٹی لاؤنج میں فائلز پر سر جھکائے بیٹھی تھیں جب اسے باہر جانا دیکھ کر انہوں نے حسب عادت نرم لہجے میں پوچھا۔

جب سے وہ ان کے ساتھ ٹارٹل لہجے میں بات کرنے لگا تھا صبور آنٹی کو بہت حوصلہ ہوا تھا اب وہ آفس کے معاملات بھی بنا ہچکچاہٹ اس کے ساتھ ڈسکس کر لیتی تھیں جن کو وہ بڑے سکون سے حل کر لیتا تھا۔

”جی۔“ اس نے جواب دیا۔

”اگر تھوڑا سا ٹائم ہو تو یہ فائل دیکھ لو بیٹا، مجھے تھوڑی کنفیوژن ہو رہی ہے۔“ ان کی بات پر وہ ان کے سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھا اور ان کے ہاتھ سے فائل لے کر انہیں کچھ ضروری پوائنٹس سمجھانے لگا۔

”تم شادی کر لو ہید۔“ فائل بند کر کے وہ ان کی طرف بڑھا کر اٹھ کھڑا ہوا تھا جب ان کی اچانک کہی بات پر وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

”میرا خیال ہے اب تمہیں شادی کر لینی چاہیے بیٹا، گھر کو بہت ضرورت ہے کسی خوشی کی، رونق کی۔“ ان کے لہجے میں متاداح جھلک رہی تھی جس کو اس نے شاید آج پہلی بار محسوس کی تھی، مگر نہیں وہ تو آج سے پہلے کبھی کئی بار اسی موضوع پر اسی طرح بات کرنے کی کوشش کرتی تھیں اور ایک وہی تھا جس نے کبھی ان کے اندر چھپی محبت کو دیکھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔

”اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو مجھے بتا دو بیٹا میں خود تمہارا پروپوزل لے کر جاؤں گی، تمہاری خوشی سے بڑھ کر مجھے کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔“ وہ خاموش کھڑا تھا جب وہ آہستگی سے چلتی اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں اور محبت آگئیں لہجے



تھا، کتنی بڑی خواہش تھی ان کی کہ وہ اس گھر میں یہاں سے وہاں ہنستے چہرے کھنکتے لہجے اور رنگیں آجکل میں سچے نازک سے وجود والی ہمدردی کی دلہن کو دیکھیں جو ان کی تنہائی کو اپنی باتوں سے دور کر دے جو گھر کی تمام ذمہ داریوں میں اپنا حصہ ڈال کر انہیں ہلکا پھلکا سا کر دے اور پھر وہ اپنی باقی کی تھوڑی سی زندگی سکون سے گزار سکیں۔

مگر ایک وہ تھا جو انہیں سمجھ ہی نہیں پارہا تھا کہ وہ اب بری طرح تھک چکی ہیں اب آرام کرنا چاہتی ہیں، وہ کیسے اسے بتائیں کہ اب انہیں چاروں طرف پھلتی اس تنہائی اور جمود سے وحشت ہونے لگی ہے اور اس وحشت کو ایک وہی دور کر سکتا ہے اس کی خوشیاں ہی ان خاموشیوں کو توڑ سکتی ہیں۔

پتہ نہیں وہ کیوں انکار کیے جا رہا ہے جبکہ وہ کسی میں بھی انٹرنل نہیں ہے، شاید انہیں تکلیف دینے کے لئے، لیکن نہیں اب اس کا رویہ انہیں تکلیف دینے والا نہیں ہے تو پھر..... انہوں نے تھک کر سرو صوفے کی پشت پر ٹکا دیا اور اس کے بارے میں سوچنے لگ گئیں۔

☆☆☆

آج زیادہ کی انجیج منٹ تھی لہذا وہ سب اس کے گھر موجود تھے زیادہ کی منگنی اس کی کزن سے ہو رہی تھی جس میں اس کی پوری فیملی مدعو تھی۔ وہ سب زیادہ کے ساتھ گیٹ کے پاس اس کا انتظار کر رہے تھے جواب تک نہیں آیا تھا۔ ”یار یہ بزنس میں کچھ زیادہ ہی انوالو نہیں ہو گیا؟“

زیادہ نے باری باری سب کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش سے کہا پھر فون کرنے لگ گیا جو دوسری طرف سے ڈسکریٹ کر دیا گیا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ آ رہا ہے اگلے ہی دو

منٹ بعد وہ ان سب کے سامنے تھا۔ ”حد کرتے ہو یا رقم بھی حالانکہ تمہیں پتہ بھی ہے جب تک تم نہیں آتے میں رسم ہرگز شروع ہونے نہ دیتا پھر بھی اتالیٹ آئے ہو تم۔“ زیادہ اس سے حقیقتاً بہت ناراض ناراض سا دکھائی دے رہا تھا۔

”سوری یار بس آفس سے نکلتے نکلتے دیر ہو گئی، ایم ریٹلی ویری سوری اور اینڈ کا نگر پچولیشنز میرے یار۔“ کہتے ہوئے وہ اس کے گلے جا لگا تو حسب عادت زیادہ کا موڈ فوراً ہی بحال بھی ہو گیا تھا، پھر وہ باری باری ہاتھ ملا کر سب سے مصافحہ کرنے لگا۔

ارتج سے ہاتھ جلاتے ہوئے اس نے اپنے اندر بڑھتی وہی بے چینی محسوس کی جو پچھلے کئی دنوں سے اس کے اعصاب پر بری طرح سوار تھی، لمحہ سے پہلے اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا، تیز ہوتی دھڑکن واضح طور پر سن سکتا تھا، وہ عباد کے ساتھ خود کو باتوں میں مصروف کرنے لگا تب ہی غیر ارادی طور پر اس کی نظر اس پر جا پڑی جو کچھ ہی فاصلے پر دھیمی مسکراہٹ لیوں پر سجائے انعم کے ساتھ باتوں میں مشغول تھی۔

بے اختیار وہ اس کے صبح اور شفاف چہرے کو دیکھنے لگا جس میں عجیب سی جاذبیت تھی، جو اسے اپنے اندر اترتی محسوس ہو رہی تھی، اٹھتی گرتی بسی کھنی پلکیں اس کے اضطراب کو مزید بڑھا رہی تھیں، کانوں میں موجود نازک سے آویزے اس کے چہرے کی جنبش کے ساتھ ملتے تو اسے اپنے وجود میں لرزہ سا محسوس ہو رہا تھا، پلکیں جھپکائے بغیر وہ یک ٹک بے اختیاری کے عالم میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔

ایک لمحہ کو اس کا دل چاہا کاش سب کچھ ختم



ہو جائے بس وہ دونوں باقی رہ جائیں اور وہ بے خوف ہو کر اسے جی بھر کر اس کے چہرے کے ایک ایک نقش اپنے اندر اتار لے، کاش ایسا کرنے کے لئے اس کے پاس ایسا کوئی اختیار ہوتا جسے وہ بلا جھجک استعمال کر سکتا، لیکن کوئی بھی اختیار اس کے پاس ہوتا ہی کیونکر.....

وہ اس کی دوست تھی اس سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی۔

تیز ہوتی دھڑکن کے باعث اس کی پیشانی عرق آلود ہو گئی تھی، بظاہر مضبوط مگر اندر سے کمزور ہوتے وجود کو اپنے قدموں پر سنبھالے وہ بمشکل کھڑا ہوا تھا۔

اپنی نظروں کی بے اختیاری پر قابو رکھنا اس سے دو بھر ہو رہا تھا حالانکہ اپنی اس غیر اخلاقی حرکت کا اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا مگر کسی طور وہ خود پر قابو نہیں رکھ پا رہا تھا، اپنی بدلتی کیفیت سے وہ بری طرح گھبرا اٹھا تھا۔

بدقت تمام خود کو سنبھالے وہ لان کے نسبتاً نیم تاریک گوشے میں جا کر گہرے گہرے سانس اپنے اندر اتار کر خود کو مارل کرنے کی کوشش کرنے لگا، شکر تھا کہ وہ سب اس وقت اندر جا چکے تھے اور باتوں میں مصروف تھے جس وجہ سے کوئی اسے نہ دیکھ سکا تا ورنہ یقیناً اس کی کنڈیشن دیکھ کر سوالوں کا سلسلہ شروع کر دیتے۔

”بید کہاں ہو یا ر اندر آؤ رسم اشارت ہونے والی ہے، زیادہ بلا رہا ہے تمہیں۔“ عباد کی آواز پر وہ پلٹ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری؟“ اس کا اترا اترا سامنہ اور چہرے پر پھیلے تناؤ کو دیکھ کر عباد نے تشویش سے پوچھا۔

”پتہ نہیں یا ر دل بہت گھبرا رہا ہے طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی، اگر تم زیادہ کو کنوئیں کر لو تو میں

گھر جا کر ریٹ کر لوں، مجھ سے یہاں رکنا نہیں جائے گا۔“ اسے یہاں ٹھہرنا بہت مشکل نظر آ رہا تھا سو وہ فوراً بول پڑا۔

”اس اوکے یا ر تم گھر جا کر ریٹ کر دو میں زیادہ کو سمجھا دوں گا وہ برا نہیں مانے گا۔“

اس کی طبیعت واقعی ٹھیک نہیں لگ رہی تھی تب ہی عباد نے بھی اسے مزید رکنے پر مجبور کرنا مناسب نہ سمجھا۔

گھر آ کر بھی اس کی حالت میں کچھ زیادہ فرق نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ اب اسے یہ ڈر نہیں تھا کہ اس کی بے اختیاری کسی کی نظروں میں نہ آ جائے اب وہ دل کھول کر اسے سوچ سکتا تھا اسے محسوس کر سکتا تھا، اس کی مدہم ہنسی کو اپنے اطراف میں بکھرتے دیکھ سکتا تھا۔

یہ کیا ہو رہا تھا اس کے ساتھ؟ وہ یکدم پریشان ہو گیا تھا۔

کیا وہی سب کچھ، اس کے ساتھ دوبارہ ہو رہا تھا جس کی وجہ سے ارتجاس سے دور ہو گئی تھی جس کی وجہ سے وہ بالکل بے اعتبار ہو کر رہ گیا تھا حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کس طرح اس نے خود کو اس کی نظروں میں گرنے سے بچایا تھا کہ اپنی ذات کو اپنے وجود کو حتیٰ کہ اپنی ہر خواہش کو روند کر وہ اس کا پہلے کی طرح پہلے جیسا دوست بنا چاہتا تھا جس میں وہ ہر حد تک کامیاب بھی ہو گیا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح اس پر بھروسہ کیے اپنی دوستی کا ہر حق پورا کر رہی تھی لیکن وہ..... وہ کیا کرنے جا رہا تھا اس کے ساتھ؟

وہ شدید تذبذب کے عالم میں بالوں میں انگلیاں پھنسائے سر جھکائے بیٹھا تھا، اس وقت اس کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ تھی، اپنی اندرونی کیفیت پر وہ بری طرح پریشانی اور تشویش کا شکار تھا۔



اتنا عرصہ خود کو سنبھالتے سنبھالتے اب وہ تھکنے لگا تھا، اس تمام عرصے میں اس نے ہر ممکنہ حد تک اس سے ایک مخصوص فاصلہ رکھنے کی کوشش کی تھی مگر اب اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ بالکل ناکام ہو چکا تھا۔

درد سے پھٹتے سر کو وہ بیڈ کراؤن سے نکالے خود کو ریلیکس کرنے کی سعی کرنے لگا مگر اس کا سراپا اس کی آنکھوں سے محو ہی نہیں ہو رہا تھا، وہ سونا چاہتا تھا تا کہ سب کچھ بھلا ڈالے لیکن وہ اس وقت بے بسی اور بے چارگی کی آخری حد پر تھا، جلتی آنکھیں بند کرنے پر مزید جلنے لگی تھیں۔

بے اختیار اس کا دل چاہا وہ اسے فون کر کے اپنی کیفیت بارے بتائے مگر وہ مزید خود کو بے بس کرنا نہیں چاہتا تھا اس کی آواز سنتے ہی اگر وہ خود پر قابو نہ رکھ سکا اور جذبات میں آ کر کچھ کہہ گیا تو.....

نہیں وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا، بالآخر وہ بیڈ سے نیچے اتر اور پین کمر لینے کے لئے فرسٹ ایڈ باکس ڈھونڈنے لگا۔

سائیڈ ٹیبل کی دراز اور ڈرینگ ٹیبل کی دراز بھی چیک کیں مگر باکس کہیں نہیں ملا۔

اسے کچھ یاد نہیں آ رہا تھا کہ لاسٹ ٹائم ارتج نے اسے کہاں سے وہ باکس لینے کو کہا تھا، وہ اسے بری طرح یاد آنے لگی تھی۔

کاش سب کچھ پہلے کی طرح ہوتا، وہ کیوں اسے لے کر اس طرح سے سوچنے لگا تھا کہ ہر جذبہ ہی بدلا بدلا سا لگنے لگا تھا۔

اس سے اس کی عام سی دوستی ضرور تھی مگر وہ خود اس کی خاص دوست تھی جس کو وہ محض کسی جذبے کی خاطر ہر گز کھونا نہیں چاہتا تھا، وہ تو اس کا اس حد تک عادی ہو گیا تھا کہ اس کے بغیر اسے لگتا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے۔

باکس مزید ڈھونڈنے کی اس میں ہمت نہیں تھی سو وہ تھک کر بیڈ پر آ لیٹا، عجیب سی تھکاوٹ اس کے حواسوں پر سوار تھی جس نے اسے اندر تک توڑ دیا تھا، خود سے لڑتے لڑتے یہ نہیں کب اس کی آنکھ لگی، جب وہ سو کر اٹھا تو صبح کے آٹھ بجے تھے وہ شاور لے کر آفس جانے کے لئے تیار ہونے لگا۔

”تمہیں کیا ہوا تھا کل رات؟“ اس کی توقع کے عین مطابق وہ صبح ہوتے ہی اس کے کمرے میں آ پہنچی تھی۔

”طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔“ فائزر کو ترتیب سے بیگ میں رکھتے ہوئے اس نے آہستگی سے جواب دیا۔

”اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔“ اس نے شکوہ کیا۔

”بس یار بتا نہیں سکا تم سب لوگ اندر تھے ناں، لیکن میں نے عباد کو انفارم کر دیا تھا۔“ وہ اس کی طرف سے پشت کیے کھڑا ہوا۔

”لیکن تم گھر آ کر بھی تو مجھے بتا سکتے تھے ناں؟“ وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور اس کی طبیعت کے پیش نظر قدرے نرمی سے بول رہی تھی۔

”گھر آتے ہی سو گیا تھا یار۔“ لیپ ٹاپ بیگ میں رکھتے ہوئے وہ مصروف مصروف سے انداز میں اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

”میڈیسن لی تم نے؟“ اس کے استفسار پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جھوٹ بول گیا تھا۔

”آئی کانٹ بلیواٹ کہ تم خود سے میڈیسن سے سکتے ہو۔“ اس نے حیرت سے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔

(باقی آئندہ)



## چودھویں قسط کا خلاصہ

پروفیسر غفور کی غیر موجودگی میں علی گوہر اس کے نوادرات میں سے کچھ چیزیں چرا لیتا ہے، واپسی پر حالاً اس کے ساتھ بہت سختی سے پیش آتا ہے۔  
 قدم گاہ مولیٰ علی کے پاس حالاً پروفیسر غفور کو کمزور حالت میں ملتا ہے، علی گوہر گرتے گرتے بچ جاتا ہے جہاں ایک بے ترتیب چلنے والی عورت کے منہ سے عیسیٰ مسیح کی صدا نکلتی ہے، دوسرے دن جب گوہر اسے ڈھونڈنے جاتا ہے تو عورت وہاں نہیں ہوتی۔  
 امرت عدنان کے ساتھ کاروباری معاملات میں بہت مدد کرتی ہے، عدنان کاروبار اس کے ساتھ بدل جاتا ہے۔  
 امرت کو خواب میں کسی کے ملنے کا انکشاف ہوتا ہے۔  
 امرت کے گھر لوٹنے پر اسے اپنی چھپا چھپا کر رکھنے والی ڈائری کچن کیبنٹ کے اندر بری حالت میں ملتی ہے۔

پندرہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے









ڈاڑی اپنی کہانی خود ہی سنار ہی تھی، صفحہ تھا نمبر چار، تاریخ تھی جس پہ بائیس جون کی بات تھی آج سے کئی سال پہلے کی، وقت تھارات کا اور کہانی بھی لمحے کی، وہ لمحہ تھا جب عبدالحادی پر محبت کا سحر برسنے لگا، پھر اسی جادو کو سرچڑھ کر بولنا تھا۔

یہ کہانی ہاسٹل کے کمرہ نمبر چار میں بیٹھے سوچتے ہوئے عبدالحادی پر آج شام ہی کھلی تھی، پورے چار سال کتنے مزے سے اور سستی سے گزرے تھے۔

اس سے پہلے کے پلان میں صرف اور صرف پڑھائی مکمل کر کے گھر لوٹنا تھا، اس کے گھر والے بھی اسی وقت کا انتظار کرتے رہے تھے، کہ وہ پڑھائی مکمل کر کے گھر آئے گا اور اسے شادی کے نام پہ پانڈھ دیا جائے گا، اپنے گاؤں سے، اپنی زمینوں سے اس عورت سے جو کئی سال اس کے نام پہ بیٹھی ہوئی تھی، ان سب سے بھاگنے کے سارے بہانے ختم ہو جائیں گے اور اس نے زیادہ سے زیادہ یہ سوچ رکھا تھا کہ کچھ عرصہ سے زمین کی دیکھ بھال کر کے ان سب کا دل خوش کر کے وہ پھر سے اسی دنیا میں لوٹ آئے گا۔

جب تک نوکری نہیں ملتی، تب تک یہی سب کرنا تھا، شادی کا ارادہ فی الحال دور دور تک نہ تھا، مگر اسے پتہ نہ تھا کہ گاؤں پہنچتے ہی وہ جکڑ لیا جائے گا، اس کے پاس انکار کا آج سے پہلے کوئی جواز نہ تھا، نہ بن پاتا اگر آج کی شام اس کی زندگی کے اوقات میں درج نہ ہوتی، آج کی شام اس پر پوری پوری چھائی ہوئی تھی، وہ اتنی خوبصورت تو نہ تھی، نہ ہی اتنی ذہین تھی، روکھا پھیکا بولتی تھی، مگر ڈرافٹر فری بولتی تھی، بات گھڑنے کے جادو سے پھر بھی نا آشنا تھی، معصوم تھی، یا پھر بھولی بھالی، کم عقل نہ تھی کم فہم تھی اسے زندگی کا تجربہ نہ تھا اور وہ زندگی کے تجربے کرنے کے لئے نکلی ہوئی تھی۔

یہ اس کا بھی پہلا پہلا تجربہ تھا، جب یہ خوبرونو جوان اپنی ادھوری یا مکمل تصویر میں رنگ بھرنے لگا تھا، جیسے رنگ بھرنے لگا ہو اپنی زندگی میں، جب نظر صنوبر پہ پڑی تھی، زندگی میں پہلی بار چاہا کہ کسی کی تصویر ہونی چاہیے۔

وہ بھی پتھر کے بت کی طرح آکر سامنے بیٹھ گئی، چلبلی، سی جڑی، چھوکری (پاگل لڑکی) تصویر بنانے کا کیا ہی شوق تھا وہ بہت دفعہ چوک میں کھلی کھلی کے ساتھ کھوکھے کے سامنے بیٹھ جاتا تھا اور بہت سے راہ گیروں کو پکڑ پکڑ کر تصویر بناتا تھا اور پھر تصویر ان کے ہاتھ میں تھا دیتا وہ بھی مفت، وہ نام کا ہی نہیں، کام کا بھی فنکار تھا۔

بھی خنزے پہ بیٹھ کر بہ آواز بلند گانا گاتا، کبھی راہ چلتوں کی تصویریں بناتا تو کبھی بڑی خاموشی سے اپنی ادھوری کہانیوں کو بیٹھ کر تراشتا، اس کے مزاج میں ٹھہراؤ نہ تھا، مسلسل نہ تھا، مستقل مزاجی نہ تھی، یہ بہت بڑی خامیاں تھیں، مگر اس کے مزاج میں تخیل تھا، فن تھا، انتہا تھی، احساس کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے۔

رچے ہوئے تھے، بے ہوئے تھے، کیفیات باتیں کرتی تھیں، وہ الٹا کاغذ پکڑتا، میڑھے میڑھے لفظوں کی مار مار مارتا ہوا کئی خواب دیکھ کر دکھا جاتا تھا۔

لفظ موتیوں کی مالا پر دتے جاتے اور تخیل کی بوچھاڑ ہوتی رہتی تھی، اس کے اندر کافن بولتا تھا، چیخا تھا، احساس دلاتا تھا، باتیں کرتا تھا اور اس کی آنکھیں جس نے کئی سمندر پی رکھے تھے، کوئی



دیکھتا تو کیوں نہ ڈوب جاتا، اس جھگیڑی کا سمندر میں ڈوب جانا کوئی حیرت کی بات نہ تھی، اسے کئی لڑکیاں پسند کرتی تھیں، کئی آنکھوں میں وہ خواب بن کر رہا کرتا تھا، مگر اس کی آنکھیں آج شام کئی سی پر بھری اور ٹک گئیں۔

مکمل نہیں بھی تو کہاں، کون جانتا تھا، بس یہ تو ہر کوئی ہی جانتا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے، وہ بھی جانتا تھا کہ محبت اندھی ہوتی ہے، اس کے باوجود بھی خواب دکھاتی ہے، دن دیہاڑے وہ بھی ایک معصومانہ خواب دیکھنے کی جرأت میں، کسی سینہ کو اپنے سامنے بٹھائے تصویر بنا رہا تھا۔

کون اسے کہتا، کون اسے سے پوچھتا اور اگر کوئی اس سے کہتا تو کیا کہتا، وہ پوچھنے پر بتاتا تو کیا بتاتا، ایک سلسلہ تھا کہ جو بنتا ہی جا رہا تھا، اس شام نے آنے والی کتنی شاموں کے سلسلوں میں ترتیب رکھی ہوئی تھی، یہ وہ نہیں جانتا تھا، یہ شام اس کے سفر کا آغاز تھی، اس کی خوش نصیبی کا بھی، اس کی بد نصیبی کا بھی۔

☆☆☆

دل میں ہے آرزو، دیدار کی مگر  
دیکھے تیری قبا مدت گزر گئی  
آنسو آنکھوں میں بھر آئے تو ڈھلک بھی گئے تھے، کبھی سوچتا ہوں حالی زندگی کن جھیلوں کی  
نظر ہو گئی ہے اس ساری موج مستی میں، وہ کہاں ہے جس کی آرزو بھی ہماری پہنچ سے دور ہونے لگی

ہے۔ آنکھیں شدید سرخی میں ڈوبی ہوئیں آنکھیں اپنے اندر سمندر سمیٹے ہوئے تھیں، چہرے پر سالوں کی سفر کی جھریاں نمایاں تھیں۔

حالی حسن ڈھل جاتا ہے، بڑا بے بقا سا ہے یہ حسن یہ جوانی، یہ خواہش، مگر اس کے باوجود بھی زندگی میں کئی رنگ بھر دیتا ہے  
حالی یہ سب اتنا غیر معمولی سا کیوں ہوتا ہے، مسجد کے محن کے کونے میں فنکار اور حالار دونوں ایک ہی نقطے پر سوچ رہے تھے، یہ سب غیر معمولی ہوتا ہے۔

”حالار زندگی دکھ کیوں ہے، بے سکونی کیوں ہے؟ آنسو اتنے بے چارے کیوں ہوتے ہیں کہ پہاڑ جیسے مضبوط حضرت انسان کو ریت کا ڈھیر بنا دیتے ہیں۔“

ہر لمحہ ہجر کا ہمیں یاد ہے مگر  
لیکن جہاں میں ہیں، ایسے کئی مرید  
نسلوں نے جن کی سایہ بھی دیکھا نہیں تیرا  
کیا چاہتوں سے تیرے شفقت بھرے لمس کا  
فیض عقیدت میں اٹھایا نہیں کبھی

”حالی دل چاہتا ہے اللہ کو دیکھوں اور اس سے بہت سی باتیں کروں۔“

”یار فنکار اللہ تجھے دیکھ رہا ہے، کیا یہ بہت نہیں ہے، اپنے مدار میں سے باہر نکل کر سوچنا  
دو بھر ہے تو اپنی سوچ کی حیثیت میں رہ کر چپ رہنا سیکھ لو، چلو بے نشان ہی منزل کی جانب



بڑھیں، ایک چاہ منزل کو کافی ہوتی ہے، چاہ بہت حیثیت رکھتی ہے۔“ ہالار نے فنکار کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

”حالی مجھے کسی ایسی جگہ پر لے جا جہاں اللہ کی خوشبو ہو۔“ وہ اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے رکھتے رک گیا۔

”اللہ کی خوشبو، قلب کے اندر سے مل جائے شاید قلب بہت وسیع ہے، کئی سفر کیے ہیں، اب ڈوبنا چاہتا ہوں، حالی میں مرنا چاہتا ہوں۔“ فنکار ہالار کے کندھے پر ٹک گیا۔

”ابا ہم مسجد میں ہیں، یہ تو اللہ کا گھر، اللہ کریم کا گھر، ابا! اللہ تو کریم ہے نا۔“

”حالی اللہ کو کہو میری بات سنے۔“

”ابا چپ کر جا۔“ ابا کو چپ کرانا حالانکہ بہت مشکل تھا۔

دیدار کی حسرت ہمیں ان مدتوں سے ہے

مجھے اس کی چاہ نے آ لیا حالی

”جب بندہ تھک جاتا ہے تو اس کا آخری سہارا وہی رہ جاتا ہے، کتنے افسوس کی بات ہے نا ابا کہ ہم اسے آخری سہارا بنا لیتے ہیں مگر پہلا سہارا نہیں بناتے، سب کچھ حاصل کر کے جب دل بھر جاتا ہے تو اس کا خیال پالنے لگتے ہیں۔“ آج تو حالی بھی بھرا ہوا تھا۔

اک خط لکھیں گے ہم مولا کے نام

میں اسے پھر سے خطا لکھوں گا

وہ کسی بچے کی طرح اٹھے۔

”اگر وہ مجھے مسجد میں نہیں ملے گا تو میں اسے تلاش کرنے کے لئے مارا مارا پھروں گا، مجھے مارا مارا پھرنے میں لذت ہے، مجھے آوارہ گردی میں لذت ہے، مجھے لذت ہے رسوائی سے، اگرچہ اسے تیری چاہ کہیں ہم۔“ وہ رد رہا تھا، فنکار بچہ بنا ہوا تھا۔

مسجد سے نکل گیا، ہالار کئی دیر تک وہیں بیٹھا تھا، پھر اٹھا اور باہر نکل گیا، رستہ طویل تھا فنکار ریٹکتی ہوئی بس میں بیٹھ گیا، ریٹکتی ہوئی بس چلنے لگی تھی، خدا جانے کہاں جا رہی تھی۔

ہالار اب دیوانوں کی طرح گلی گلی پھر رہا تھا۔

”ابا نے یہ دن بھی دکھانا تھا۔“ وہ بھول گیا کہ ایک دن پہلے اس کے ساتھ کیا کیا تھا، ایسے کئی لوگ تھے، جن کو یہ مصیبت کے وقت یاد آتا تھا۔

☆☆☆

دروازہ زور سے بجاتا تھا، اتنی زور سے کہ وہ گھبرا گئی تھی اور گھبرا کر اٹھ گئی، دروازے تک آئی اور دروازہ کھولا تھا، سامنے گھبرا ہوا ہالار تھا۔

”مجھے علی گوہر سے ملنا ہے۔“ وہ بوکھلایا ہوا تھا۔

”کسی خوشی میں؟“ وہ اس کی بوکھا ہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

”بہت ضروری بات کرنی ہے، کیا میں اندر آ جاؤں؟“

”سارے شہر کو ضروری باتیں اسی سے تو کرنی ہوتی ہیں، خیر وہ گھر پہ نہیں ہے۔“



”کون ہے بیٹا؟“ ابا جی صحن میں ہی کھڑے تھے، اس کی آواز سن کر آگے آئے۔  
 ”میں حالار ہوں، مجھے علی گوہر سے ملنا ہے۔“ اس سے پہلے کہ عمارہ کچھ کہتی وہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا بول پڑا۔

”ٹھیک ہے بیٹا اندر آ جاؤ۔“ عمارہ برا سامنہ بنا کر آگے سے ہٹ گئی تھی۔

”کیا وہ گھر پہ ہے سر؟ مجھے اس سے جلدی میں کچھ کام ہے۔“ وہ اندر آتے ہوئے بولا تھا۔  
 ”بیٹا وہ گھر پہ تو نہیں ہے مگر اسے بلا لیتے ہیں، تم آ جاؤ بیٹھ جاؤ۔“

”میرے پاس اس کا نمبر سیو نہیں ہے ورنہ میں یہاں آنے کے بجائے اسے فون کر لیتا۔“  
 ”کوئی بات نہیں بچے اپنا گھر ہے آ جاؤ، بیٹھ جاؤ۔“

”ان کو سلام کرو یہ علی گوہر کی ماں ہیں۔“ وہ سامنے تخت پر بیٹھی ہوئیں تھیں نماز ختم کر کے دعا کر رہی تھیں جب حالار کو سامنے دیکھ کر کچھ حیران ہوئیں تو انہوں نے ان کی حیرانی ختم کرنے کے لئے حالار سے کہا۔

”سلام اماں!“ پہلی بار کسی کو اماں کہا تھا، لفظ ماں کے ساتھ اپنائیت کا کیسا کنکشن جڑ جاتا ہے۔

”وعلیکم السلام بیٹے، آ جاؤ بیٹھو، علی گوہر کے دوست ہو؟ پہلی بار گھر آئے ہو۔“ وہ تخت پر ہی کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا تھا۔

”آپ کیسی ہیں ماں جی!“ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا ان کے محبت بھرے لہجے کے جواب میں کیا کہے۔

”میں ٹھیک ہوں بچے، تم ریشان لگ رہے ہو؟ کھانا کھاؤ گے؟“  
 (کھانا کھانے سے پریشانی، تم ہو جاتی ہے کیا؟) عمارہ کہنا چاہتی تھی پر کہہ نہ سکی، مروت بھی کسی بلا کا نام ہے، جو کبھی کبھار اپنی شکل دکھائی دیتی ہے۔  
 ”ہاں اس کے لئے کھانا لاؤ عمارہ۔“ اور یہ ابا جی تھے۔

”میں بعد میں کھالوں گا پہلے آپ لوگ علی گوہر کو بلا لیں، مجھے اس سے فوری طور پر کچھ مشورہ کرنا ہے۔“

”کیا مشورہ کرنا ہے بیٹے ہمیں بتادو، میں بھی تو ماں کی جگہ ہوں تمہاری۔“ وہ اس کی حالت کو کافی افسوس سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”ابا پتہ نہیں کہاں چلے گئے ہیں، سمجھ نہیں آ رہا، میں نے سوچا علی گوہر کو کچھ اندازہ ہوگا، یا پھر ان کے ساتھ مل کر ڈھونڈ لوں۔“

”ٹھیک سوچا، میں اسے فون کرتا ہوں، ویسے وہ یہیں کہیں شہر میں ہوگا، آ جائے گا خود ہی، جانتا ہوں تمہارے ابا کو میں، یہ پروفیسر غفور جیسی نسل سے تعلق رکھتا ہے، ویسے علی گوہر کا تعلق بھی ذرا ایسی ہی نسل سے ہے، نام کا بیٹا میرا ہے، مگر نسل میں اپنے استادوں پر گیا ہے، خیر اسے ڈھونڈنا بھی مشکل ہوتا ہے، نکلتا ہے تو بتاتا نہیں، اپنی مرضی سے لوٹتا ہے، لور لور پھرنا اس کی عادت ہے۔“  
 وہ کہہ رہے تھے اور حالار بیچارہ بے بسی کی تصویر بنا ہوا تھا۔



”وہ بہت بیمار تھے، پتہ نہیں کہاں چلے جائیں، کھانا بھی نہیں کھایا تھا دوپہر سے۔“  
 مجھے تو تم بھی بچے بیمار لگ رہے ہو، کھانا تم نے بھی نہیں کھایا ہوگا، بیٹھ کر سانس لے لو، کھا  
 پی لو تو کچھ کرتے ہیں۔“ وہ پریشانی دیکھتے ہوئے خود بھی فکر مند سی ہو گئیں۔

”مجھ سے کچھ کھایا نہیں جائے گا جب تک ان کا پتہ نہیں لگتا۔“  
 ”پتہ لگ جائے گا بچے، ماں کی بات مان، کچھ کھالے، عمارہ کھانا لا، کیا اتنی دیر سے کھڑی  
 ہے۔“ وہ سر جھٹک کر ان کی عقل کو کوستی ہوئی ہنسنے میں لگ گئی۔  
 ”مجھے واقعی کھانا اچھا نہیں لگے گا ماں جی۔“

”اچھا نہ لگے تو کیا ہوا؟ پیٹ بھرنے کے لئے کھا لینا، ماں کے ساتھ ضد نہ کیا کر، اپنی ماں  
 کے ساتھ ایسا کرتا ہے کیا؟“

”میری ماں نہیں ہے۔“ حالار کی آنکھیں بھر آئیں۔

”کوئی بغیر ماں کے پیدا نہیں ہوتا جھلا۔“

”ہوں گی پر مر گئیں، بہت پہلے مجھے ان کی شکل یاد نہیں ہے، میرا سب کچھ میرا ابا ہے۔“  
 ”دل چھوٹا نہ کر، آج سے میں تمہاری ماں ہوں، پکی والی۔“ انہوں نے اس کے سر پہ ہاتھ  
 پھیرا محبت سے۔

”آپ بہت اچھی ہیں، زندگی میں پہلی بار پتہ لگا، احساس ہوا کہ ماں کیا ہوتی ہے۔“ اس  
 نے ہاتھ تھام کر آنکھوں سے لگا لیا تھا، تب یہ پتہ لگا کہ ماں ماں ہوتی ہے جب ان کی آنکھوں میں  
 پانی دیکھا۔

حمید صاحب بڑی دلچسپی سے بیٹھے دیکھ رہے تھے، عمارہ کھانا لے کر اندر آئی تھی۔  
 ”منہ ہاتھ دھو لے بچے۔“ انہوں نے اس کا چہرہ صاف کیا۔

”عمارہ اسے گوہر کے گھرے میں لے جا اور اس کے کپڑے نکال کر دے اسے، نیم گرم پانی  
 سے نہالینا بیٹے فریش ہو جائے گا۔“ وہ خاموشی سے عمارہ کے پیچھے چلا آیا۔  
 عمارہ نے علی گوہر کا ایک جوڑا نکال کر کرسی پر رکھا اور باہر آ گئی، وہ کپڑے لے کر واش روم  
 میں گھس گیا اور دروازہ بند کر کے بچوں کی طرح رونے لگا تھا، وہ بچپن میں جب بھی پریشان ہوتا تھا  
 ہاتھ روم میں چھپ کر ڈھیر سارا رو لیا کرتا تھا۔

اسے لگا وہ بہت سال پہلے چلا گیا ہے، آج بھی خود کو اتنا ہی بے بس اور اکیلا محسوس کیا جتنا  
 کبھی پہلے کیا تھا۔

☆☆☆

بازار کچا کھج بڑا ہوا تھا، وہ اس کے پیچھے باگلوں کی طرح دوڑ رہا تھا مگر وہ اس رش میں اوپر  
 نیچے پتہ نہیں کہاں کم ہو گئی وہ نچلے گیٹ سے پارنگ کی طرف سے نکل آیا تھا، امرت دوسری طرف  
 سے وہیں کچھ فاصلے پر تھی اور وہ گئی سالوں بعد اس جگہ آئی تھی، اس کے ٹھیک پیچھے علی گوہر تھا، اس کا  
 پیچھا کرتا ہوا۔

رکشہ رکا تھا، عید گاہ کے سامنے وہ اتری وسیع پیمانے پر پھیلے ہوئے برآمدوں کے سچ سے گزر کر



ٹھیک اسی جگہ آرکی، جہاں سے کچھ پادریاں وابستہ تھیں، وہ ٹھیک کاریڈور میں اسی ستون کے پاس آ بیٹھی تھیں، اس کی آنکھیں بہت تھکی ہوئیں تھیں اور وہ غائب دماغ سے اپنے اطراف میں دیکھ رہی تھیں، جیسی پیچھے سے دبے پاؤں آتے ہوئے علی گوہر کے قدموں کی آہٹ محسوس نہ کر پائی تھی۔

”اس سین میں کچھ ادھورا تھا میں نے سوچا مکمل کر لیں۔“ وہ پاپ کارن کا بڑا سا تھیلا لے کر آیا تھا اور اس کے برابر بیٹھ گیا۔

اس نے ایک لمحہ علی گوہر کی طرف بے یقینی سے دیکھا اور پھر سمجھ گئی۔

”تو تم نے ڈائری پڑھ لی ہے۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے لمبا سانس باہر چھوڑا تھا۔

”سوائے ان صفحات پر جن پر موت جیسی کالی لکیریں کھینچ کر کالا کیا گیا ہے جن کو، اس سے آگے بہت کچھ، وہ بھی جب وہ تمہیں پہلی بار ملی تھی اور تم دونوں اسی جگہ پہلی بار ملی تھیں، تمہیں یاد ہے نا امرت؟“ اس نے پاپ کارن کھاتے ہوئے اس کے سامنے کیا تھیلا، یہ کھانے کی پیشکش تھی۔

”میں جب اس شہر میں نئی نئی آئی تھی علی گوہر تب میری ماں مجھے بہت زیادہ گھمانے پھرانے لے جاتی تھی، مجھے یاد ہے اس سے اگلے دن ہم اسی عید گاہ میں آئے تھے اور میں نے یہاں اسی جگہ امرکلہ کو دیکھا تھا، اس نے بالوں میں دو چوٹیاں بنا رکھی تھیں دوپٹے کے نام پر اس کے گلے میں وہ میلا سا اسکارف تھا اور وہ بہت اکیلی بیٹھی ہوئی تھی، بہت اداس، اس کی آنکھیں بہت گہری تھیں علی گوہر، ان میں بہت دکھ تھا، اس کا پاپ اس کے ساتھ آیا تھا وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کچھ دیر بعد، مگر وہ ایسے ہی اداس خاموش بیٹھی تھی، وہ اس کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں دے رہی تھی اور اگلی ملاقات ہماری مہینے بعد اسکول میں ہوئی تھی، میرا وہ نیا اسکول تھا اور اس کا پرانا اسکول، وہ میری کلاس فیلو تھی۔“ وہ کہتے ہوئے پاپ کارن کھانے لگی۔

”ہاں میں جانتا ہوں۔“

”اور وہ بہت ذہین تھی، اکثر چپ چپ رہتی تھی، ہے نا۔“

”اور پتہ ہے امرت اس نے اس سین میں لکھا تھا کہ وہ کسی ایسی لڑکی کو دیکھ رہی تھی جو اپنی ماں کی انگلی تھامے ہوئے کاریڈور میں گزر رہی تھی، مگر بار بار پلٹ کر پیچھے مجھ بد حال کو دیکھتی تھی، اس کی آنکھوں میں بہت ساری روشنی تھی اور یہ روشنی کئی خوابوں سے مل گئی تھی، اس لڑکی کو ستم ظریفی نے ذرا کم چھیڑا تھا، حالانکہ اداسی اور کم فہمی پر وہ بظاہر بڑی خوش نظر آتی تھی، میری طرف مسکرا مسکرا کر دیکھتی تھی اور میرا ذرا مسکرانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔“

”پھر ہماری اگلی ملاقات ہوئی اسکول کے آخری دنوں میں، میرا آخری سال تھا اور اس کا پہلا سال تھا۔“ علی گوہر دوسرے لمحے کے لئے رکا تھا۔

”امرت تمہارا پہلا سال کیوں تھا؟ اس سے پہلے تم اسکول سے نہیں پڑھیں؟ عمارہ نے بتایا

تھا کہ تم بہت بعد میں یہاں آئیں تھیں، اس سے پہلے کہاں تھیں، اپنے بابا کے پاس؟“

”میں گاؤں میں رہتی تھی، یہ اچھی بات ہے کہ پیدائش سے لے کر کوئی چھ سات سال تک کے حالات یاد نہیں رہتے، اس کے بعد میں نے خود کو گاؤں میں ہی دیکھا، چچی ماں کے پاس، جو



ہماری دادی ہوتی تھیں، بڑی اماں جو میری چچی تھیں لاهوت اور سندس چچی کے بچے تھے بہت چھوٹے تھے، لاهوت کوئی چار پانچ سال چھوٹا تھا مجھ سے اور سندس سات سال، تب تک چھوٹے بہن بھائی سمجھتی تھی ان کو، جب تک حالات بہتر تھے، چچی بہت پیار دیتی تھیں، ماں کی طرح بالا، خیال رکھا اپنی سگی اولاد سے زیادہ میرا خیال رکھتی تھیں، مجھے اپنے ساتھ سلاتی تھیں لپٹا کر کیونکہ میں نیند میں اکثر چپختیں مار کر اٹھ جاتی تھی، وہ مجھ پر بہت دیر تک پڑھ کر پھونکتی رہتیں۔

”وہ سب بہت اچھے تھے تا امرت پھر کیوں چھوڑا تم نے سب کو۔“

”مت پوچھو علی گوہر، سب کتنا یاد آتے ہیں، پتہ نہیں تھا کہ پنجرے سے نکل کر محل میں بند ہونا پڑے گا، وہاں پنجرے کا مالک ایک جلا د تھا، جو سرخ سرخ آنکھیں لئے گھومتا تھا اور قہر آلود نگاہوں سے گھورتا تھا، ٹیکھی نظر رکھتا تھا۔“

”کون تھا وہ امرت؟“

”علی گوہر میرا چچا تھا وہ بڑا چچا جس نے میرے باپ کو گھر سے نکلوا دیا تھا۔“

”اسی لئے تم اس سے نفرت کرتی تھیں۔“

”نہیں صرف یہ وجہ نہیں ہے علی گوہر اور بہت سی وجوہات ہیں، وجوہات تھیں، تب مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ انہوں نے میرے باپ کو گھر سے نکالا تھا، تب وہ جس نفرت اور قہر سے مجھے گھورتا تھا، اس نفرت کو لے کر میرے اندر ان کے لئے بے پناہ نفرت تھی، علی گوہر وہ میرے کاغذ تک پھاڑ دیتا تھا، میں نے ایک دفعہ کوئی اسکیج بنایا تھا، جس پر بت پرستی کا ٹھپہ لگا کر اس نے مجھے کیا نہ سنایا، کتنا ڈانٹا، کتنا کوسا، اس نے کہا تمہارا باپ بھی ایسا تھا، وہ بھی بت پرست تھا بت بنا کر سجا کر رکھتا تھا۔“ اس کے لہجے میں نجی تھی۔

☆☆☆

وہ رو دھو کر جی بھر کر باہر نکلا تھا۔

عمارہ کھانا گرم کر لائی تھی اور یہیں کمرے میں لے آئی تھی علی گوہر کے کپڑوں میں وہ علی گوہر جیسا ہی کچھ لگ رہا تھا اس کی طرح سادہ، معصوم، کھویا کھویا۔

عمارہ نے خاموشی سے کھانے کی ٹرے رکھ دی تھی۔

”علی گوہر کا فون بند ہے، میج کر دیئے ہیں، جیسے ہی پڑھے سر پر پیر رکھ کر بھاگے گا۔“ وہ عمارہ کی بات پر مروت سے مسکرایا تھا۔

”میں یہاں کھانا کھا لوں؟“ وہ بچوں کی طرح پوچھنے لگا۔

”آپ کی مرضی ہے جہاں بیٹھ کر کھالیں۔“ وہ خاموشی سے بیٹھ گیا۔

”کچھ چاہیے تو بتائیے گا۔“ عمارہ نے جاتے جاتے پوچھا۔

”آپ نماز پڑھیں گی؟“ یہ کیسا سوال تھا۔

”یہ سوال ٹھیک ہے، مگر یہ نہیں کہیے گا کہ فجر پڑھتی ہیں؟“

”وہ تو میں بھی بہت دفعہ نہیں پڑھتا۔“ وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرایا تھا۔

”میں کہنا چاہتا ہوں کہ جب نماز پڑھیں تو دعا کیجئے گا ابا جلدی مل جائیں۔“



”پہلے دعا کروں گی کہ وہ اس وقت جہاں ہیں خیریت سے ہوں، اس کے بعد وہ خیریت سے آلیں۔“

”یہ ٹھیک ہے؟“ اس نے دروازے کی چوکھٹ پر رک کر پوچھا، اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا، وہ مسکراتر باہر چلی گئی۔

”عمارہ بچے کو کھانا دے دیا بیٹا؟“ سامنے ہی اماں کھڑی تھیں۔

”جی اماں دے دیا اب نماز پڑھنے جا رہی ہوں آپ نے تو پڑھ لی ہے سو اس کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کر لیں، بیچارہ فریش ہو جائے گا ذرا۔“

”ہاں یہ ٹھیک ہتی ہو تم۔“ وہ بڑی خوشی سے کمرے کی طرف چل دیں۔

”میاں اب تمہارا اللہ ہی حافظ۔“ یہ ان کے اندر جانے کے بعد عمارہ نے کہا تھا اور مسکرائی تھی۔

☆☆☆

”ایک دفعہ میں نے کہانی لکھی اور کہانی کے ساتھ بھی یہی مذاق ہوا تھا، ایک دن اس نے سزا کے طور پر مجھے کمرے میں بند کر دیا، دوسری بار مارا، تیسری بار رے سے باندھ دیا، اس کے بعد قہر آلود نگاہیں ڈالنا معمول بن گیا، میں ڈر کر سہمتی تھی، کئی دن کھیلنا چھوڑ دیا تھا میں نے چچی میری کیفیت پر روتی تھیں، مجھے اپنے گھٹنے پر سلا کر بہلاتی تھیں، بہت پیار سے بہلاتی تھیں، ان کا بس چلتا تو میرے لئے لڑتیں، مگر پتہ ہے وہاں اس نسل کی عورتیں بیچاری بڑی ہی کمزور ہوتی تھیں، مجھے خود سے زیادہ اس عورت پر رحم آنے لگتا تھا۔“

”امرت میرے ذہن میں کچھ سوال آرہے ہیں۔“

”آرہے ہوں گے علی گوہر، ضرور آرہے ہوں گے، مگر تھک گئی ہوں، بہت تھک گئی ہوں، مت پوچھو کہ کتنی، مجھے بھی پتہ ہے کہ تم نے میرے ساتھ بہت ساری باتیں کرنی ہیں، بہت کچھ بتانا ہے اور بہت کچھ پوچھنا ہے، علی گوہر میں تمہاری ساری باتیں سنوں گی۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

”مگر ابھی نہیں، کچھ سالوں تھک گئی ہوں، ہم کل مل لیں گے، پرسوں مل لیں گے، روز ملیں گے، جہاں تم کہو، میں تمہارے گھر آ جاؤں امرت مگر تمہارے گھر والے میرے بارے میں کیا سوچیں گے اگر آ کر کئی گھنٹے تک بیٹھ گیا، بھلے کمرے میں، بھلے چھت پر، بھلے لاؤنج میں، مگر برا لگے گا۔“

”تمہیں لینے کے لئے آؤں تو تو کوئی مسئلہ نہیں ہو گا نا؟“

”علی گوہر تم کب سے اس طرح کی فضول باتیں سوچنے لگے ہو یہ تو بتاؤ۔“ اب وہ بھی سنجیدہ

تھی۔

”پتہ نہیں کیوں امرت کچھ غیر ضروری باتیں جو بظاہر اشد ضروری سمجھی جاتی ہیں، وہ پریشان کرنے لگی ہیں، کئی ایسی باتیں جو ذہن کو اس سے پہلے چھو کر نہیں گزری تھیں، وہ ڈسنے لگی ہیں۔“

وہ اس کے ساتھ اٹھ کر کارڈ بورڈ کے گزرتے ہوئے یہ کہتے کانی بیچارہ لگ رہا تھا۔

اس نے پاپ کارن کی تھیلی ستون سے ٹیک لگا کر رکھ دی تھی جو ان کے رخ بدلنے پر ہی کسی



بچے نے جھپٹ کر اٹھالی تھی۔

اور امرت نے سرسری سا مزہ کر دیکھا تو مسکراہٹ آگئی ساتھ میں بچے پر پیار بھی۔  
"علی گوہر سوچیں تم کو کیوں پریشان کریں بھلا تم سوچوں کو ہلکان کر دو۔" وہ دونوں برآمدوں سے نکل کر میدان اور میدان سے نکل کر بیرونی گیٹ کی طرف آگئے تھے۔  
"امرت سوچیں عذاب ہوتی ہیں۔" اس نے بہت دیر بعد اپنا سیل فون کھولا تھا تو دھڑا دھڑا نیکسٹ آئے پڑے تھے۔

"سوچیں جتنی بھی عذاب ہوں گوہر، مگر ان پر تیزاب نہیں پھینکنا۔" وہ مزے کے موڈ میں آگئی تھی، وہ مسکرا کر ہنسا، بے معنی سی ہنسی مگر ہلکا پھلکا کر دینے والی۔  
"عمارہ کے دھڑا دھڑ میسج آنے لگے ہیں، کہتی ہے جلدی پہنچو، تمہاری ضرورت گھر کے دروازے کے اندر پہنچ گئی ہے۔" وہ پڑھ کر سنانے لگا تھا۔

"مطلب.....! یہ عمارہ کبھی کبھی الجھی بات کرتی ہے۔"

"وہ کبھی کبھار کرتی ہے مگر امرت تم تو اکثر اوقات کرتی ہو۔"

"ہاں میرا بھی تمہارے یارے میں یہی خیال ہے، مگر گوہر ہم دونوں ایک دوسرے کی بات سمجھ لیتے ہیں جبکہ نہ عمارہ ہماری سمجھتی ہے اور نہ ہم اس کی، تبھی تو ہماری لڑائیاں ہوتی ہیں اتنی۔"  
"مجھے جانا ہوگا امرت عمارہ کے ٹیکسٹ سے عجیب خوشبو آرہی ہے۔"  
"اب نیکسٹ میسج سے خوشبو آرہی ہے، کہاں ہے۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں یہ ذرا اور طرح کی خوشبو ہے جو عمارہ کی زبان بیان سے ہی آتی ہے اور جسے میں ہی سونگھ سکتا ہوں چلو تمہیں گھر چھوڑ دوں۔"

"بچی سمجھا ہوا ہے یا عمارہ، سمجھا ہوا ہے جس کی ڈیوٹی آن دی ٹائم لگی ہوئی ہے تم پر، چلی جاؤں گی میں، تم جاؤ شاباش۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے رکشہ روکا۔

"گھر ہی جاؤ گی یا کہیں اور؟"

"اس وقت کہاں جاؤں گی، آوارگی میں کبھی کبھی تو حد سے گزر جانا چاہیے، مگر ہر وقت نہیں۔" وہ رکشے والے کو پتہ بتا کر بیٹھ گئی اور علی گوہر دوسری سواری پکڑ کر سر پہ پیر رکھ کر بھاگا تھا۔

☆☆☆

سواری بس اسٹاپ پر جارہی تھی اور بس کنڈیکٹر ان سے کرایہ مانگ رہا تھا اور وہ غائب دماغی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

جب کھنگالی جس میں پھوٹی کوڑی تک نہ تھی، پچھلے دو دن سے وہ والٹ ساتھ نہیں رکھتے تھے، والٹ کیا بہت ساری چیزیں ساتھ رکھنا بھول گئے تھے۔

خود دماغ بھی ساتھ رکھنا بھول گئے تھے، تو ازن ڈولتا تھا بے طرح ڈولتا تھا۔

کسی مہربان نوجوان نے کرایہ دار کیا تھا، انہیں بس سے اترنے میں مدد دی تھی اور ہوٹل کے اندر بٹھا کر ان کے لئے کھانا منگوایا تھا۔



”کیا کھائیں گے آپ باباجی؟ کچھ چاہیے؟ کچھ اور؟“ وہ ہمدردی کی تصویر بنا ہوا تھا، فنکار نے نفی میں سر ہلا دیا تھا۔

”کچھ تو کھائیں، تھوڑا بہت، چکر آرہے ہیں نا؟“ وہ ہمدردی سے پوچھنے لگا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تو پھر کھائیں، کہیں سے بھاگ کر آئے ہیں؟ گھر چھوڑ کر آئے ہیں؟“ وہ غائب دماغی سے دیکھنے لگے۔

”چلیں پہلے کھانا کھالیں پھر بات کرتے ہیں۔“ نو جوان گورا چٹا خوبصورت سا تھا، کوئی کالج کا اسٹوڈنٹ لگ رہا تھا، سترہ اٹھارہ سال کا، غضب کی معصومیت بھی چہرے پر، وہ اسے دیکھے گئے۔

”باباجی جلدی کریں مجھے اس کے بعد گھر بھی پہنچنا ہے، ویسے آپ کی شکل کہیں دیکھی بھالی سی لگتی ہے، کہاں دیکھا ہے؟“ وہ جیسے خود سے ہی پوچھنے لگا تھا اور فنکار بچوں کی طرح جلدی جلدی کھانا کھانے لگا، لڑکا ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اپنے سیل فون پر میسج دیکھنے لگا، فنکار نے کھانا ختم کیا تو پیسے دے کر لڑکا اٹھا۔

”کہیں تو گھر چھوڑ دوں؟ قریب ہے گھر؟“

”حیدر آباد۔“ وہ اتنا ہی کہہ سکے۔

”حیدر آباد تو بہت دور ہے یہاں سے، دوڑھائی گھنٹے کا سفر ہے، کوئی اور جاننے والا ہوگا اس شہر میں؟“ وہ اس غائب دماغی سے دیکھنے لگے تھے۔

”کوئی نہیں؟“ لڑکا تعجب سے کہنے لگا۔

”اللہ ہے۔“ بے ساختہ کہہ گئے۔

”وہ تو ہر جگہ ہے، میں تو آپ کا ٹھکانہ پوچھ رہا ہوں، کہاں چھوڑ آؤں؟“

”اللہ کے گھر چھوڑ دو۔“ ان کی آنکھیں نم تھیں۔

”مسجد میں؟“ لڑکے نے اندازہ لگایا۔

”اللہ مل جائے گا وہاں؟“ فنکار نے بچکانہ معصومیت سے پوچھا۔

”مجھے کیا پتہ؟“ وہ ہنسنے لگا بے طرح۔

”بڑی ماں کہتی ہیں اللہ تو بندے کے دل میں ہوتا ہے، مسجد مندر میں کہاں۔“

”مندر، مسجد، گر جا، کہیں نہیں ملا، مجھے تو کہیں نہیں ملا۔“ نم آنکھوں سے قطرے نکلے، فک

گئے۔

”دل میں جھانکا؟“ وہ شرارت سے پوچھنے لگا۔

”دل کا دروازہ بند ہو گیا۔“ وہ لمحے کے اندر پہاڑ ڈھے گیا، بڑھا بچہ بن گیا، بچے کا ہاتھ تھام

کر رونے لگا، بچہ ہراساں ہی ہو گیا۔

”اچھا رو میں تو نہیں..... کیا ہوا؟“

”دل کا دروازہ بند ہو گیا۔“

”اچھا کھل جائے گا، ڈونٹ وری۔“ نو جوان پریشان سا ہو گیا تھا۔



”پاپی گم ہو گئی۔“ وہ اسی کیفیت کا حصہ تھے۔

”اچھا چابی بھی مل جائے گی، ہو جائے گا کچھ نہ کچھ، چپ تو ہو جائیں..... بھیا۔“

”اچھا کہاں چھوڑوں۔“ ان کو پانی پلانے کے بعد وہ بولا، اس سے پہلے کہ وہ پھر سے رونے لگتے، وہ اٹھا نہیں اٹھنے کا اشارہ کیا۔

”ایک رات، صرف ایک رات رکھ سکتا ہوں، نانی ہے میری اس شہر میں، اس کے گھر لے جاتا ہوں، مگر چپ کر کے رہنا ہوگا، صرف ایک رات کے لئے، صبح حیدر آباد جانے والی بس میں بٹھا دوں گا، ٹھیک ہے؟“ وہ بچوں کی طرح سر ہلاتے اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔

”بات سنو۔“ وہ چلتے چلتے رکے۔

”اللہ، وہاں مل جائے گا؟“

”بھیا میں کوئی ولی ہوں کیا کہ مجھے پتہ ہو کہ وہاں اللہ ملے گا یا نہیں۔“

”یہاں کوئی اللہ کا ولی ہے؟“ وہی لہجہ، وہی کیفیت۔

”ہاں ہو گئے کئی ہو گئے، مگر ایک آدھ مزار پر نانی بھی جاتی ہیں، ان سے پوچھ کر بتاؤں گا۔“ وہ انہیں لے کر تانگے میں آ بیٹھا۔

”یہاں نواز حسین ہوگا۔“ وہ تانگہ اسٹاپ پر کھڑے تھے جب انہوں نے پوچھا۔

”ہاؤ، بھائی نواز میں تو ہوں۔“ ایک درمیان عمر کا آدمی آگے بڑھا۔

وہ اس شخص کو بغور دیکھنے لگے تھے کہ یہ نواز حسین نے شکل کیسے بدل لی ہے۔

”کیا دیکھ رہا ہے بھائو؟ تانگے میں بیٹھنا ہے؟“ نواز پوچھنے لگا۔

”میں نواز حسین کا پوچھ رہا ہوں۔“ وہ بیٹھتے ہوئے کہنے لگے۔

”تو نواز حسین کا پوچھ رہا تھا اور میں نواز علی ہوں۔“

”نواز حسین اور نواز علی گویا ایک ہی بات ہوئی۔“ آدمی تانگہ چلاتے ہوئے باقاعدہ ہنسا،

عجیب پاگل پن سے ہنسا تھا۔

”او چچا تانگہ چلا باتیں کم کر۔“ لڑکے نے اسے درمیان میں ٹوکا تھا۔

”او چچی جا پٹ (پاگل کی اولاد)۔“

”اے کو سمجھا، نواز حسین اور نواز علی میں کیا فرق ہے بھلا۔“

”او چہ یا بھلا علی اور حسین میں کوئی فرق ہوتا ہے کیا؟“ گھوڑے کو زور سے چابک مار کر قہقہہ

لگا کر آدمی نے کہا تھا۔

لڑکا تو چپ ہو گیا مگر فنکار نے بوکھلا کر گرنے سے پہلے تانگے کی چھت سے نیچے آتے لوہے

نما اسٹیل کے پائپ کو زور سے پکڑ لیا تھا، ایک زور کا جھٹکا لگا تھا، دماغ کو بھی، دل کو بھی، تانگہ رستہ

پھلانگتا ہوا لمبے ڈگ بھرتا جا رہا تھا، رستہ ویران تھا، چپ لگی ہوئی تھی، آدمی کا ایک ہی جملہ گونج رہا

تھا، باقی جگہ سناٹے نے لی رکھی تھی۔

☆☆☆

وہ امرت کے سامنے مجرم بنی کھڑی تھیں، کچھ کہہ نہیں پا رہی تھیں، کئی سوالات تھے جن کے



جوابات مل گئے تھے۔

”کیا بات ہے صنوبر، کس سوچ میں گم ہو؟“ وقار صاحب کو اس کی حالت دیکھ کر کچھ رحم آ ہی گیا تھا۔

”وقار! وہ مل گیا۔“ وہ ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئیں۔  
”کون مل گیا ہے؟“

”وقار! امرت کو اپنے باپ کا پتہ مل گیا ہے، وہ اس سے مل آئی ہے، اس کے پاس سے اس کی ڈائری نکلی ہے۔“

”وقار! وہ چلی جائے گی اپنے باپ کے پاس۔“  
”مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔“ وہ نرم دیدہ ہو گئیں۔  
”یہ دن تو آنا ہی تھا۔“ وہ حیران نہیں تھے۔  
”وقار! میں اکیلی رہ جاؤں گی۔“

”میں بھی تو صنوبر اکیلا ہوں، دیکھ جی رہا ہوں، ویسے بھی اس کی شادی ہو جائے گی کب تک رہے گی وہ یہاں۔“

”میں سوچ رہی ہوں کہ دوں اس کی شادی، دو ہفتے رہتے ہیں وقار اور اسے ہوش ہی نہیں ہے نہ جہیز کے نام پر کچھ بنانے دیا، نہ ہی خریداری کرنے دے رہی ہے، سوچ رہی ہوں خود ہی جا کر کچھ نہ کچھ لے آؤں، کیسی ماں ہوں میں اپنی بچی کے لئے کچھ بنا ہی نہ سکی۔“  
”جا کر لے آنا، پہلے اس سے بات کر لو، اس سے پوچھ لو، مجھے لگتا ہے وہ شادی کے لئے خوش نہیں ہے۔“

”عبداللہ خان سے بات کرنا پڑے گی، وقار حنان سے شاید اس کا کوئی جھگڑا ہوا ہے۔“  
”اگر ایسا ہوتا تو کل وہ فون کیوں کرنا صنوبر، کل میں نے اس کا فون اٹھایا تھا، کہہ رہا تھا شادی کی تیاری کہاں تک پہنچی، وہ کچھ معاملات ڈسکس کرنا چاہ رہا تھا۔“  
”وقار تم امرت کو سمجھاؤ، میری تو بات تک کرنے کی ہمت نہیں پڑتی۔“

”کتنی دور ہے ہماری اولاد ہم سے، نہ وہ ہمیں سمجھتے ہیں نا ہی ہم ان کو سمجھ پائے، کیسے ماں باپ ہیں ہم صنوبر، بس اپنی ہی خوشیوں کا سوچتے رہے، اپنی اولاد کو کھلونہ بنائے رکھا، جب چاہا ساتھ کر لیا، جب چاہا چھوڑ دیا، نظر انداز کر دیا، اس طرح سے تو ہمارے ساتھ اچھا ہی ہونا، ہماری اولاد آج ہمیں بھروسے کے قابل نہیں سمجھتی ہے، پچھتا رہے ہونا وقار مجھ سے شادی کر کے۔“  
”تم بھی تو پچھتاتی ہوگی۔“ دروازے کے باہر کھڑی امرت نے سوچا تھا۔

کتنی دیر بعد اور کتنا وقت گزر جانے کے بعد بے وقت ان کو احساس ہوا ہے اور بجائے ایک دوسرے کو سنبھالنے کے وہ اپنے اپنے پچھتاؤں کے لئے بیٹھے خود کو کوس رہے ہیں۔  
”انسان بھی کیا چیز ہے؟“

”صنوبر! مجھے نیند کی گولی دو، میں سونا چاہتا ہوں۔“ کچھ لمحوں بعد جب امرت وہاں سے ہٹی تھی، تب انہوں نے آنکھیں موندتے ہوئے صنوبر سے کہا تھا۔



”آج بہت ڈر لگ رہا ہے وقار، آج نہ سوؤ، آج نہیں سونا۔“ اس نے ہاتھ پکڑ کر التجا کی تھی اور وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگے سب سمجھتے بھی۔

☆☆☆

نوادرات پر نظر پڑتے ہی کچھ ادھورا پن محسوس ہوا، بڑی معمولی سی چیزیں بظاہر مگر بڑی ہی اہمیت کی حامل رہ چکی تھیں بہت خیال آیا کہ تھانے جا کر رپورٹ لکھوائے اور ایسا کر بھی لیتا کہ پروفیسر غفور سے کچھ بعید نہ تھا، مگر یہاں بات جب چیزوں سے ہٹ کر بندوں پر آ جائے، چک سے ہٹ کر کشش پر آ جائے ضروریات پر آ جائے اور ہونے اور نہ ہونے کا سوال پیدا ہونے لگنے تو کئی ایسے سوالات آپ ہی آپ جنم لیتے ہیں۔

جن کے ذرات دماغ کی کوکھ میں کب سے پل بڑھ رہے ہوتے ہیں اور پیدائش کے عمل سے بعد میں گزرتے ہیں اور پھر وجود کی حیثیت بننے لگتے ہیں اور اپنے ہونے کا خود ہی اعلان کرتے ہیں۔

پروفیسر غفور کے اندر باہر سے بھی یہی شور اٹھ رہا تھا، اس نے نوادرات پر سرسری نگاہ اور ڈالی اور چھتری کو گھماتا نکالتا نکالتا ہوا، اپنی ہی سوچ میں گھر سے نکلا تھا اور کوئی بیس پچیس منٹ سے یہیں بیٹھا ہوا تھا، جہاں کھلی فضا میں سانس لینا قدرے آسان تھا، پارک میں خاصی چہل پہل تھی، سر شام بتیاں بھی جل رہی تھیں اور کیا ہی رونق تھی کہ بچے کھیل رہے تھے۔

نوجوان لڑکے لڑکیاں ہل رہے تھے، درمیانی عمروں کی عورتیں اپنے کئی سارے گھریلو مسائل لئے بیٹھی ہوئی تھیں اور باری آنے سے پہلے ایک دوسرے کی بات کاٹ کاٹ کر بیچ میں اسے بولتی تھیں، ان کی باتوں کا شور ایسا تھا جیسے پھولوں پر شہد کی مکھی کی بننا ہٹ ہوتی ہے اور لڑکوں لڑکیوں کی آنکھوں کے اندر کچھ پیغامات تھے جن کو بیچ پر بیٹھے ہانپتے ہوئے لاهوت نے بھی پڑھا جو ابھی ابھی سخت قسم کی جاگنگ کر کے آیا تھا اور بوڑھی جلتی بچتی آنکھوں کے دیئے کی لو پر چمکتے ننھے ستاروں کی نظر سے دیکھتا ہوا پروفیسر غفور تھا، جس کی آنکھیں کئی طرح کی روشنائیوں سے سفر کر کے لوئی تھیں اور اس وقت اس دلچسپ سین میں رکی ہوئیں تھیں اور تبھی امرت کی اس سین میں انٹری ہوئی تھی جس کا وہ کئی لمحوں سے انتظار کر رہے تھے اور نظارہ کرتے ہوئے لمحے گن رہے تھے اور اسے سامنے سے آتا دیکھ کر ٹھہر گئے اور مسکرائے۔

”زیادہ انتظار تو نہیں کر دایا میں نے؟“ سلام کے بعد پہلی بات ہی تھی۔

”تمہارا انتظار کرنا کسے نا منظور ہو گا۔“ وہ ہل کر مسکرائے، یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ دل سے مسکرائے تھے۔

”اور وہ بھی کہہ دیتے کہ دل کھول کر دکھانے کی چیز ہوتی تو کھول کر دکھاتا تمہیں یک لہذا۔“

”آپ کی آنکھوں میں آپ کا دل اتر آیا ہے سر۔“ وہ آنکھیں دیکھنے لگی ان کی اور کہنے لگی جس پر وہ اور مسکرا دیے، یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ مسکراہٹ گہری ہو گئی تھی اور وہ بلاشبہ دل سے مسکرائے تھے۔



”کاش ہم وقت اور عمروں سے ذرا ہیر پھیر کر سکتے میں یہیں ہوتی اور یہی ہوتی، آپ ذرا بیس سال پیچھے چلے جاتے تو مزہ آ جاتا۔“ وہ آنکھ دبا کر مسکرائی تھی اور تقریباً ہنس دی تھی، کھلکھلاتی ہوئی ہنسی، جادو بھری ہنسی، کھلکھلاتی، سروں کی طرح بجتی ہوئی، لاهوت نے نظر اٹھا کر دیکھا تھا اس ہنسنے والی کو۔

”میں بھی اپنی بد قسمتی کو کوس رہا ہوں امرت۔“ وہ اس بار ہنس دیئے۔

”یہ بتائیں آج سے کئی سال پہلے کوئی ایسا سین ہوا تھا؟“

”یار امرت میں بڑا خشک مزاج اور چڑچڑا سا تھا، مجھ سے میری بیوی کو ہی محبت نہ ہو سکی، البتہ فنکار نے بڑے بڑے تیر مار رکھے تھے، تم نے اس کی زندگی کی ڈائری حاصل کر لی ہے سنا ہے۔“ لاهوت ساتھ والی بیٹنج پر بیٹھا، ان دونوں کی گفتگو بڑی سنجیدگی کے ساتھ سن رہا تھا۔

”میں ان سے لے کر آئی تھی، تھوڑا بہت پڑھا ہے، ابھی ابتدائی حصہ ہے، بات محبت سے شروع ہوئی ہے، بات بغاوت پر ختم ہوگی۔“ یہ اگلا جملہ پروفیسر نے کہا تھا اور بغاوت کے لفظ پر لاهوت کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔

”وہاں نسل در نسل کوئی باغی پیدا ہوتا تھا۔“

”پہلا باغی وہ تھا اور دوسرا باغی خدا جانے۔“ پروفیسر سوچ میں پڑے ہوئے تھے۔

”دوسری باغی میں۔“ امرت نے زیر لب کہا تھا۔

”تم نے کچھ کہا امرت؟“ بڑا ہٹ نہیں سنی تھی۔

”آپ کچھ کہہ رہے تھے سر۔“

”ہاں امرت، میں کہا رہا تھا، میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ باغی تھا، وہ پہلے کہانی لکھتا تھا اور اسے جھوٹ کھڑنے والا کہا گیا، اس کے کاغذات پھاڑ دیئے جاتے تھے، اس کا بڑا بھائی اس پر چلاتا تھا، چیختا تھا، وہ سارے کاغذات اپنے باپ کے پاس لے کر گیا تھا اور اسے بتایا کہ یہ دیکھو، یہ جھوٹ کھڑتا ہے، یہ کفر کھاتا ہے، یہ لوگوں کو درغللے گا یہ جہنم کمائے گا اور اس پر فتوے لگ گئے، اس کے اچھے پھاڑ دیئے جاتے تھے، اسے کافر کہا جاتا تھا، جتنا کہا جاتا، اتنا ہی اس کا فن اٹھ کر باہر آنے لگا، پھر اسے امان ملی، وہ شہر آ گیا تھا پڑھنے کے لئے کالج سے یونیورسٹی تک ہم نے ساتھ پڑھا، ماسٹرز ساتھ کیا اور ایم فل بھی ساتھ کیا، پھر میں تو مزید پڑھتا رہا، مگر محبت نے اس کا کباڑہ کر دیا، گھر گارہانہ گھاٹ کا، خاتون کے لئے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر آ گیا، پاگل تھا، الو کا پٹھا تھا، مگر اپنی ذات میں بھی بہت سچا تھا اور اپنی محبت میں بھی بہت سچا تھا۔“ امرت پروفیسر کے لفظوں کے مطلب سمجھتی ہوئی کئی سوچوں میں گم تھی۔

اور دوسری بیٹنج پر بیٹھے ہوئے لاهوت نے سر بیٹنج کی پشت سے ٹکا لیا تھا، وہ بہت کچھ سمجھ رہا تھا، سمجھنے کے لئے بہت کچھ تھا، مگر ایک خوش آئند تبدیلی تھی، لاهوت کو لگا کہ وہ سالوں بعد کسی شناسا کو دیکھ کر خوشی سے مالا مال ہو گیا ہو۔

”اور اس سے آگے کی کہانی میں سناؤں؟“ وہ اٹھ کر ان کے سامنے آ گیا، کھڑا ہو کر۔

”میرا نام ہے لاهوت، رشتے میں فنکار کا بھتیجا ہوں اور اس بستی کا تیسرا باغی ہوں، اپنے



دوسرے باغی کے سامنے کھڑا ہوں اور پہلے باغی میں اتنی ہی دلچسپی رکھتا ہوں جتنی آپ دونوں کو ہے۔“ اس نے بات کے آغاز میں ہی بات مکمل کر لی تھی، جہاں امرت منہ کھولے سشدر اس نوجوان کو دیکھ رہی تھی۔

وہی حال بلکہ اس سے زیادہ عجیب حال پروفیسر غفور کا تھا، وہ نا سمجھی سے دونوں کو باری باری دیکھتا تھا۔

”لاہوت..... تم.....؟“ امرت بڑی حیرانی سے قدرت کے حسین اتفاق پر حیران تھی اور کیوں نہ ہوتی، لاہوت اپنی تمام تر حیرانی سمیت ایک آنکھ دبا کر مسکرایا۔

”ہاں میں اس نسل کا تیسرا باغی اور آپ اس نسل کی دوسری باغی، بہت بدل گئی ہیں۔“ وہ بڑے نارمل انداز میں کہہ رہا تھا۔

امرت بے یقینی کی کیفیت سے نکلنے کے لئے بڑے غور سے اسے دیکھتی رہی اور وہ اس حیرانی کو لے کر بڑے مزے سے مسکرایا جس پر حقیقت میں وہ خود حیران تھا۔

”امرت تم؟“ پروفیسر غفور ٹرانس کی کیفیت سے ذرا باہر نکلے تھے اور انہوں نے اپنا جملہ مکمل کرنے سے پہلے سوچ سے باہر نکل کر یقین کر لینا چاہا تھا۔

مگر اس سے پہلے سوالات کی بھرمار نے آلیا، سوالات، ہاں وہی جو ذہن کی کوکھ میں پرورش پاتے رہتے ہیں اور وجودی حیثیت میں آنے کے لئے پر تو لتے ہیں، انہیں سوالوں میں سے ایک سوال تھا، ایک عام سا سوال تھا۔

”امرت تم.....؟“

سوال کا جواب ذہن کی دہلیز پر اسی وقت آکھڑا ہوا تھا جس وقت سوال دستک دے کر اندر آیا تھا سوال کے بعد جو رستہ کھلتا ہے، اسی رستے سے جواب نے آنا ہوتا ہے۔

☆☆☆

”زندگی ایک حکایت ہے اور اس میں محبت ایک گھائے کا سودا ہے۔“ امر کلہ کی آنکھیں سرخ تھیں اور اس نے اذیت ناک لہجے میں کہا تھا، لفظوں میں سارا درد سمٹ آیا تھا، درد بول رہا تھا، درد چیخ رہا تھا۔

نواز حسین نے اس کی آنکھوں کے منتر پڑھ رکھے تھے، اس کا لہجہ اور لفظوں کا تاثر نواز کی سماعت کو پار کر گیا، سیدھا اثر گیا، دل تک۔

”چلو امر کلہ کتنے دنوں سے مزار کے اندر نہیں گئی ہو؟ چلو آج سلام کر لو۔“

”سلام کر لوں، کیوں سلام کر لوں، جب تک سلام نہیں کروں گی تب تک کنکشن نہیں جڑے گا کیا؟ وہ میری بات نہیں سنیں گے کیا، ہر روز ان کے مزار کے احاطے میں بیٹھ کر لنگر تقسیم کرتی ہوں، کیا اس وقت بھی وہ مجھے نہیں دیکھتے؟ ہر روز مسافروں کے لئے پانی کے مٹکے بھرتی ہوں، کیا اس وقت بھی.....“ امر کلہ کے حلیے اور سادگی کی وجہ سے زائر اسے ملگنی سمجھنے لگ گئے تھے۔

جونگر لایا جاتا اس کے ہاتھوں تقسیم کروایا جاتا، جب وہ مٹکے بھر کر پلٹتی تو کئی لوگ عقیدت سے اس مٹکے کا پانی پینے کے لئے بڑھتے تھے اور کئی لوگ اسے دعا کے لئے کہتے تھے، وہ بیزار آگئی



تھی یہ سب کر کے، اسے سب کچھ ڈرامہ لگ رہا تھا، ڈھکوسلہ لگ رہا تھا، تماشہ لگ رہا تھا۔  
 ”مذاق بن گئی ہوں لوگوں کے لئے میں یہاں آ کر، یہاں عجیب عقائد کے لوگ آئے ہیں،  
 یہ تو ہم پرست ہیں، یہ جھوٹ ہے، تماشہ ہے، ڈرامہ ہے، ڈھکوسلہ ہے۔“ وہ چلائی، پر زور آواز میں  
 چلنے لگی۔

”یہ ڈرامہ ہے یہاں تماشائی آتے ہیں۔“ پاس سے گزرتے لوگ رکے تھے۔  
 ”درویش کو آج دورہ پڑ گیا ہے، جمعے کی رات ہے نا۔“ ایک آدمی نے پر جس انداز میں  
 کشف کیا۔

”میں نہیں ہوں درویش، یہ سب دھوکا ہے بولو، رکو کبھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟ کیا کبھی  
 تم لوگوں نے مجھے قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا ہے؟ بولو..... بتاؤ۔“ وہ کھڑی ہو گئی آدمی کے  
 سامنے۔

”امر کلہ ادھر آؤ۔“ نواز نے اسے سختی سے ٹوکا تھا۔

”مجھے بولنے دو نواز بھا، یہ سچ ہے، میں مسلمان نہیں ہوں، نہیں ہوں میں درویش، تمہارا  
 میں درویش صرف مسلم ہوتے ہیں نا، سوسن لو کہ میں مسلم نہیں ہوں اور یہ سب ڈرامہ ہے، یہ سارا  
 کچھ جو تم سب لوگ کر رہے ہو، یہ چادریں چڑھانا، یہ لٹکر دینا، یہ دعاؤں کے راگ الاپنا، سب  
 دھوکا ہے۔“

”امر بس کر دو، نہیں کرو ایسا، بہت تکلیف ہو رہی ہے مجھے۔“ نواز حسین رو دینے کو تھا۔

”میں کروں گی ایسا، چیخ چیخ کر بتاؤں گی سب کو۔“

”امر کلہ مت کرو ایسے وہ خفا نہ ہو جائیں تم سے۔“ وہ رو دیا تھا۔

”وہ ہو جائے خفا مجھے نہیں ہے پرواہ۔“ وہ رو رہی تھی۔

درویشی کو دورہ پڑ گیا تھا، وہ اس طرح ڈرامہ ڈرامہ اور تماشہ تماشہ چلا رہی تھی وہ چلا رہی تھی،  
 یہ آواز بلند، اس کے اندر کا شور تھا جواب باہر آ گیا تھا، پوری تیزی سے، پوری شدت سے، علی نواز  
 نے ہاتھ باندھ لئے۔

”یا اللہ سائنس! وہ انسان ہے، وہ بہک سکتی ہے، وہ بہک سکتی ہے، میرے خدا وہ نادان ہے،  
 وہ خطا کار ہے، وہ دھمی ہے، اسے دکھ نے بگاڑ دیا ہے، پر تجھے پتہ ہے کہ وہ بری نہیں ہے، اگر وہ  
 بری ہوتی تو آج تیرے اچھے کے پاس نہ ہوتی تو اس پر رحم کر، تو اس پر رحم کر۔“ وہ زیر لب کہتا ہوا  
 ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا اور امر کلہ کی آواز پورے احاطے میں گردش کر رہی تھی۔  
 ایک ڈرامہ تھا، ایک تماشہ تھا، ایک ڈھکوسلہ تھا۔

☆☆☆

عورت ابھی ہوئی تھی۔

زینت اسے کئی طرح کی کرامات اور انہونی انوکھی باتیں بتا رہی تھی اللہ والوں کے بارے  
 میں اور عام لوگوں کی طرح اس نے بھی سمجھا کہ اللہ والوں کا کام صرف کرامات معجزات دکھانا ہوتا  
 ہے، اگر کوئی معجزہ نہ ہو تو سمجھو اللہ والا کچھ نہیں کر پایا، پھر وہی انسانی دماغ کا خلل، گلے شکوے اور



# قرآن شریف کی آیات کا احترام کیجیے

قرآن مجید کی حدیث آیات اور روایات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی دینی تعلیمات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہذا اسی مفسر پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حسرتی سے منظرِ دل سے گزرتے۔

باتیں، کون ایسا تھا جو اللہ والے کے مزار پر آ کر اسے بھی دعا دیتا اور کہتا کہ تیرا درجہ بلند ہو، ایسے بہت کم تھے اور مانگنے والے زیادہ تھے، صرف اس لئے کہ گنجائش کم تھی دور ضرورتیں زیادہ تھیں، حکایت کم تھی، مفروضے زیادہ تھے، محبت کم تھی امیدیں زیادہ تھیں، عمل کم تھا اور باتیں زیادہ تھیں، ہر جگہ کہتے آیا ہوا تھا، گھروں کے اندر، دلوں کے اندر، نظریات کے اندر، شور بہت تھا، پر امن کم تھا۔ زینت ایک بکھرے چلیے والی عیسیٰ مسیح کی صدائیں لگاتی ہوئی عورت کو بھی یہاں لے آئی۔ گاڑی چچی سڑک پر رک گئی، اس کے ساتھ ایک ہندو کا مزار تھا، عورت نے وہیں سے فاتحہ دلوائی۔

”لوگ کہتے ہیں کہ ہیرہ چھو رو ہندو ہیں، کچھ کہتے ہیں کہ نہیں مسلمان تھے، مگر بہر حال یہاں ایک آدمی آتا تھا نام تھا کبیر احمد، ذات کا سید زادہ تھا، ماں بھی اس کی کہہ رانی ذات کی، پر سنا ہے بڑی اللہ والی تھی، کہتا تھا فاتحہ دلوادو، قبول کرنا رب کا کام، سو میں جب بھی ادھر سے گزرتی ہوں، فاتحہ دلواتی ہوں۔“

گاڑی پھر سے اس کے اشارے پر چلنے لگی تھی اور مزار کے احاطے سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی وہ دونوں باقی لوگوں کی طرح میدان میں کھڑے جھکے کود بکھتی آگے آئیں۔ جہاں لوگ یہی راگ الاپ رہے تھے کہ درویشی کو دورہ پڑ گیا ہے، درویشی بہ آواز بلند تماشہ ڈھکوسلہ چلا رہی تھی اور بھی کئی کچھ کہہ رہی تھی۔

عیسیٰ مسیح کو ماننے والی جب معجزے کی تمنا لئے آگے بڑھی تھی تو سامنے معجزہ تماشہ بنا ہوا تھا، زندگی دو لمحے کے لئے رک گئی، بھتم گئی، زندگی حکایت ہے اور محبت، عورت کے پیر جیسے فرش نے پکڑ لئے، وہ اہل نہ سکی پھر زینت نے بری طرح جھنجھوڑا تھا اور عورت باگلوں کی طرح درویشی کی سمت بڑھی اور اس کے بازو دھام لئے، تماشہ رک گیا، وقت رک گیا، دل رک گیا، دل کی دھڑکن رک گئی، پورا منظر فریز ہو گیا تھا، جسے ساکت ہونا کہتے ہیں۔

(جاری ہے)



شہزادہ حسن علی شاہ  
عظمیٰ شاہین





فیس بک پر اپنا اکاؤنٹ چیک کرتے ہوئے وہ ٹھیک کر رہا۔

ہمیں خبر تھی دشمن کے سب ٹھکانوں کی شریک جرم نہ ہوتے تو مخبری کرتے اس کی سیٹر کی ہوئی ایک بے حد خوبصورت پوسٹ پہ یہ کمنٹ کیا گیا تھا، جب سے اس نے سوشل میڈیا پر کمپین شروع کی تھی، تب سے ہی کھل کی جانب سے اس کی مختلف پوشش پر بڑے منفرد کمنٹس آرہے تھے، اس کی دلکش سیاہ آنکھوں میں تجسس بھر گیا، سب کام چھوڑ کر وہ اس کا اکاؤنٹ چیک کرنے لگا۔

”خیر ایور!“ نام پر نظر پڑتے ہی اس کی آنکھوں میں تجسس کی جگہ حیرانی نے لے لی، ایسا منفرد نام اس نے پہلے نہیں دیکھا تھا، پھر زیر لب مسکرایا اور باقی تفصیلات دیکھنے لگا، جیسے جیسے اس کے اکاؤنٹ کو چیک کرتا جا رہا تھا ویسے ویسے اس کی آنکھوں میں ستائش ابھر رہی تھی۔

”ارے واہ..... اس کو آج سے پہلے میں نے کیوں نہیں دیکھا۔“ اس نے خود کلامی کی اور ریوالونگ چیئر سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں، چند لمحوں بعد وہ فیس بک پر اپنا اسٹیشن اپ لوڈ کیے بغیر ہی اٹھ گیا، اس کے گرنے کے بہت سے کام منتظر تھے، موروثی سیاست کی عالی شان مثال ”سیف اللہ غازی“ عنقریب اپنے باپ کی جگہ الیکشن لڑنے جا رہا تھا۔

☆☆☆

سیاسی محفل عروج پر تھی جب ان کے خاندانی ملازم افضال نے اندر آ کر ان کے بحث و مباحثہ میں خلل ڈالا۔

”سینی بابا! آپ سے ملنے کچھ مہمان آئے ہیں، میں نے انہیں مہمان خانے میں بٹھا دیا ہے۔“

”کون مہمان ہیں؟ انہیں بھی یہیں پر بلا لو۔“ سیف اللہ کی بجائے اس کے والد وقار احمد غازی کی طرف سے جواب آیا۔

”جی..... جی..... وہ۔“ ان کے حکم پر وہ گڑبڑا گیا۔

”ٹھیک ہے آپ چلو چا چا جی میں ادھر ہی آ رہا ہوں۔“ سیف نے جواب دیا اور ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا، افضال کی بزرگی کے باعث وہ اسے چا چا جی کہا کرتا تھا۔

سیف اللہ کے قدم مہمان خانے کے دروازے پر ہی رک گئے سر پر پی کیپ، گیلے میں اسکارف، سنہری رنگت اور سحر طاری کرنی بڑی بڑی براؤن آنکھیں، جن میں ذہانت کی چمک مدقابل کو ٹھٹکنے پر مجبور کر دیتی تھی، ٹانگ پر ٹانگ جمائے شاہانہ تمکنت کے ساتھ صوفے پر بیٹھی وہ بمشکل اکیس بائیس برس کی لڑکی تھی، اس کے ساتھ پندرہ سولہ سال کا خوش شکل لڑکا بھی براجمان تھا۔

”آئیے آئیے سیف اللہ غازی صاحب تشریف لائیے۔“ وہ لڑکی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس انداز میں اس سے مخاطب ہوئی جیسے وہ مہمان نہیں، میزبان ہو، اس نے دیکھا صوفے پہ بیٹھا نو جوان بھی زیر لب مسکرایا، ان کو دیکھ کر اب سیف اللہ کی سمجھ میں آیا کہ کیوں افضال ان کو وہاں بلائے پر گھبراتا تھا۔

”آپ.....؟“ نگاہوں میں الجھن لئے سیف اللہ نے بس اتنا ہی کہا۔

وہ لڑکی پروقار انداز میں چلتی اس کے قریب آئی، ہاتھ اپنی لیڈر جیکٹ کی پاکش میں گھسائے جا چکی نظروں سے اسے دیکھتے اس کے ارد گرد ایک چکر لگایا، بالکل سی آئی ڈی کے کسی تفتیشی افسر کا سا انداز، پھر اس کے سامنے



کھڑے ہو کر عین اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”میرا نام خیر الورا ہے۔“

”خیر الورا!“ بے اختیار اس نے دہرایا اور ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

”اور یہ میرا بھائی شاہ زین ہے۔“

”پلیز مس خیر الورا تشریف رکھیے۔“ سر جھٹک کر ٹرانس کی سی کیفیت سے ٹکلتا ہوا بولا، اس کے کہنے پر وہ پلٹ کر واپس بیٹھ گئی۔

”آپ کو تو خیر آپ کے حلقے کا تو کیا پورے ملک کا ہر شخص جانتا ہے“ سابق وزیر وقار احمد غازی کے بیٹے اور اپنے دور کی مشہور سیاسی شخصیت ”سکندر غازی“ کے پوتے ہیں۔ ایک ایک لفظ ٹھہر ٹھہر کر ادا کیا اور تھوڑا توقف کیا۔

”لیکن ہم آپ کے لئے اجنبی ہیں، امید ہے اس ملاقات کے بعد.....“

”کوئی بات نہیں مس خیر الورا، آپ فرمائیے کس لئے آنا ہوا؟“ سیف اللہ نے اس کی بات کاٹی۔

”ہم جس کام کے لئے آئے ہیں میرا خیال ہے وہ آپ کبھی بھی نہیں کریں گے، میں نے آپ کو سمجھایا تھا لیکن انہیں ایڈوچرز کرنے کا شوق ہے۔“ جواب خیر الورا کے چھوٹے بھائی شاہ زین کی طرف سے آیا تھا۔

”تم۔“ وہ اپنے بھائی کی طرف پلٹی۔  
”اپنی چونچ بند رکھنے کا وعدہ کر کے ساتھ آئے تھے، کیا تمہاری یادداشت بیس منٹ کے راستے میں ہی خراب ہو گئی ہے؟“

”نہیں Company میرے اوپر اتنی جلدی بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔“ چہرے پر زبردستی کی سنجیدگی طاری کیے وہ بولا۔

”میں میں نہیں چاہتا تھا میری پیاری اپنا

اکیلے وہاں مار کھائے، آفر آل۔“  
”بک بک بند کرو۔“ خیر الورا کے چہرے نے رنگ بدلا، سیف نے دلچسپی سے اس منظر کو دیکھا، گلا کھنکار کر اس نے دونوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

”آپ بتائے کیا کام ہے، میرے بس میں ہوا تو ضرور کروں گا۔“

”ہم چاہتے ہیں۔“ اس نے بات کا آغاز کیا۔

”نہیں میں نہیں چاہتا صرف یہ چاہتی ہیں۔“ شاہ زین نے پھر ٹانگ اڑانا اپنا فرض سمجھا، خیر الورا نے کڑی نظروں سے اسے گھورا۔  
”میں یہ چاہتی ہوں کہ اگلے ماہ ہونے والے ضمنی انتخابات میں آپ نور عالم خان کے حق میں مقابلے سے دست بردار ہو جائیں۔“ اس نے سیف اللہ غازی کے سر پر بم پھوڑا۔

”کیا.....؟“ اتنی غیر متوقع بات سن کر حق دق وہ بس اتنا ہی کہہ سکا۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے بات کافی سادہ پیرائے میں کی ہے۔“ اس بات کے شاک سے نکل کر اب وہ اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا، اگلے ہی ماہ جب انتخابات ہونے والے تھے اور وہ ایک نامور سیاسی خاندان کا سپوت تھا، اس کے لئے یہ مطالبہ یقیناً غیر متوقع تھا، بات جب اس کی سمجھ میں آئی تو بے اختیار قہقہہ بلند ہوا۔

”اچھا تو آپ چاہتی ہیں میں الیکشن میں حصہ نہ لوں، وجہ جان سکتا ہوں۔“ اس نے اوپر سنجیدگی طاری کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے پوچھا۔

”وجہ یہ ہے کہ اب ہم اس ملک کا بھلا چاہتے ہیں۔“ ترنت جواب آیا۔

”اور میرے الیکشن میں حصہ لینے سے اس



ملک کا کون سا نقصان ہو جائے گا۔“  
 ”ایکشن میں حصہ لینے سے نہیں ایکشن میں  
 جیت جانے سے ہوگا، موروثی سیاست نے آج  
 تک جتنا فائدہ پاکستان کو پہنچایا ہے وہ ہم سب کو  
 معلوم ہے۔“

”اچھا۔“ سینے پر بازو لپیٹتے ہوئے اس نے  
 بغور اسے دیکھا۔

”اگر میں ایسا نہ کروں تو؟“

”تو پھر اپنے آپ کو شکست کھانے کے  
 لئے تیار کر لیں۔“

”دھمکی دینے کی کوشش کر رہی ہیں۔“

”کوشش نہیں کر رہی میں دھمکی دے رہی  
 ہوں۔“ اس نے ”دے رہی ہوں“ پر زور دیتے  
 ہوئے کہا۔

”چلیں آپ کیوں بلاوجہ وقت ضائع کر رہی  
 ہیں۔“ شاہ زین نے خیرالورا کو بازو سے پکڑ کر  
 اٹھایا، اپنی بات کا کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر وہ بھی  
 اس کے ساتھ پلٹ گئی۔

”میں سوچوں گا۔“ خیرالورا باہر نکل چکی تھی  
 وہ سن نہ سکی اس کے پیچھے باہر نکلتے شاہ زین کے  
 قدم ایک لمحے کور کے۔

”آپ کو ایسا کچھ بھی کرنے کی ضرورت  
 نہیں، یہ تو پاگل ہیں۔“ شاہ زین نے پلٹ کر  
 جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

ہم دشت کے باسی ہیں اے شہر کے لوگو!

یہ روح پیاسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

دکھ درد سے صدیوں کا تعلق ہے ہمارا

آنکھوں کی اداسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

جان دینا روایت ہے قبیلے کی ہمارے

یہ سرخ لباسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

جو بات بھی کہتے ہیں اتر جاتی ہیں دل میں

تاثر یہ لہجے کی ہمیں ورثے میں ملی ہے

جو ہاتھ بھی تھا ماسدا ساتھ رہا ہے

احباب شناسی ہمیں ورثے میں ملی ہے

”تم صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دو، سیاسی

سرگرمیوں میں حصہ لینے کی عمر نہیں ہے تمہاری۔“

کڑے تیور لئے وہ شاہ زین کو گھور رہی تھی۔

”اپنا آپ کو بھی تو اتنا ایکٹو پارٹ ہوتا ہے

Palitcal activities میں۔“ شاہ زین

نے منہ بسورا۔

”میری اور بات ہے، تم سے بڑی ہوں

میں۔“

”اتنی ذرا سی تو بڑی ہیں، وہ بھی ہمیں پتہ

ہے بس، دیکھنے والے آپ کو میرے برابر کا ہی

سمجھتے ہیں۔“ شاہ زین نے انگوٹھے اور شہادت کی

انگلی کو قریب لا کر چٹکی جتنا اشارہ کیا تو خیرالورا

کے احمریں لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”بدتمیز، مجھے پتہ ہے میری بات اچھی طرح

سمجھ رہے ہو تم بس جان بوجھ کر بن رہے ہو،

دیکھو صاف بات یہ ہے کہ حالات ٹھیک نہیں

ہیں، جلسوں، جلوسوں میں جانا تو بالکل بھی Safe

نہیں ہے۔“

”بات اتنی بھی صاف نہیں ہے اپنا جانی۔“

ساری بات میں اس نے اپنے مطلب کا جملہ

اچکا۔

”اور Safe تو یہاں کوئی جگہ بھی نہیں ہے

اور آپ ہی تو کہتی ہیں موت سے ڈرنا نہیں

چاہیے۔“

”میرے اقوال ذریں تو رہنے دو نی

الحال۔“ خیرالورا چڑ کر بولی، پھر آنکھوں میں نرم

سانا اثر ابھر آیا۔

”دیکھو زین میرا کون ہے اللہ اور اس کے

حبیب کے بعد تمہارے سوا۔“



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



”میرا بھی کوئی نہیں ہے آپ کے سوا۔“ شاہ زین نے فوراً بات کاٹی۔

”پوری بات کبھی تو سن لیا کرو گدھے۔“ دائیں ہاتھ کا پنج بنا کر اس کے کندھے پر مارا۔

”اچھا۔۔۔ اچھا می لارڈ سنائیے، ہم ہمہ تن گوش ہیں۔“ وہ ڈرنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے باادب ہو کر بیٹھ گیا۔

”بس میں نے کہہ دیا ہے گھر سے سیدھا اکیڈمی اور اکیڈمی سے سیدھا گھر واپس آؤ گے تم، کہیں بھی ادھر ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔“

”ٹھیک ہے اپنا نہیں جانا کہیں لیکن ایک بات تو طے ہے یوتھ ونگ کی کوئی میٹنگ ہو، ایمر جنسی کال ہو، کسی جلسے میں شرکت ہو یا کسی بھی شخصیت کا انٹرویو ہو، میں ہر جگہ آپ کے ساتھ جاؤں گا، جیسی فکر آپ کو میری ہے اس سے گنی فکر مجھے آپ کی Safety کی رہتی ہے۔“ شاہ زین نے اب کے بار سنجیدگی سے کہا اور ہاتھ تھام کر اسے اپنے برابر صوفے پر بٹھالیا۔

”اور آپ کی عادت سے میں واقف ہوں، نام کروڑ بن کر ہر ناممکن کو ممکن بنانے چل پڑتی ہیں۔“

”ناممکن کچھ نہیں ہوتا۔“ خیرالورا نے شاہ زین کی بات کاٹی۔

”اپنے اقوال ذریعے آپ رہنے دیں فی الحال۔“ اس نے خیرالورا کی بات اسی کو لوٹائی۔

”اور سیف اللہ غازی سے دوبارہ ملنے کی یا بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جن کا کام ہے وہی جانیں، وہ ایک سیاسی خاندان سے تعلق رکھتا ہے، اس سے ایسی امید رکھنا ہی عبث ہے، بڑے لوگوں کے بڑے کام، آپ کو انٹرفیئر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ بڑا مدبر بنا وہ اسے سمجھا رہا

تھا۔

”پاکستان کا مستقبل تو ہم ہیں اور پاکستان ہمارا اثاثہ ہے اپنے اثاثے کی حفاظت اور اس کو بڑھانے کی فکر تو ہر کسی کو ہونی ہے، آپ دیکھئے گا ہم پاکستان کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں۔“ عزم اس کی آنکھوں سے جھلک رہا تھا۔

”ہاں انشاء اللہ“ فتح مکہ تو اب ہو کر رہے گا۔“ خیرالورا کے جواب پر وہ ایک لمحے کو حیران ہوا اور پھر سمجھ کر مسکرا دیا۔

”ہاں انشاء اللہ۔“ اس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں چلتا ہوں اور ملتے ہیں دو گھنٹے بعد مائی ڈیئر مانو بلی۔“ ہاتھ مار کر اس کے بال بگاڑے اور بھاگ کر لاؤنج سے باہر نکل گیا۔

”زین کے بچے۔“ تیزی سے کھڑے ہوئے وہ چیخا۔

”ابھی آپ کے بھائی کے بچے کہاں سے آ گئے۔“ دروازے سے سر نکال کر اس نے کہا اور یہ جاوہ جا، ہنستے ہوئے وہ دوبارہ وہیں بیٹھ گئی اور سر صوفے کی پشت سے نکا دیا۔

”مما، بابا آج آپ ہوتے تو اپنی اولاد کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتے۔“ تصور میں اس نے اپنے والدین کو مخاطب کیا جو چار سال پہلے ایک ٹریفک حادثے میں وفات پا گئے تھے، تب سے وہ اپنے گیارہ سالہ بھائی کے لئے ماں اور باپ دونوں بن گئی تھی حالانکہ تب وہ عمر کے اس دور میں تھی جہاں خود قدم قدم پر رہنمائی اور تربیت کی ضرورت تھی۔

☆☆☆

اس نے حق بات کو لوگوں سے چھپا رکھا ہے  
اک تماشا سر بازار لگا رکھا ہے  
وہ یہ کہتا ہے انصاف ملے گا سب کو



جس نے منصف کو بھی سولی پہ چڑھا رکھا ہے  
اس نے چوروں سے سرعام شراکت کی ہے  
اس نے قاتل کو بھی مسند پہ بٹھا رکھا ہے  
اے خدا تجھے لوگ دیکھتے ہیں اور تو نے  
اک فرعون کی مہلت کو بڑھا رکھا ہے؟

خیرالورا کا تعلق شعبہ صحافت سے تھا، وہ  
مختلف سیاسی شخصیات کے انٹرویوز لیتی رہتی تھی،  
اس کے تیکھے اور غیر متوقع سوال اکثر مقابل کو  
پریشان کر دیتے تھے، اندر کی بات اگلوانے میں  
اسے ملکہ حاصل تھا، باقاعدہ طور پر جرنلسٹ بنے  
اسے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا، اس کی شخصیت کا  
وقار اور تمکنت اسے حلقہ احباب میں تیزی سے  
مقبول بنا رہے تھے۔

سیف اللہ غازی تیزی سے چینل سرچنگ  
میں مصروف تھا، شام چار بجے ایک چینل پر اس  
کے بابا وقار احمد غازی کا انٹرویو آنے والا تھا،  
مطلوبہ چینل پر ہاتھ روکتے ہوئے وہ چونکا، سفید  
پاؤں کو چھوٹا مگاؤن پہنے، کسی ملکہ کی شان سے  
براجمان وہ یقیناً خیرالورا ہی تھی، وہ کیا سوال کر  
رہی تھی اور وقار احمد غازی کیا جواب دے رہے  
تھے وہ کچھ نہیں سن رہا تھا، بغیر پلکیں جھپکائے یک  
ملک وہ اسے دیکھ رہا تھا، اپنے گھر پر وہ اس سے  
مل چکا تھا، تب اس کے انداز نے اسے چونکایا تھا  
اور اب وہ اس کی ذات کے سحر میں گرفتار ہو رہا  
تھا، وہ بھی مکمل بے خبری میں۔

پروگرام میں وقفہ آیا تو وہ جیسے چونکا پھر  
ماتھے پر ہاتھ مار کر ہنسا۔

”اومائی گاڈ بابا کی بات تو میں نے سنی  
نہیں۔“ وقفہ ختم ہوا تو وہ الرٹ ہو کے بیٹھ گیا۔

”آپ نے جوائنٹوں کی تفصیلات ایکشن  
کمیشن کو دی ہیں سنا ہے وہ فیکٹس اینڈ فلرز کے  
برعکس ہیں۔“

”نہیں جی وہ بالکل درست ہیں، دشمن کو تو  
ہوائی اڑانے کی عادت ہے بی بی۔“ وقار احمد  
غازی نے لا پرواہی سے ناک پر سے مکھی اڑائی۔  
”مگر یہ رپورٹس تو کچھ اور کہہ رہی ہیں۔“  
پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ اس نے کچھ کاغذات  
ان کے آگے کیے۔

”کس ایجنسی نے فراہم کی ہیں آپ کو یہ  
رپورٹس۔“ وقار احمد غازی نے دھمکی آمیز سنجیدگی  
سے اسے گھورا۔

”کسی ایجنسی نے نہیں، ویسے ایک صحافی  
سے آپ کو یہ سوال نہیں کرنا چاہیے۔“ خیرالورا  
کے چہرے پر سنجیدگی تھی لیکن آنکھوں میں شرارت  
کا تاثر تھا۔

”درحقیقت اس کی آنکھوں کا رنگ کون سا  
ہے۔“ سیف اللہ نے خود کلامی کی، کبھی سنجیدگی،  
کبھی شرارت، کبھی طنز، اسے لگا ہر تاثر کے ساتھ  
اس کی آنکھیں بھی رنگ بدل رہی ہیں۔

”سینٹی بیٹا آپ کے کچھ دوست آئے  
ہیں۔“ افضل کی آمد پر اس کا ارتکاز ٹوٹا، ایک  
گہری سانس لیتے ہوئے اس نے ٹی وی بند کیا  
اور اٹھ کھڑا ہوا، لیکن ایک بات طے تھی کہ خیرالورا  
کے سحر میں پوری طرح جکڑا جا چکا تھا۔

☆☆☆

پریس کلب کے بیرونی گیٹ سے داخل  
ہوتے ہوئے اس نے اپنا فیس بک اکاؤنٹ  
اوپن کیا۔

”مس خیرالورا کل آپ میرے والد  
صاحب پر الزام لگا رہی تھیں۔“ ان جکس میں آیا  
ہوا سیف اللہ غازی کا میسج اسے برہم کر گیا تھا، وہ  
حیران ہوئی کیسے کیسے لوگ تھے جو اس ملک کے  
لیڈر ہونے کے دعویدار تھے لیکن ذرا سی تنقید، ذرا  
سی سچائی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔



”الزام نہیں وہ سچائی تھی اور یہ بات آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔“

”مسئلہ کیا ہے آپ کا؟“ سیف اللہ کا جواب فوراً آیا تھا۔

”پاکستان سے عشق۔“ خیرالورا کا جواب سیف کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر گیا۔

”پاگل ہیں آپ۔“ نچلا لب ہونٹوں تلے دبائے اس نے فوراً جواب دیا۔

”اگر یہ پاگل پن ہے تو میری دعا ہے کہ ساری قوم پاگل ہو جائے۔“ میسج بھیج کر ساتھ ہی وہ لاگ آف ہو گئی، وہ اس سے مزید بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

☆☆☆

تاریخ ظلم یزید کی یوں پھر سے رقم ہوئی اک کر بلا سا بن گیا گلشن تعلیم کا ”اٹھ جاؤ نہ زین صرف آدھا گھنٹہ رہ گیا تمہارا سکول لگنے میں، ناشتہ بھی کرنا ہے ابھی تو تیار کب ہو گے۔“ وہ کوئی بلا مبالغہ چوتھی مرتبہ اسے اٹھانے آئی تھی۔

”مجھے پتہ ہے آپ ابھی ایک گھنٹہ رہتا ہے۔“ اس نے لحاف ذرا سا چہرے سے ہٹا کر جواب دیا اور پھر اندر۔

”تم سو رہے ہو یا ٹائم دیکھ رہے ہو۔“ وہ اس کے سر پر کھڑے ہو کر چلائی۔

”آپ ہر روز آدھا گھنٹہ آگے ٹائم بتاتی ہیں نا۔“

”اٹھ جاؤ ورنہ اب میں تمہارے اوپر ٹھنڈا پانی ڈال دوں گی۔“ دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”آج سکول جانے کو دل نہیں چاہ رہا آپ۔“

”کوئی بہانہ نہیں چلے گا، چلو جلدی اٹھ جاؤ۔“

”تمہیں ڈراپ کر کے مجھے اسٹوڈیو بھی جانا ہے۔“ ہاتھ سے اس کے بکھرے بال سنوار کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔

”مائی سویٹ یانو ملی۔“ وہ دروازے کو جہاں سے وہ باہر نکلی تھی محبت پاش نظروں سے دیکھتا زیر لب بولا۔

”مجھے ذرا بڑا ہو لینے دیں اپنا جانی، انشاء اللہ آپ کے سارے خواب پورے کروں گا جو مجھ پر قرض ہیں۔“ وہ تصور میں اس سے مخاطب ہوا اور اٹھ گیا۔

”آرمی پبلک سکول پشاور۔“ میں اس کا سکیڈائیر تھا، ماں باپ کی وفات نے انہیں ایک دوسرے کے مزید قریب کر دیا تھا، دونوں ایک دوسرے کا سب کچھ تھے، غم روزگار سے کسی حد تک بچے ہوئے تھے، کیونکہ والدین کچھ پراپرٹی اور بینک بیلنس چھوڑ گئے تھے، خیرالورا جامعہ پشاور میں ایونٹ کلاسز لیتی تھی اور ڈے ٹائم اپنی صحافتی ذمہ داریاں پورا کرتی تھی۔

لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر اس کی اگلیاں تیزی سے چل رہی تھیں جب میسج ٹون بجی، ایک لمحے کو اس کا دھیان ہٹا لیکن پھر وہ اپنا کام مکمل کرنے میں مگن ہو گئی، دس منٹ بعد اس نے فارغ ہو کر موبائل اٹھایا۔

”آرمی پبلک سکول پشاور پر دہشت گردوں کا حملہ، سیکورٹی فورسز نے سکول کو گھیرے میں لے لیا۔“ اس کے اپنے ہی چینل کا نیوز الرٹ تھا، خیرالورا کا دل ڈوب کر ابھرا، تیزی سے اٹھتے ہوئے وہ آفس کا دروازہ کھول کر باہر نکلی۔

”تمہیں پتہ ہے خیرالورا آرمی پبلک سکول پر ایک ہوا ہے، اللہ خیر کرے۔“ دیننگ ایریا میں لگے ٹی وی کے سامنے وہ کھڑی ہوئی تو اس کی



کو لیک سرش اس کے پاس آئی، حملہ اس قدر منظم اور شدید تھا کہ وقفے وقفے سے دھماکوں اور فائرنگ کی آوازیں نی وی پر صاف سنی جاسکتی تھیں۔

”سرش میرا بھائی.....“ کپکپاتے ہونٹوں سے وہ بس اتنا ہی کہہ پائی۔

”اوہ..... تمہارا بھائی یہاں پڑھتا ہے؟“ سرش نے فکر مندی سے کہا، جبکہ خیرالورا کو پتہ بھی نہ چلا آنسو کب اس کے گالوں کو بھگو نے لگے۔

”تم فکر مت کرو خیرالورا کچھ نہیں.....“ سرش کی تسلی ادھوری رہ گئی۔

”مجھے وہاں جانا چاہیے۔“ اس کی بات کاٹ کر وہ بولی اور باہر کی طرف لپکی۔

”تھہرو میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔“ کہتے ہوئے سرش بھی اس کے پیچھے بھاگی۔

وہ گاڑی چلا نہیں رہی تھی اڑا رہی تھی جبکہ آنسو بار بار اسکرین کو دھندلا رہے تھے، آرمی پبلک سکول سے آدھے کلومیٹر کے فاصلے پر انہیں روک لیا گیا، گاڑی انہوں نے ایک سائیڈ پر کھڑی کی اور تیزی سے باہر نکلیں۔

”میڈم آپ لوگ آگے نہ جائیں تو بہتر ہے۔“ آرمی کا ایک نوجوان ان سے مخاطب ہوا۔

”میرا بھائی سکول کے اندر ہے کیوں نہ جاؤں میں۔“ نوجوان کی بات تو جیسے اس نے سنی ہی نہیں، تیز قدم اٹھاتی وہ سکول کی طرف بڑھ گئیں، حملے کی جرسن کر بچوں کے گھر والے بھاگے چلے آ رہے تھے، ہر چہرے پر پریشانی اور بدحواسی تھی، اندر سرچ آپریشن ہو رہا تھا، زار و قطار روتے ہوئے وہ فٹ پاتھ پر بیٹھتی چلی گئی۔

”رود مت خیرالورا! یا ک فوج بھی اندر موجود ہے، انشاء اللہ وہ بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچنے دیں گے۔“

”میرا دل بیٹھ رہا ہے سرش، خیریت نہیں ہے اتنی فائرنگ ہو رہی ہے اندر، کس کو مار رہے ہیں یہ ظالم۔“ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر وہ بری طرح سسک اٹھی، جواب میں سرش کچھ نہ کہہ سکی ماؤں کو بے بسی سے ہاتھ ملتے دیکھ کر اس کا اپنا کلیجہ منہ کو آ رہا تھا، چار گھنٹے کے جان لیوا انتظار کے بعد زخمی بچوں کو رضا کاروں نے ہسپتالوں میں منتقل کرنا شروع کر دیا تھا، جبکہ سکول کے اندر ابھی بھی سرچ آپریشن ہو رہا تھا، ہرزحمی بچے کو اسٹریچر پر منتقل ہوتے دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکتی مگر اس کا شاہ زین اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”ہمیں ہاسٹلز میں چیک کرنا چاہیے ہو سکتا ہے اسے ہسپتال بھیجا جا چکا ہو اور ہمیں نہ پتہ چلا ہو۔“ سرش نے اسے بازو سے تھاما۔

”اچھی امید رکھو ہو سکتا ہے وہ ٹھیک ہو۔“ گاڑی تک آتے آتے سرش نے پھر اسے تسلی دی۔

”میں مر جاؤں گی سرش اسے کچھ ہوا تو، کیسے جیوں گی میں لاوارث ہو کر۔“ خیرالورا کے الفاظ سرش کے جسم میں سنسنی دوڑا رہے تھے وہ زیر لب دعا مانگتی جا رہی تھی۔

دو ہاسپٹلز انہوں نے چیک کر لئے تھے، جہاں انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا، وہاں پر بھی بچوں کی لاشیں ہی لاشیں تھیں، بے بسی سے رونے کے سوا لوگ کیا کر سکتے تھے، مرد ہو یا عورت، بچہ ہو یا بوڑھا، کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو رو نہ رہا ہو، شہید ہونے والے بچوں کے لواحقین تو غم سے نڈھال تھے ہی پورا ملک پوری قوم غم سے



آنسو بہا رہی تھی، 43 سال پہلے 16 دسمبر کو ہی ہمارا ملک دولخت ہوا تھا اور آج پھر اتنے سالوں بعد اسی دن غم اور سوگوار کی چادر نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، قیامت صغریٰ تھی جو برپا ہو گئی تھی، دوپہر سے شام اور شام سے رات ہو گئی تھی شہیدوں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

اب وہ سی ایم ایچ پشاور میں پہنچ گئی تھیں، سروس اس کے ساتھ ساتھ تھی، وہ اسے ایسے چھوڑ کر جا ہی نہیں سکتی تھی، ہر صاحب دل بندہ اس قیامت کی گھڑی کو اپنے دل پر بیتا محسوس کر رہا تھا، وہاں بھی وہ زخمیوں اور شہیدوں کو باری باری دیکھ رہی تھیں، ہر چہرے کو دیکھ کر وہ مایوسی سے سر ہلا رہی تھی، معا ایک ڈیڈ باڈی کے چہرے سے چادر ہٹاتے اس کے ہاتھ تھمے، یقیناً وہ سعد ہی تھا شاہ زین کا بیسٹ فرینڈ۔

”تم تو کبھی چپ نہیں بیٹھتے تھے سعد! اٹھو نا، زین کہاں ہے تم دونوں تو ہمیشہ ایک ساتھ ہوتے تھے۔“ بے تحاشا روتے ہوئے خیرالورا نے اس کی سر دیشانی کو چوما، اس کے گھر والے بھی شاید ابھی نہیں پہنچے تھے، اس کے ساتھ لٹائی ہوئی میت کے چہرے سے اس نے چادر ہٹائی تو زمین و آسمان اس کی نظروں کے سامنے ایک ہو گئے، سعد اور شاہ زین آج بھی ساتھ ساتھ تھے۔

یہ جو میری جان گئی ہے نا اس محبت میں! تیرا صدقہ دیا ہے، تیری نظر اتاری ہے!

☆☆☆

مائیں دروازے کو دیکھتی ہیں مگر اب بچے سیدھے سکول سے جنت کو چلے جاتے ہیں سانحہ پشاور کو گزرے پندرہ دن ہو چکے تھے لیکن پورا ملک ابھی بھی سوگواریت میں ڈوبا ہوا تھا، اس صورتحال میں آرمی چیف نے جس طرح

آگے بڑھ کر قوم کو حوصلہ دیا تھا وہ قابل تحسین تھا، قوم کے زخموں پر ہر بار مرہم رکھنے والی فوج نے ہی ان حالات میں بھی سب کو دلاسا دیا تھا، قوم ایک بار پھر دہشت گردی کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی تھی، لیکن سانحہ بھلایا جانے والا نہیں تھا۔

وطن کی مٹی سلام تجھ پر

تمام ہر احترام تجھ پر

یہ کہکشا میں یہ مہر و انجم

نثار ماہ تمام تجھ پر

کہ صبح جس کی نہ ہو درخشاں

کبھی نہ آئے وہ شام تجھ پر

کبھی جو دشمن نے آزمایا

فدا یہ ہو گئے غلام تجھ پر

پڑی ضرورت تو واردیں گے

یہ شان و شوکت یہ نام تجھ پر

شاہ زین کے رجسٹر پر لکھی یہ نظم خیرالورا،

جانے کتنی بار پڑھ چکی تھی، ابھی بھی وہی رجسٹر

ہاتھ میں لئے لاؤنج میں ہی صوفے پر بیٹھی تھی۔

”خیرالورا پلیز اپنا کچھ تو خیال کرو، کب

تک ایسے رہو گی۔“ اس کی دوست خضریٰ ایک

بار پھر اس کی منت کر رہی تھی، وہ اس دن کے بعد

گھر سے باہر نکلی ہی نہ تھی، آنسو بھی جیسے ختم ہو

گئے تھے، جان سے پیارے بھائی کی جدائی نے

جیسے اس کی جان ہی نچوڑ لی تھی، دوستیں ہی تھیں

جو باری باری آئیں اور اسے تسلی دینے کی کوشش

کرتیں، شروع کے کچھ دن تو خضریٰ رات کو بھی

اس کے پاس ٹھہرتی رہی تھی، پھر خیرالورا نے

اسے خود ہی منع کر دیا تھا جانتی تھی کہ ایک نہ ایک

دن تو اکیلا ہی رہنا ہے تو کیوں اسے آزمائش میں

ڈالے۔

”آپ ہی تو کہتی ہیں موت سے نہیں ڈرنا

چاہیے۔“



”میرا بھی کوئی نہیں ہے آپ کے سوا۔“  
 ”جیسی فکر آپ کو میری ہے اس سے دگنی فکر مجھے آپ کی رہتی ہے۔“  
 ”آپ دیکھیے گا ہم پاکستان کو کہاں سے کہاں لے جائیں گے۔“

”آج سکول جانے کو دل نہیں چاہ رہا آپ۔“ یادیں تھیں کہ پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں اور نہ ہی عمر بھر چھوڑنے والی تھیں، رجسٹر سینے سے لگائے ابھی بھی کسی غیر مرئی نقطے کو گھور رہی تھی۔  
 ”چلو اٹھو منہ ہاتھ دھو لو شاباش، کھانا بنا رہی ہوں میں، تم نے ڈھنگ سے اس دن کچھ نہیں کھایا۔“ خضریٰ کچن سے پھر برآمد ہوئی، اسی وقت گیٹ پر نکل ہوئی۔

”میں دیکھ کر آتی ہوں۔“ خضریٰ کہتی ہوئی بیرونی گیٹ کی جانب بڑھی۔

وہ لوٹی تو اس کے ساتھ سیف اللہ غازی تھا، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک کر رکا، خیرالورا پر نظر پڑتے ہی اس کا دل جیسے کسی نے منہ می لے لیا تھا۔

”دیکھو خیرالورا کون آیا ہے؟“ خضریٰ نے اسے مخاطب کیا، لیکن وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہی، ان نگاہوں سے سیف اللہ کو بہت تکلیف ہو رہی تھی جن میں زندگی کی رت تک محسوس نہ ہوتی تھی، وہ شاہانہ انداز رکھنے والی لڑکی تو جیسے کسی نے جادو کی چھتری سے بدل دی تھی، آنکھوں کے گرد حلقے، بال کچر میں بندھے ہونے کے باوجود بکھری پڑے تھے، سرخ آنکھیں جیسے کتنے دنوں سے سوئی نہ ہوں، کچھ ہی دنوں میں صحت آدمی رہ گئی تھی۔

”خیرالورا!“ خضریٰ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونکی۔

”آپ! آئیں بیٹھیں۔“ اس نے کہا تو وہ

قدم بڑھاتا اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گیا۔  
 ”خیرالورا! میں روائتی الفاظ نہیں بولوں گا، بس یہ پوچھوں گا کہ آپ کو یقین ہے کہ وہ اللہ کی امانت تھی؟“

”ہاں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔  
 ”وہ شہید ہوا ہے اللہ کے پاس وہ زندہ ہے۔“ اس کی بات پر وہ کچھ نہ بولی۔

”اس ملک پر قربان ہوا ہے وہ، بالآخر وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے، کیا تمہیں اپنے بھائی کی شہادت کا بدلہ نہیں لینا؟“

”اس زمین پر میرے بھائی کا لہو ہے، ایک ایک دشمن کو چن چن کر مارنا ہے۔“ اسے جیسے کسی نے نیند سے جگا دیا تھا۔

”پھر اس کے لئے ہمت اور حوصلہ بھی تو چاہیے نا، آپ اپنا یہ حال بنالیں گی تو باقی ملک کو کیسے بچا پائیں گے ہم۔“

”کہہ تو آپ ٹھیک رہے ہیں، لیکن یہ باتیں آپ کے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔“  
 ”بری بات خیرالورا، گھر آئے مہمان کو ایسے کہتے ہیں؟“ خضریٰ نے فوراً اسے ٹوکا۔

”برابر کے شریک ہیں یہ سب سیاستدان اور حکمران اس میں، انہیں ان لوگوں کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو ان کی کبھی جرأت نہ ہوتا بڑا قدم اٹھانے کی، دشمنوں سے کیا لڑیں ہم؟ اس ملک کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے یہ لوگ خود ہیں۔“ وہ تو جیسے پھٹ پڑی تھی، اتنے دنوں کے غبار کو نکلنے کا داستا مل گیا تھا۔

سیف اللہ نے خضریٰ کو ہاتھ کے اشارے سے چپ رہنے کو کہا۔

”اپنوں کی غداری کا ڈسا یہ ملک دھائیاں دیتا، ہاتھ جوڑتا ہے تم لوگوں کے سامنے، جان چھوڑ دو اس کی، بخش دو اس کو۔“ کہتے ہوئے وہ



ایک بار پھر سسک پڑی تھی، سیف اللہ غازی  
تاسف سے دیکھتا رہ گیا۔

شہر میں بکھرا لہو کہانی ساری کہہ گیا  
دست قاتل کو مگر پہچانتا کوئی نہیں!

☆☆☆

دیکھا ماں!

تم مجھے فوجی بنانا چاہتی تھی  
تم مجھے وطن کی خاطر شہید دیکھنا چاہتی تھی  
لو ماں!

میں شہید ہو گیا!!!

ملک بھر کے سکولوں سمیت بارہ جنوری کو  
آرمی پبلک سکول پشاور دوبارہ کھل رہا تھا، شہید  
بچوں کے والدین بھی وہاں موجود تھے، زخمی بچے  
جو پوری طرح تندرست بھی نہ ہوئے تھے سکول آ  
رہے تھے، یہ عزم و ہمت کی اعلیٰ مثال اور دشمنوں  
کے منہ پر تمانچہ تھا، بزدل دشمن نے اس ملک کے  
معصوم بچوں پر حملہ کیا تھا لیکن بچوں نے بتا دیا تھا  
وہ ایک باہمت اور زندہ قوم سے تعلق رکھتے ہیں  
جسے کبھی شکست نہیں دی جاسکتی، آرمی چیف کی  
آمد نے حوصلوں کو ہمالیہ بنا دیا تھا، اسمبلی میں  
شرکت کرنے کے بعد آرمی چیف بچوں سے  
ملاقات کر رہے تھے، معا ان کی نظر ایک طرف  
افسردہ کھڑی لڑکی پر پڑی، انہوں نے اشارے  
سے اسے اپنے پاس بلا لیا۔

”بیٹا آپ کس کلاس میں پڑھتے ہو؟“ ان  
کے مہربان لہجے پر خیرالورا کے آنسو چھلک پڑے،  
ایک نظر میں وہ گیارویں بارہویں کی طالبہ ہی لگی  
تھی۔

”میرا بھائی پڑھتا تھا یہاں فرسٹ ایئر  
میں۔“ نفی میں سر ہلا کر اس نے وضاحت کی۔

”شہیدوں کے وارث تو بہت بڑا دل  
رکھتے ہیں بیٹا۔“ آرمی چیف نے شفقت سے

اس کا سر تھپتھپایا۔

”دشمن پر ایسی کاری ضرب لگائیں گے کہ  
سراٹھا کے اس ملک کی طرف دیکھنا بھول جائیں  
گے، مگر اس کے لئے ہمیں آپ کا ساتھ چاہیے دو  
گے نا؟“ آرمی چیف سمیت سب لوگ اس کی  
طرف متوجہ تھے۔

”انشاء اللہ۔“ وہ روتے ہوئے مسکرائی،  
وہاں پر سیکورٹی کا بہانہ بنا کر نہ آنے والے

## اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

- ☆ اردو کی آخری کتاب .....
- ☆ خمار گندم .....
- ☆ دنیا گول ہے .....
- ☆ آوارہ گرد کی ڈائری .....
- ☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں .....
- ☆ چلتے ہو تو چین کو چلے .....
- ☆ نگری نگری پھر مسافر .....
- ☆ خط انشائی کے .....
- ☆ بستی کے اک کوپے میں .....
- ☆ پانڈنجر .....

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

مارچ 2015

193

حصہ



حکمران سوچ بھی نہیں سکتے کہ آرمی چیف کی موجودگی اور باتوں نے زخم زخم قوم کا سیروں خون بڑھا دیا تھا، فوج سے قوم کا عشق بے جا نہ تھا۔

میرے بچو! تمہیں نہ بھول پائیں گے یہ وعدہ تھا یہ وعدہ ہے یہ وعدہ رہے گا

انشاء اللہ

☆☆☆

”معروف سیاستدان وقار احمد غازی کے بیٹے سیف اللہ غازی نے ضمنی انتخابات میں نور عالم خان کے حق میں کاغذات نامزدگی واپس لینے کا اعلان کر دیا۔“ ”حضرتی نے ٹی وی آن کیا تو بریکنگ نیوز چل رہی تھی، اس نے فوراً خیرالورا کو کال ملائی۔

”تم نے نیوز سنی سیف اللہ نے.....“

”ہاں مجھے پتہ چل گیا۔“ خیرالورا نے اس کی بات کالی۔

”شاید اس ملک کا کچھ حق ادا کرنے کا خیال آ گیا ہو۔“

”وہی حیرت کی بات ہے اس کا باپ کیسے برداشت کر سکتا ہے۔“ ”حضرتی حیران تھی۔

”اس کے باپ نے برداشت کیا بھی نہیں ہے اسے جائیداد سے عاق کر دیا ہے، اب وہ اپنے بیٹے کی جگہ دوسرا امیدوار لارہے ہیں لیکن وہ اب جیت نہیں سکتا کیونکہ اس کے بیٹے کے اس قدم نے اس کی ساکھ کو خاصا متاثر کیا ہے۔“

خیرالورا کو سب خبر تھی۔ دوسری طرف سیف اللہ غازی سوچ رہا تھا شاید اسی طرح جرم کی کچھ تلافی ہو سکے، کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ کون کون ان دہشت گردوں سے رابطے میں تھے، حتیٰ کہ اس سانحہ کے بعد بھی، پھر ان سیاستدانوں نے ایسے پی سی میں کیسے شرکت کی وہ ایک الگ کہانی تھی، دوسروں کا وہ کچھ نہیں

کر سکتا تھا نہ اس میں اتنی ہمت تھی کہ اپنے باپ کو کٹہرے میں لے آئے لیکن اپنے قدم اس نے پیچھے ہٹائے تھے، اسے بار بار خیرالورا کا وہ کمنٹ یاد آ رہا تھا اور شاید سچ ہی تھا۔

تمہیں خبر تھی دشمن کے سب ٹھکانوں کی شریک جرم نہ ہوتے تو مجھری کرتے

سیف اللہ کا اٹھایا یہ قدم تبدیلی کی راہ کی طرف اٹھا تھا، اس ملک کی بقا کے لئے، جس کے لئے ہمارے بڑوں نے ان تھک محنت کی اور بے شمار قربانیاں دے کر حاصل کیا تھا، اسلام کے نام پر، پھر اس کو دولت کے پیچاری غدار حکمرانوں نے اپنی آنے والی نسلوں کے لئے کرپشن کر

کر کے دولت کے انبار اکٹھے کر کے اس پاک وطن کو کھوکھلا کر دیا، وہ یہ سب یہ کرتے بھول گئے کہ ایک دن یوم حساب کا بھی ہے جس دن نہ ان کے کام دولت آئے گی نہ یہ محلات ان کو پناہ دیں گے اور نہ یہ اولاد آگے بڑھ کر ان کو بچا پائے گی اللہ کے غضب سے۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے میرے ننانوے ناموں میں ایک نام قہار ہے جو روز قیامت ان ناعاقبت اندیشوں کے لئے ہے جو دنیا اکٹھی کرنے میں آخرت کو بھول کر زمین کے خدا بن بیٹھے۔

آرمی پبلک سکول کی معصوم کلیوں جب پاک وطن کی تاریخ نئے سرے سے مرتب کی جائے گی تو اس میں تمہارا ذکر سنہری حروف میں ہوگا، جنہوں نے اپنے لہو کا نذرانہ دے کر اس ملک کو اس کے رہنے والوں کو یہ شعور بخشا کہ وہ پہچان جائیں کہ ان کا دشمن اصل میں ہے کون؟ اسے معصوم شہیدو، ہم تمہیں کبھی بھول نہ پائیں گے کبھی بھی نہیں، تمہیں ہمارے دل ہی نہیں وطن کی بوائیں بھی سلام کہتی ہیں۔

☆☆☆

مارچ 2015

194

حصہ



# محبوب کیا غریبی

قرۃ العین خرم ہاشمی





”واؤ خالہ! آپ کتنی اچھی لگ رہی ہیں۔“  
 حمزہ نے رمشا کی گود میں رکھے لیپ ٹاپ پہ نظر ڈالتے ہوئے، بے ساختہ کہا تھا، رمشا جو تیزی سے انگلیاں چلاتی، اپنا کام کر رہی تھی، حمزہ کی بات سن کر رک گئی اور مسکرا کر اسے دیکھنے لگی، جو دلچسپ نظروں سے سکرین کو دیکھ رہا تھا۔

”اچھی لگ رہی ہوں سے کیا مطلب ہے تمہارا کیا میں ویسے اچھی نہیں ہوں؟“ رمشا نے خفگی سے حمزہ کو گھورا تھا۔

”ویسے دیکھنے میں تو آپ بس ٹھیک ہی ہیں۔“ حمزہ نے غور سے رمشا کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو رمشا نے اس کا کان پکڑ کر زور سے کھینچا تھا۔

”اچھا سوری خالہ! میں تو مذاق کر رہا تھا، اب خالہ بھانجے میں اتنا سا ہنسی مذاق تو چلتا ہے ناں۔“ حمزہ نے اپنا کان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے دہائی دی تھی۔

”اچھا میری خوبصورت خالہ، اگلی بار مس ورلڈ آپ ہی بنے گی، میں دل سے دعا کروں گا پلیز اب تو میرا کان چھوڑ دیں، کیوں میری خوبصورتی میں لمبے کانوں کا اضافہ کر رہی ہیں۔“  
 حمزہ، رمشا کی منتیں کرتا ہوا کہہ رہا تھا، رمشا نے اس کا چہرہ اور کان سرخ ہوتے دیکھ کر چھوڑ دیا تھا اور ہنستے ہوئے بولی تھی۔

”دیکھا میڈیا والوں سے شرارت کرنے کا نتیجہ، ایک منٹ میں راہ راست پر لے آئے ہیں ناں؟“ رمشا نے اپنے صحافی ہونے کا رعب جھاتے ہوئے کہا تھا۔

”توبہ ہے، آپ جیسے صحافیوں کی وجہ سے ہی میڈیا بدنام ہو کر رہ گیا ہے، جو دھونس زبردستی سے سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کرتے ہیں۔“ 9th کلاس کے حمزہ نے ذرا سا پیچھے ہٹتے

ہوئے کہا تھا تا کہ رمشا پھر اس کے کان نہ پکڑ لے۔

”حمزہ کے بچے! آج تمہاری خیر نہیں، بہت تیز ہو گئے ہو تم اور تمہاری اماں جان کہے گی کہ میرے حمزہ سے زیادہ معصوم اور بھولا تو کوئی ہے ہی نہیں۔“ رمشا نے آس پاس کوئی چیز ڈھونڈی اسے مارنے کے لئے۔

”میں اپنی امی کا بچہ ہوں، کسی حمزہ کا نہیں رمشا خالہ۔“ حمزہ نے ہنستے ہوئے کہا تو رمشا نے پاس پڑا کٹن اسے دے مارا۔

”ارے یہ کیا ہو رہا ہے؟ خالہ بھانجے کے مثالی مشہور زمانہ اتفاق میں، نفاق کا جج کس نے بویا ہے۔“ امبر نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تھا، اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے تھی۔

”کچھ نہیں ماما! آپ کی بہن کوچ سننے کی عادت نہیں ہے، نجمانے رپورٹنگ کیسے کر لیتی ہیں۔“ حمزہ نے ماں کو دیکھ کر مزید شیر ہوتے ہوئے کہا تھا۔

”اچھا اب چائے کا وقفہ لے لو اور دونوں لڑنا بند کرو۔“ امبر نے رمشا کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا، رمشا نے حمزہ کو جواب دینے کی بجائے، مختلف چائے کے لوازمات سے انصاف کرنے لگی۔

”واؤ یہ کب کی تصویریں ہیں؟“ امبر کی نظر بھی لیپ ٹاپ کی سکرین پر پڑی تو وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

”امبر آپنی یہ ایک ہفتے پہلے کی تصویریں ہیں، سٹوڈیو میں، جب چینل کی نیسری سالگرہ کا کیک کٹا تھا، یہ دیکھیں۔“

رمشا ایک مشہور چینل میں اینکر کے طور پر کام کرتی تھی، ماس کمیونیکیشن کرنے کے بعد، کچھ



عرصہ ایک رپورٹر کے طور پر بھی کام کیا تھا، آج ایک ٹاک شو کی میزبانی کر رہی تھی اور اس کا شو کافی پسند بھی کیا جاتا تھا، حمزہ بھی قریب آ کر تصویریں دیکھنے لگا تھا، رمشا کی اپنی ٹیم کے ساتھ اور سٹوڈیو کے اندر کی بہت سی تصویریں تھیں، رمشا ساتھ ساتھ اپنی ٹیم اور چینل کے مختلف حصوں کے بارے میں بھی بتا رہی تھی، حمزہ بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

”بہت بڑا اور بہت خوبصورت ہے تم لوگوں کا آفس۔“ امبر آپنی نے ساری تصویریں دیکھنے کے بعد تبصرہ کیا تھا۔

”رمشا خالہ! آپ لوگوں کو اتنی ”خبریں“ کیسے مل جاتی ہیں؟ اور یہ خبر بنتی بھی کیسے ہے؟“ حمزہ نے کچھ سوچتے ہوئے سوال کیا تھا۔

”خبر اپنے آس پاس کے ماحول میں ہونے والے مختلف واقعات، حادثات، سیاسی ہلچل، ملکی و غیر ملکی تبدیلیوں وغیرہ سے ملتی ہے اور کسی بھی خبر کو چینل تک اس کی فیلڈ میں موجود ٹیم پہنچاتی ہے، مگر اس خبر کو عام لوگوں تک پہنچانے میں باقاعدہ ٹیم ورک ہوتا ہے، تراشا جاتا ہے تب ہی کوئی خبر آن ایئر جاتی ہے۔“ رمشا نے گرم گرم چائے کا سیپ لیتے ہوئے حمزہ کو سمجھایا تھا۔

”رمشا خالہ! مجھے بھی لی وی پیہ آنے کا بہت شوق ہے، آپ میری بھی ”خبر“ بنادیں پلیز۔“ حمزہ نے معصومیت سے کہا تھا۔

”اچھا تمہاری ”خبر“ کیسے بن سکتی ہے؟ نہ تو تم کوئی مشہور سیاسی شخصیت ہو، نہ ہی کوئی سیلبرٹی اور نہ ہی تم نے تعلیم کے میدان میں اپنی ذہانت کے جھنڈے گاڑھے ہیں، پھر بھلا تمہاری ”خبر“ کیسے بن سکتی ہے؟“ رمشا نے مسکراتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا، جس کی ذہین اور روشن آنکھوں میں سوچ کی پرچھائیاں واضح

تھیں۔

”خیر خالہ اب آپ مجھے اتنا بھی گیا گزرانہ سمجھیں، کچھ انتظار کریں، میٹرک کے بورڈ میں پہلی پوزیشن میری ہی ہوگی، پھر آپ جیسے چھوٹے موٹے، اینکرز میرا انٹرویو کرنا چاہیں گے، تب میرے پاس ٹائم نہیں ہوگا۔“ حمزہ نے فرضی کالر جھاڑے تھے، امبر آپنی نے ہنستے ہوئے ”انشاء اللہ“ کہا تھا۔

”آئی اپنے شہزادے کے انداز تو ملاحظہ فرمائیے ابھی سے زبان کی تیزی اور شان بے نیازی دیکھیں، آگے کیا ہوگا، اللہ ہی مالک ہے۔“ رمشا نے بہن کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔

”اچھا چھوڑو یہ سب باتیں، حمزہ کے اسکول میں کچھ دنوں تک سر دیوں کی چھٹیاں ہونے والی ہیں، پھر ہم سب تمہارے ساتھ ہی لاہور چلیں گے، کل ٹائم نکالو تو ایک چکر بازار کا لگا لیں، امی ابو کے لئے کچھ کفش لے لوں گی میں، تم بھی اپنی مرضی اور پسند سے لے لینا جو بھی لینا چاہو، گفٹ دو تو تمہیں پسند ہی کب آتا ہے، سو سو خرے کرتی ہو۔“ امبر نے منہ بناتے ہوئے کہا تھا، تو رمشا ہنستے ہوئے اس کے گلے لگ گئی تھی۔

”ارے نہیں آپنی آپ کی پسند بہت ہی اچھی ہے بس.....“

”میرا دماغ ہی تھوڑا کھسکا ہوا ہے۔“ حمزہ نے اچک کر اس کی بات کاٹی تھی اور کمرے سے باہر بھاگ گیا تھا، کیونکہ رمشا کے تیور جارحانہ ہو چکے تھے، اس کو بھاگتے دیکھ کر امبر بے ساختہ ہنسنے لگی تھی۔

☆☆☆

امبر اور رمشا دو ہی بہنیں تھیں اور دونوں میں عمروں کا کافی فرق تھا، امبر کی شادی، بی اے کے دوران ہی، اس کے چچا زاد کیپٹن عقان سے



ہو گئی تھی، مختلف شہروں میں گھومتے پھرتے، ان کی زندگی بہت خوشگوار گزر رہی تھی، ان کے تین بچے تھے، حمزہ سب سے بڑا اور اس سے پانچ سال چھوٹی دو جڑواں بہنیں فروا اور پروا تھیں۔

دونوں بہت شرارتی اور نٹ کھٹ تھیں حمزہ کی جان بھی دونوں میں اور وہ دونوں بھی ہر وقت ”بھائی بھائی“ کہتی اس کے پیچھے ہوتی تھیں۔

ان دنوں کیپٹن عفان کی پوسٹنگ پشاور میں تھی، رمشا ان دنوں فراغت پاتے ہی لاہور سے اپنی بہن کے گھر پشاور پہنچ گئی تھی، کیونکہ بچوں کی خالہ میں اور خالہ کی بچوں میں جان تھی، خاص کر حمزہ جو پہلا اور کافی سال اکلوتا رہا تھا، کچھ بھائی کی کمی بھی، ہمیشہ حمزہ کے وجود سے دور ہوئی تھی۔

رمشا بچوں کے ساتھ بچی بنی سارا دن ہنسی مذاق اور کھیل کود میں گزار دیتی تھی، عفان اور امیر بھی ان سب کو ہنسی مذاق اور خوش دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے، زمین پر بسا یہ چھوٹا سا گھر خوش سکون اور محبت کے احساس کے ساتھ جنت لگتا تھا۔

☆☆☆

آج تینوں بچوں کو سکول روانہ کر کے ان کا ارادہ شاپنگ پہ جانے کا تھا، فروا اور پروا نے سکول جانے سے انکار کر دیا تھا اور ماما اور خالہ کے ساتھ شاپنگ پہ جانے کی ضد کرنے لگی تھیں۔

”میں بھی نہیں جاؤں گا، آج ہم تینوں چھٹی کر لیتے ہیں۔“ ناشتے کی میز پہ حمزہ نے اعلان کرتے ہوئے کہا تھا۔

”جی نہیں تم سکول جا رہے ہو، وہ دونوں تو بچیاں ہیں تم سمجھدار ہو اور دیے بھی پڑھو گے تو ہی بورڈ میں ٹاپ کرو گے ناں، بھی تمہاری ”خبر“ آئے گی ناں ٹی وی پر۔“ رمشا نے مزے سے سلائس پہ جیم لگاتے ہوئے کہا تو حمزہ اسے گھور کر

رہ گیا۔

”یار خالہ! کبھی تو دشمنی چھوڑ دیا کرو، ان جڑیلوں کی خاطر اپنے شہزادے بھانجے کے پیچھے پڑ گئی ہو، بھول گئیں۔“

کبھی ہم میں تم میں بھی پیار تھا حمزہ نے فروا اور پروا کے خوشی سے تھمتاتے چہرے دیکھ کر کہا تھا تو دونوں اسے منہ چڑا کر رہ گئیں، اسی وقت حمزہ کی دین کا ہارن بجا تو وہ امید بھری نظروں سے رمشا کی طرف دیکھتا، بیگ اٹھا کر باہر جانے لگا، رمشا مزے سے ناشتہ کرتی، خود کو مگن ظاہر کرنے لگی، اسی وقت دروازے کے پاس پہنچ کر حمزہ نے مڑ کر ڈائننگ ٹیبل کی طرف دیکھا تھا، رمشا کی نظریں بھی اس کی نظروں سے ملیں تھیں۔

”خالہ! ابھی بھی وقت ہے روک لو۔“ حمزہ نے آخری کوشش کے طور پر کہا تھا، رمشا کے دل کو کچھ ہوا اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، اندر سے فوج کی یونیفارم میں تیار عفان آ گیا۔

”حمزہ تم گئے نہیں ابھی تک؟“ عفان نے ناشتے کی میز کی طرف جاتے رک کر پوچھا تھا۔

”پاپا! بس جا رہا ہوں۔“ حمزہ نے ناامیدی سے سر جھکا کر باہر کی طرف قدم اٹھا دیئے تھے۔

”ایک منٹ حمزہ!“ امیر جلدی سے کچن سے نکلی اور حمزہ کے پاس پہنچ کر اس کا ماتھا چوما اور منہ میں مختلف دعا میں پڑھ کر اس پر پھونک ماری، امیر کی یہ عادت ہمیشہ سے رہی تھی، بچوں کو ماتھا چوم کر اور آیت الکرسی دم کر کے روانہ کرتی تھی۔

”ماں بیٹے کا جذباتی سین اگر ختم ہو گیا ہو تو کوئی ہمیں بھی ناشتے کا پوچھ لے۔“ کیپٹن عفان نے مسکراتے ہوئے آواز لگائی تھی، تو امیر ”ابھی آئی“ کہتی کچن کی طرف مڑ گئی، ایک بھرپور،



روشن صبح کا آغاز، اس ہنستے مسکراتے گھر سے ہوا  
تھا اور ایک خونی، بربر بیت اور ظلم میں ڈوبا دن گھر  
سے باہر طلوع ہو رہا تھا۔

☆☆☆

رمشا نے عمارت کی کھنڈر دیواروں پر ہاتھ  
رکھا اس کے ہاتھوں کی لرزش بہت واضح تھی، اس  
کے قدم چل نہیں رہے تھے، وہ گھسیٹ رہی تھی،  
صرف وہی نہیں، دوسرے بہت سے چیلو کے  
صحافی، کیرہ مین، سب کی حالت ایسی ہی تھی،  
عورت کیا اور مرد کیا سب رو رہے تھے، کسی کے  
منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے، وہ جو لفظوں  
کے کھلاڑی تھے، لفظوں کے ہیر پھیر سے واقف  
تھے، یہ لوگ ہی کیا، ہماری قوم، پوری دنیا اس  
سانچے پر کچھ بولنے سے قاصر تھی، اگر کچھ تھا تو  
صرف آنسو۔

درد، اذیت، تکلیف میں ڈوبے ہوئے  
سانسوں۔

کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں ناں کہ جن کے  
اظہار کے لئے لفظ نہیں بنے ہوتے، ان کا اظہار  
صرف آنسوؤں سے ہوتا ہے۔

اور آج ہر آنکھ سے بہنے والا آنسو ہر  
مذہب، رنگ نسل کے فرق کو مٹا کر انسانیت کے  
لئے بہہ رہا تھا، ان معصوم پھولوں کے لئے جنہیں  
کھلنے سے پہلے ہی مسل دیا گیا تھا۔

ہمارے کھلنے اور جھڑنے کے دن اک ساتھ آئے ہیں  
ہمیں دیمک نے چاٹا ہے شجرکاری کے موسم میں  
رمشا لڑکھڑاتے قدموں سے اس بڑے  
سے ہال میں داخل ہوئی، جہاں معصوم طالب  
علموں کا خون ابھی بھی موجود تھا اور ان کے خون  
سے اٹھتی خوشبو بہت مختلف تھی، اس لئے کہ یہ

شہیدوں کا لہو تھا۔  
رمشا نے غور سے دیکھنا چاہا، اس کے حمزہ کا

خون کون سا تھا، مگر خون کا رنگ تو ایک ہی ہوتا  
ہے ناں، نہ بہانے والوں نے بہاتے ہوئے  
فرق کیا تھا اور نہ بہنے والے خون نے، اپنے  
ساتھیوں کے خون سے ملنے میں فرق کیا تھا۔  
”خالہ میری خبر بھی بنا دیں نا، مجھے بہت

## اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

### ابن انشاء

- ☆ اور دو کی آخری کتاب .....
- ☆ غمار گندم .....
- ☆ دنیا گول ہے .....
- ☆ آوارہ گرد کی ڈائری .....
- ☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں .....
- ☆ چلتے ہو تو چین کو چلیئے .....
- ☆ مگرمیری پھر اسافر .....
- ☆ خط انشاء جی کے .....
- ☆ اس بستی کے اک کوپے میں .....
- ☆ چاندگر .....
- ☆ دل وحشی .....
- ☆ آپ سے کیا پروا .....

### ڈاکٹر مولوی عبد الحق

- ☆ قواعد اردو .....
- ☆ انتخاب کلام ہند .....

### ڈاکٹر سید عبداللہ

- ☆ طبع نثر .....
- ☆ طبع غزل .....
- ☆ طبع اقبال .....

## لاہور اکیڈمی

چوک اور دو بازار لاہور

فون: 042-37321690, 3710797

مارچ 2015

199

حصہ



شوق ہے فی وی پر آنے کا۔“

”حزہ!“ پہلی بار ماں بننے کا احساس اور  
لس اسی نے عطا کیا تھا۔

کچھ دیر تک خالی خالی نظموں نے فردا اور  
پردا کے روتے ہوئے چہرے دیکھتی رہی پھر چیخ  
مار کر انہیں خود سے لپٹا کر بے اختیار روئی تھی۔

”حزہ!“

ہر سسکی میں ایک ہی نام اور صدا تھی۔

☆☆☆

بچوں کی شہادت کے بعد سکول بند کر دیئے  
گئے تھے جو تقریباً ایک ماہ کے بعد کھلے تھے، آج  
سکول کا پہلا دن تھا، سارے بچے ہمت اور  
جرات کے ساتھ، اپنے پچھڑے دوستوں کو خراج  
تحسین پیش کرنے کے لئے موجود تھے، بہت  
سے بچوں کے والدین آرمی آفیسرز بھی بچوں کے  
حوصلے کو بڑھانے کے لئے موجود تھے، خود فوج  
کے سپہ سالار اور ان کی بیگم بچوں کے استقبال  
کے لئے گیٹ پر موجود تھے۔

رمشا نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ، ننھے،  
معصوم جرات مند بچوں کی طرف دیکھا تھا، امیر  
اور کیپٹن عفان بھی نرم آنکھیں لئے، اپنے روشن  
اور تابناک مستقبل کو دیکھ رہے تھے۔

جس قوم کے ننھے معمار اتنے بہادر اور  
جرات مند ہوں، اس قوم کو کوئی بھی صفحہ ہستی سے  
کیسے مٹا سکتا ہے۔

اس کا اندازہ وقت کے فرعونوں کو بھی اچھی  
طرح سے ہو گیا ہوگا۔

سب کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے ہوئے  
تھے اور ہر دل سے آمین کی صدا بلند ہو رہی تھی۔

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری  
زندگی چمٹنے کی صورت ہو خدایا میری

☆☆☆

بڑے سے ہال میں حمزہ کا سایہ لہرایا تھا۔

”خالہ ابھی بھی وقت ہے مجھے روک لو۔“

حمزہ کے امید میں ڈوبے آخری الفاظ، مگر رمشا  
کیسے چاہتے ہوئے بھی اسے روک سکتی تھی جبکہ  
اس کی شہادت لکھی جا چکی تھی، حمزہ نے رمشا سے  
خواہش کی تھی کہ فی وی پر آنے کی، مگر اسے کیا خبر  
تھی کہ وہ کچھ دن بعد ہر فی وی چیل پر اپنے  
ساتھیوں کے ساتھ خبر بن کر بار بار آئے گا۔

مجھے کیا خبر تھی!

کہ ایک دن

پھولوں کی راہ گزر رہے چلتے

علم کی مشعل، ہاتھ میں لئے

اندھیروں میں کھوجاؤں گا

میں.....

”خبر“ بن جاؤں گا.....!!

☆☆☆

”مما! پلیز ہوش میں آئیں، مما دیکھیں  
بھائی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں، مما پلیز، انھیں  
ٹالیں۔“ حمزہ کی تدفین کے وقت امیر بے ہوش ہو  
گئی تھی، امیر کو بار بار بے ہوشی کے دورے پڑ  
رہے تھے، سکول پر حملے اور بچوں کی اموات اور  
حمزہ کی خون میں لت پت لاش کو دیکھ کر وہ ہوش و  
خرد سے بیگانہ ہو گئی تھی، کیپٹن عفان کی آنکھیں  
بھی شدت گریہ سے سرخ تھیں۔

سب کا برا حال تھا، فردا اور پردا بار بار بھائی  
کو پکارتی تھیں، رمشا کے سمجھانے پر کہ بھائی اب  
بھی واپس نہیں آئے گے، اب وہ ماں کو بھنھوڑ  
رہی تھیں۔

امیر نے اپنے چہرے پر ننھے ہاتھوں کا لس  
محسوس کیا تو بے اختیار آنکھیں کھول کر پکاریں  
تھیں۔



ادبی ساقی و قالی

سمیرا عثمان گل





سینی پہ کوئی مدھری دھن بجاتا وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہال بنا رہا تھا آج اس کی کشف کے ساتھ پہلی ڈیٹ تھی کم سن، بھولی بالی نو عمر کشف کا کوئل چہرہ اور نازک سراپا بار بار نظروں کے سامنے گھومتا جذبوں میں کچل چا رہا تھا اس سے قبل اس نے محض ایک کی تصویر ہی دیکھ رکھی تھی۔  
اشعر اور احمت برابر اسے تیاری میں مدد دے رہے تھے۔

”اس شرٹ کے ساتھ یہ والی ٹائی لگاؤ۔“  
احمت نے اپنی نئی نکلور ڈائس والی ٹائی اس کی میردن شرٹ کے اوپر خود آگے بڑھ کر لگائی تھی۔  
”اور تھوڑی خوشبو بھی لگا لو امپریشن اچھا پڑتا ہے۔“ اشعر نے رائل میرج کی وہ بوتل جو وہ ڈرینگ کے دراز میں ہمیشہ لاکڈ کر کے رکھتا تھا آج کس قدر فیاضی سے اس پہ لگائی تھی وہ سمجھ رہا تھا کہ کیوں دونوں اس پہ اس قدر مہربان ہو رہے تھے، پچھلے سال ان سخاوتوں کا مظاہرہ عمر کے ساتھ کیا گیا تھا کیونکہ تب وہ پہلا لڑکا تھا جس کے توسط سے انہیں گرل فرینڈز نصیب ہوئی تھی اور اس بار یہ کارنامہ وہ سرانجام دینے والا تھا۔

”خالی خوشبو اور ٹائی سے کام نہیں چلے گا ذرا اپنے وہ لیڈر کے شوز تو نکالو اور تمہاری یہ راڈو کی نئی گھڑی بھی کانی چمک رہی ہے۔“ وہ بھی خوب فائدہ اٹھا رہا تھا دونوں نے من ہی من اسے صلواتوں سے نوازتے ہوئے دونوں چیزیں عنایت کر دی تھیں یک سبک سے تیار وہ اپنا آخری جائزہ لیتے ہوئے کلائی میں گھڑی باندھ رہا تھا جب اس کا سیل فون بج اٹھا۔

”شٹ۔“ نمبر دیکھ کر وہ خاصا بد مزہ ہوا تھا، مگر اسے بات تو کرنی ہی تھی۔

”میں اسے سب بتانے والا ہوں۔“ اس نے احمت اور اشعر کو دیکھتے ہوئے وارننگ دی تو

اشعر نے اس کے ہاتھ سے فون جھپٹ لیا۔  
”پاگل ہو گیا؟“ اسے گھورتے ہوئے اس نے خود کال ریسیو کی تھی۔  
”ہیلو ہانیہ میں اشعر۔“

”اشعر ایک بار میری عمر سے بات کروادو پلیز۔“ وہ جیسے بڑی منت سے بولی تھی۔

”وہ آج کل ملک سے باہر گیا ہوا ہے اور یہ تو ہم تمہیں پہلے ہی بتا چکے ہیں ہانیہ کہ وہ تمہارے ساتھ فیئر نہیں تھا تمہارا پیغام دیا تھا میں نے اسے، لیکن وہ تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا تو بتاؤ اب ہم کیا کریں۔“

”کب آئے گا واپس کیا تم مجھے ایک بار اس سے ملوا سکتے ہو۔“ اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے وہ دونوں خاموشی سے بنا پلکیں جھپکے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

”ہاں جب وہ آئے گا تو میں تمہیں بتا دوں گا تم ہمارے اپیارٹمنٹ آ کر اس سے مل لینا۔“  
رابطہ منقطع ہو چکا تھا اور اشعر کی آنکھوں میں جیسے رخ اور سرشاری کی چمک اٹھ آئی تھی۔

”اب آئے گا مزہ۔“  
”اشعر یہ غلط ہے تم اسے اپارٹمنٹ کیوں بلوا رہے ہو۔“ حاذب نے موبائل واپس لیتے ہوئے گھورا تو وہ شانے اچکا کر بے نیازی سے بولا۔

”اپنی انسلٹ کا بدلہ لینے کے لئے۔“ اس سے قبل کہ وہ مزید کوئی اعتراض کرتا۔

”اوہ ہو تم تو جاؤ وہ آچکی ہوگی۔“ احمت نے اسے پکڑ کر باہر کا راستہ دکھایا تھا اور پیچھے وہ دونوں سر جوڑ کر کوئی پلاننگ کرنے لگے تھے۔

☆☆☆

راستہ بھر اس کا ذہن ہانیہ میں الجھا رہا تھا یہ ایک سال پہلے کی بات تھی ان کے بی ایس آنرز کا



آخری سمیستر چل رہا تھا عمر کا کزن ہمایوں عائشہ کا فیا سی تھا، عائشہ سیکنڈری سکول میں ایف اے پارٹ ٹو کی اسٹوڈنٹ تھی وہ جب بھی ہمایوں سے ملنے آتی اس کے ساتھ ہانیہ ضرور آتی تھی ایک روز اشعر ہمایوں کے ساتھ گیا تو اس کی ملاقات ہانیہ سے ہو گئی اسے ہانیہ اچھی لگی تھی دونوں کے مابین ہلکی پھلکی گفتگو بھی ہونے لگی تھی لیکن اگلی ملاقات میں ہمایوں کے ساتھ عمر کو دیکھ کر ہانیہ کا دل اس کی جانب مائل ہو گیا تھا کچھ اس کی پر سنائی اتنی ڈشنگ اور چارمنگ تھی اور پھر وہ خاصا دل پھینک اور فلرٹی قسم کا لڑکا تھا اشعر نے بہت کوشش کی کہ ہانیہ عمر کو چھوڑ کر اس کی دوستی ایکسپٹ کر لے لیکن عمر کو پانے کے بعد، تو جیسے ہانیہ نے ہر سمت سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

عائشہ کالج کی مختلف دوستوں کو اپنے ساتھ لاتی رہتی تھی عمر بھی احمیت، حاذب اور اشعر کو ساتھ لے کر جاتا تھا ہانیہ کی دوست کرن سے احمد کی اور حرا سے خاذب کی سیننگ ہو چکی تھی بعد میں عائشہ نے مہک کو اشعر سے متعارف کروایا تھا اشعر نے دل کھول کر اس سے فلرٹ کیا تھا لیکن فطری رقابت سی اسے عمر سے محسوس ہوتی تھی کہ ہانیہ نے اسے چھوڑ کر عمر کو چنا تھا سب لڑکیوں میں ہانیہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی کچھ عمر اس پہ بھی اتراتا تھا عائشہ کے ابا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا پھر جنسی میں ایگزیم سے قبل ہی ان دونوں کی شادی ہو گئی تھی عمر بھی ایک ماہ بعد انگلینڈ چلا گیا تھا لیکن ان کی ملاقاتیں ایگزیم سے پہلے تک کرن، حرا اور مہک سے جاری رہی تھیں۔

اس کے بعد فون پہ رابطہ بحال رہا اور پھر کسی کی منگنی تو کسی کی شادی ہو گئی وہ تینوں بھی سارے قصبے پہ مٹی ڈال کر اسٹڈی میں مصروف ہو گئے لیکن ہانیہ عمر کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی

سنجیدہ ہو چکی تھی اور اب جبکہ عمر نے اس سے سارے روابط ختم کر لئے تھے تو وہ انہیں فون کر کے ملتیں کرتی تھی کہ ایک بار اس کی عمر سے بات کروادی جائے۔

اشعر اس موقع کا فائدہ اٹھا کر اب جانے کیا کرنے والا تھا۔

☆☆☆

پارک کے تنہا گوشے میں سینگی بیچ پر بیٹھی کشف اس کا انتظار کر رہی تھی مگر وہ اکیلی نہیں تھی اس کے ساتھ اس کی دوست ماہین بھی تھی کشف سے اس کی دوستی انٹرنیٹ پہ ہوئی تھی اور آج پہلی بار وہ اسے اپنے روبرو دیکھ رہا تھا، کالج یونیفارم میں ملبوس وہ کچھ گھبرائی ہوئی جھپسی سی کھڑی تھی۔ ”کیسی ہو؟“ باکٹ میں دونوں ہاتھ ڈالے وہ ان کے سامنے کھڑا تھا۔

”بہت بے چین اور آپ کے انتظار میں ایک ایک پل گن کر گزارا ہے اس نے، صبح ناشتہ بھی نہیں کیا کالج میں بھی سارا دن آپ کا ورد کرتی رہی آپ کے بیچ دن میں سہ بار پڑھتی ہے بالکل پاگل بنا رکھا ہے آپ نے اسے، اب خود ہی پوچھیں۔“ اس کی گھوریوں، چٹکیوں اور بار بار نفی میں ہلتی گردن کو نظر انداز کیے ماہین جو بولنا شروع ہوئی تھی تو کشف سے خاموش کروانا مشکل ہو گیا تھا۔

حاذب نے دلچسپی سے اس کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا جو سارے جذبے عیاں ہونے کے باعث اب کافی پشیمانی میں کھڑی تھی۔

”کیا اتنا خوش قسمت ہوں میں کہ کشف ہدائی مجھے چاہتی ہے۔“ وہ اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا ماہین اس دوران کچھ فاصلے پہ جا کھڑی ہوئی تھی۔



اور پھر دونوں ہنستے ہنستے صوفے سے نیچے لڑھک گئے تھے خاذب نے دونوں کو پکڑ کر پیٹ ڈالا۔  
 ”اس سے شادی کر لوں جو کالج کے بہانے لڑکوں سے ڈیٹ پر ملنے جاتی ہے۔“ وہ اچھا خاصا جھلایا ہوا تھا کل جب وہ گاؤں پہنچا تو ابا نے اسے نئی خبر سنا دی تھی وہ اپنے کسی دوست کی بیٹی سے اس کا رشتہ طے کر چکے تھے اماں نے بڑے ارمانوں سے اسے لڑکی کی تصویر دکھائی تھی اور لڑکی کے روپ میں حرا کو دیکھ کر اس کی نظروں میں جیسے زمانہ مکاں گھوم گئے تھے وہ صاف انکار کر آیا تھا مگر ابا نے اسے ایک ہفتے کا ٹائم دیا تھا انکار کرنے کے لئے بلکہ جواب انہیں اپنے حسب منشا ہی چاہیے تھا۔

”لڑکوں سے نہیں ایک لڑکے سے اور وہ بھی تم سے۔“ احمٰت نے صحیح کی۔

”تو مجھ سے بھی کیوں ملنے آتی تھی فون پر ایسی ایسی باتیں، ہوٹلنگ، ڈیٹ، گفٹس کا تبادلہ کیا یہ شریف لڑکیوں کے طور طریقے ہیں میری جگہ کوئی اور لڑکا ہوتا تو وہ اس سے بھی یونہی محبت کی پٹنگیں بڑھاتی۔“

”ہاں لیکن اب تو تم سے ہی محبت کی تھی نا اس نے، یاد نہیں جب تم نے اسے بات کرنا چھوڑ دی تھی تو ندوس بریک ڈاؤن ہو گیا بیچاری کا دو روز ہاسپٹل میں گزار کر آئی تھی۔“ احمٰت جانے کیوں اس کی اتنی وکالت کر رہا تھا خاذب نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا تو اشعر نے فوراً اپنا موبائل اٹھالیا۔

”اور یہ دیکھو آج ایک میسج آیا تھا مجھے، لو میرج اور ارنج میرج میں کیا فرق ہے لو میرج میں ہم اپنی گرل فرینڈ سے شادی کرتے ہیں اور ارنج میرج میں کسی اور کی گرل فرینڈ سے۔“ وہ ایک بار پھر پیٹ پر ہاتھ رکھے لوٹ پوٹ ہو رہا

”بس منوالی اپنی ضد، اب میں جا رہی ہوں چھٹی کا ٹائم ہونے والا ہے۔“ اس کی والہانہ نظروں اور شوخ سوال سے نظریں چرائی وہ اپنا ہاتھ کھینچ کر جانے کو تیار ہو چکی تھی۔  
 ”اتنی جلدی۔“ خاذب جھنجھلا گیا۔

”کچھ نوٹس فوٹو کالی کروانے کے بہانے اٹکے تھے اب کسی روز ہاسٹل سے ملنے آؤں گی تو زیادہ دیر ٹھہروں کی مگر پلیز اب جانے دو۔“ خاذب کی ناراضگی کے خوف سے وہ ہنسی لہجے میں بولی تھی خاذب کے لئے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اسے کالج سے باہر نکالنے میں تو کامیاب ہوا تھا سو مسکراتے ہوئے اجازت دے دی۔

”مجھے بھی تمہاری مجبوریوں کا خیال ہے باقی فون پر بات کریں گے۔“

”تم دونوں کی ملاقات نے مجھے تو بور کر دیا۔“ ماہین کافی منہ پھٹ اور بولڈ تھی، خاذب نے اس کے افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے تسلی دی۔

”فکر مت کرو نیکسٹ ٹائم تمہاری بوریت کا سامان ساتھ لے کر آؤں گا۔“

”اچھا!“ وہ مسی خیزی سے مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلا کر پل گئیں تو وہ اپنے مسلسل بچتے فون کی سمت متوجہ ہوا، ابا کی کال تھیں انہوں نے کچھ سامان مریم کے ہاسٹل پہنچانے کو کہا تھا اور ساتھ ہی سنڈے کو گھر آنے کی ہدایت بھی کی تھی۔

☆☆☆

حرا کی تصویر سامنے رکھے وہ سر نہوڑے بیٹھا تھا اشعر اور احمٰت قریب ہی کشن دبوچے اس کا خوب ریکارڈ لگا رہے تھے۔

”کر لو اس سے شادی آخر تمہاری سابقہ گرل فرینڈ رہ چکی ہے۔“

”اور نہیں تو کیا۔“ اشعر نے بھی ٹکڑا لگایا تھا



تھا، انہیں خاذب کی سچویشن بے حد مزہ دے رہی تھی۔

”مروتہ دونوں۔“ وہ اٹھ کر اپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا تھا لیکن اس نے سوچ لیا تھا کہ اسے کسی بھی صورت حرا سے شادی نہیں کرنی چاہیے ابا اسے جائیداد سے بے دخل کریں یا گھر سے نکال دیں۔

☆☆☆

ایک ہفتہ یونہی گزر گیا تھا اس دوران وہ کشف سے دوبار ملا تھا مگر اکیلا نہیں اب کی بار احمت اس کے ساتھ تھا اور کشف کے ساتھ آنے والی ماہین سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی، ماہین ہاسٹل میں رہتی تھی سو وہ اس سے شام کے بعد بھی ملنے لگا تھا دونوں کی بے تکلفی ایک ہفتے میں اس طرح بڑھی تھی جیسے دونوں ایک دوسرے کو برسوں سے جانتے ہو اب ماہین نے کہنا تھا کہ وہ اپنی کسی دوست کو ساتھ لائے تاکہ اشعر کی سیٹنگ بھی ہو مگر وہ ابھی تک ہانیہ کے چکروں میں الجھا ہوا تھا۔

☆☆☆

”میں نے کل شام اسے اپارٹمنٹ کے لئے کہا ہے سو تم دونوں کل گیارہ بجے سے پہلے واپس نہیں آؤ گے۔“ شام کے بعد وہ اکٹھے بیٹھے سوپ پی رہے تھے جب اشعر نے دونوں کو اپنے پلاننگی کامیابی کا بتاتے ہوئے اطلاع دی۔

”کل تو میں نے ماہین کو بلایا ہے۔“ احمت نے ججج واپس رکھتے ہوئے کہا۔

”اوہ تو پیچھے رہ گیا خاذب تم تم بھی بلا لو شکف کو، ایک ساتھ انجوائے کرتے ہیں۔“ اشعر نے اسے بھی اکسایا تھا پہلے تو وہ انکار کرتا رہا پھر دونوں کے بھداصرار پر اس نے کشف کو بلانے کی حامی بھر لی تھی۔

ملاحظہ

ایک عورت کپڑے کی بڑی دکان میں گئی جہاں ہزاروں کی تعداد میں پلے سلائے ہوئے رکھے تھے وہ دبیز رنگ کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے بولی۔  
”بس آپ کے پاس یہی کچھ ہے؟“  
سیل گرل نے مودبانہ جواب دیا۔  
”محترمہ میرے بدن کا بھی جوڑا ملاحظہ فرمائیے۔“

”نہیں خاذب میں شام کے وقت ملنے نہیں آ سکتی۔“

”یار احمت کا برتھ ڈے ہے ماہین بھی تو آ رہی ہے۔“ کشف کا انکار اسے طیش دل رہا تھا۔  
”وہ ہاسٹل میں رہتی ہے میں گھر سے کیسے آؤں۔“

”ٹھیک ہے پھر اب مجھ سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ اس نے کہہ کر فون کاٹ دیا، اشعر اور احمت بھی مایوس سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”میں کل گاؤں جا رہا ہوں ابا کا دوبار فون آ چکا ہے وہ معاملہ بھی تو نمٹانا ہے۔“ سیل فون میز پر رکھتے ہوئے وہ صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔  
”تو فکر نہ کر بار، میں ماہین سے کہہ دوں گا وہ ہاسٹل سے کسی لڑکی کو ساتھ لے آئے گی۔“ احمت نے ایک نئی راہ سجائی تھی۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے۔“ اشعر بھی فوراً متفق ہوا تھا لیکن اسے جانے کیوں عجیب سی محسوس ہو رہی تھی دل جیسے ہر چیز سے بیزار سا ہو رہا تھا شاید وہ کشف کے نہ آنے پر مایوس ہوا تھا۔

”نہیں یار تم لوگ انجوائے کرو میں کل گھر جاؤں گا۔“

”تو اشعر تم اسد کو انوائٹ کر لو اس کے



پاس سے دوسرا سامان بھی مل جائے گا، سکی، سوڈا، پیمین۔" احمت کے مشورے پر اشعر کی آنکھوں میں عجیب سی چمک اٹھ آئی تھی وہ زیر لب مسکراتے ہوئے اب اس کو ساری پلاننگ سے آگاہ کر رہا تھا اگلی شام ہوئی اس نے اپنا مختصر سا سامان ہاندھا اور گاؤں کے لئے نکل آیا، ابھی بس نے ایک موڑ ہی کاٹا تھا جب احمت کی کال آ گئی۔

"یار ماہین وقت سے پہلے نکل آئی ہے اسد ابھی تک گاڑی لے کر نہیں آیا تم اسے طارق روڈ سے اپارٹمنٹ تک ڈراپ کر دو۔" جھنجھلاتے ہوئے اس نے یوٹرن لیا، طارق روڈ میں وہ اسے ایک فوٹو اسٹیٹ کی شاپ پر کھڑی نظر آ گئی تھی لیکن اس کے ساتھ یہ دوسری لڑکی کون تھی۔ "مریم۔" اسے لگا طارق روڈ کی ساری عمارتیں ایک ایک کر کے اس کے اوپر آن گری ہو، اس کے قدموں میں جیسے چلنے کی سکت باقی نہیں رہی تھی اس کی ٹانگوں نے اس کا وزن سہارنے سے انکار کر دیا تھا، احساسات منجمد اور دل و دیاغ جسے سن ہو چکے تھے بس آنکھیں تھیں جو زندہ تھیں جو دیکھ سکتی تھیں۔

ماہین کے ساتھ کھڑی مریم کو، بڑی کون تھیں یہ نازک کم سن تتلیاں یا پھر وہ مرد جوان کی معصومیت سے فائدہ اٹھا کر ان کے جذبوں سے کھیل کر ان کے رنگوں کو نوچ کر خالی بوتل کی طرح ڈسٹ بن میں پھینک دیا کرتے تھے۔ اسے خود سے نفرت محسوس ہو رہی تھی ایک خیال جیسے تمام سوچوں پر حاوی ہو چکا تھا۔

"اگر میں گاؤں چلا جاتا تو میری بہن۔" اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں اس کی نظروں میں حرا، کشف، ہانیہ، ماہین کے چہرے گڈٹے ہو رہے

تھے، اس نے کیوں نہیں سوچا تھا کہ ابھی ان چہروں میں مریم کا چہرہ بھی ہو سکتا ہے چور کوئی اور ہو گا تو نقب اس کے گھر میں بھی لگے گی، بڑی دقتوں کے ساتھ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا تھا ماہین پہلے اس سمت متوجہ ہوئی تھی مریم نے خاذب کو دیکھا تو اس کا رنگ فق ہو گیا۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" وہ قریب جا کر مریم سے بولا تھا وہ لب کاٹتے ہوئے ایک نظر ماہین کو دیکھتی مرے مرے قدموں سے گاڑی کی سمت چلنے لگی تھی۔

"عورت سے خلوتوں میں ملنے والا مرد بھی بھی قابل اعتبار نہیں ہوتا اس سے قبل کہ وہ تمہاری معصومیت کا فائدہ اٹھائے اس عفریت سے خود کو بچا لو۔" وہ ماہین سے کہہ رہا تھا ماہین ہونق سی گھڑی اس کی صورت دیکھنے لگی۔ "میں کچھ سمجھتی نہیں۔"

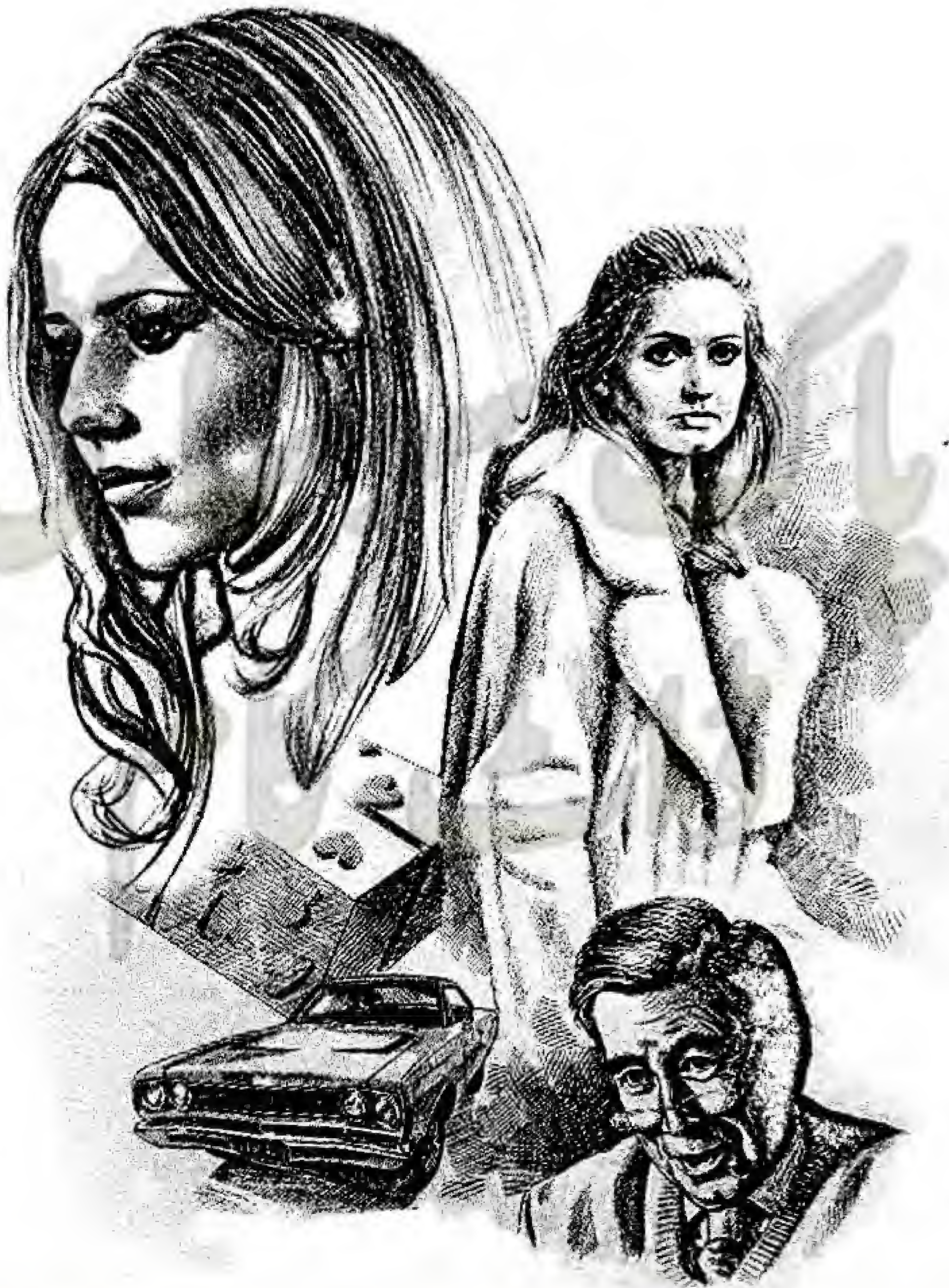
"سمجھنے کی بات تم لڑکیوں کے ہمیشہ دیر سے کیوں سمجھ میں آتی ہے، ٹھوکر کھا کر ہنسنے سے اچھا ہے کہ اپنی نظریں زمین پر رکھا کرو۔" "کیا مطلب؟" وہ شپٹا گئی۔

"مطلب یہ کہ آج احمت کا برتھ ڈے نہیں ہے۔" وہ اتنا کہہ کر واپس مڑ گیا تھا اور اب اس کی انگلیاں ہانیہ کا نمبر ڈائل کر رہی تھی اسے سب بتانے کے بعد اس نے سم نکال کر پھینک دی تھی اسے اب کشف سے بھی بات نہیں کرتی تھی اسے احمت اور اشعر سے پھر بھی نہیں ملنا تھا ویسے بھی ان کی دی ہوئی سات روز کی مہلت آج ختم ہو چکی تھی اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ حرا سے شادی کرے گا۔

☆☆☆



اللہ کی رحمت و شفا ہے  
شمسہ رسول





”والس کوئنگ آن.....؟“

”What,s going on?“- میزان

نے ہال میں انٹری دی اور ساتھ ہی سوال داغا۔  
”کوئی کہیں نہیں جا رہا جی، ہم سب یہیں بیٹھے ریحان میاں کی دعوت کی تیاری کر رہے ہیں۔“ شفتاں نے میزان کا سوال سن کر سمجھ کر اور تفصیل سے جواب دیا، سب کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”Its ok“ میں بھی یہی پوچھنا چاہ رہا تھا کہ آپ کیا کر رہے ہیں؟“ ساتھ ہی اس نے ہال میں نگاہ دوڑائی حرا اور ثمیرہ کسی میگزین پر سر جھائے ہوئے تھیں، زارا ایک کوئنگ بک میں سے ریسی ٹوٹ کر رہی تھی، عالیہ فیشن بک سامنے رکھے سب کے لئے ماسک تیار کر رہی تھی، ندا اور صبا جن کا شمار ابھی بچوں میں ہوتا تھا، وہ ایک کونے میں اپنے کسی پزل گیم میں گم تھیں، مجموعی طور پر سب ہی ریحان چچا کے استقبال کی تیاریاں کر رہے تھے مگر کچھ سنگ تھا، ہاں ارفع طیبہ! وہ ان تیاریوں میں شامل نظر نہیں آ رہی تھی، وہ موجود ہوئی تو یقیناً کوئنگ کا شعبہ اس کے حوالے کیا جاتا، کیونکہ اسے کوئنگ سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی اور وہ بہت سی ڈشز بہت اچھی بنا لیتی تھی، ذرا دیر بعد ہنس، ارفع کی کوئنگ ڈائری لئے ہوئے اندر داخل ہوئی، جس میں سے اس نے صرف میو ہی ترتیب دینا تھا، بنانا تو ارفع، زارا اور ثمیرہ ہی نے تھا، میزان ان کی تیاریوں کو تفصیلی نظر سے دیکھ کر اٹھ گیا، اس کا رخ جبران چچا کے پورشن کی طرف تھا۔

☆☆☆

نیا زربانی کے پانچ بیٹے تھے پانچوں ہی خیر سے شادی شدہ اور بچوں والے تھے، سب سے بڑے ارمغان زربانی جن کے دو بیٹے حنان اور

میزان، دونوں ہی ایم بی اے کر چکے تھے اور اب وہ اپنے دادا نیاز زربانی کے پھیلائے ہوئے بزنس کو مزید ترقی دینے کے چکر میں تھے، کیونکہ ان کے والد نے زیادہ تر وقت امریکہ میں گزار دیا تھا وہ ڈاکٹر تھے اسپلازیشن کرنے کے لئے امریکہ گئے تو پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے، اس لئے یہ دونوں بھائی اب پاکستان آ گئے ان کے بعد جبران زربانی تھے جن کے علاوہ بیٹی ارفع طیبہ، مزید دو بیٹیاں عالیہ اور صبا اور دو بیٹے حمزہ اور طلحہ بھی تھے لیکن خاندان بھر میں پہلی پوتی اور بیٹی ہونے کی وجہ سے جتنی اہمیت اور پیار ارفع طیبہ کو ملا تھا، کسی اور کے حصے میں نہ آ سکا۔

تیسرے نمبر پر سکندر زربانی تھے جن کا ایک بیٹا عمر اور تین بیٹیاں زارا، ہنیا اور ثمیرہ تھیں، چوتھے نمبر پر دلاور زربانی تھے جس کے دو بیٹے، حسن اور حسنین اور ایک بیٹی حرا تھی، پانچویں اور ہرلعزیز، ریحان چچا تھے، جن کی ایک بیٹی ندا اور دو سالہ بیٹا احمر تھا۔

ریحان چچا اکثر بزنس کے سلسلے میں امریکہ کا چکر لگاتے رہتے تھے مگر اس دفعہ چونکہ وہ ٹیلی کو ساتھ لے کر گئے تھے اس لئے ان کا قیام طویل ہو گیا تھا، اب ان کی واپسی کا سن کر ہر کوئی پر جوش استقبال کی تیاری کر رہا تھا، سوائے ارفع طیبہ کے، یہ نہیں کہ اسے ریحان چچا کے آنے کی خوشی نہیں تھی بلکہ اس وقت کوئی خوشی اس کا دکھ کم نہیں کر پا رہی تھی اور دکھ تھا بھی تو بلا کا، اس کی آنکھوں سے خواب چھینا جا رہا تھا، بچپن ہی سے اس نے ایک خواب دیکھا تھا خود کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنا، اس مقصد کے لئے وہ ہمیشہ آؤٹ شینڈلنگ سٹوڈنٹ رہی۔

پڑھائی کے معاملے میں کوئی کمپرومائز نہ کیا اور ہمیشہ اے پلس لیتی رہی، مگر قسمت کی بات



کہ میٹرک میں 88% اور ایف ایس سی (پری میڈیکل) میں 83% نمبرز لے کر بھی ہونہار ارفع انٹری ٹیسٹ میں شکست سے دو چار ہو گئی، وہ جو سمجھ رہی تھی کہ اب اس کا خواب تعبیر پانے ہی کو ہے، منزل اس کے قریب آتے آتے دور ہو گئی، خاندان بھر میں سب کو گویا یقین تھا کہ ارفع انٹری ٹیسٹ کلیئر کر لے گی مگر ارفع کی ناکامی نے سب کو حیرت سے دو چار اور ارفع طیبہ کو شدید بیمار کر دیا، پہلے سب کزنز اور ارمغان تایا کے پورشن میں اکٹھی ہو کر ساری سرگرمیاں سرانجام دیا کرتیں تھیں کیونکہ ارمغان صاحب کے پورشن میں نیاز ربانی قیام کیا کرتے تھے، اس لئے سب بچے وہیں ڈیرہ ڈالے رہتے، مگر جب سے ارفع ٹیسٹ کلیئر نہ ہونے کی وجہ سے بیمار ہوئی تھی وہ تنہائی پسند اور اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

”چچی جان! ارفع کہاں ہے؟“ میزان، جبران چچا کے رہائشی حصے میں داخل ہوا، لاؤنج میں عدت چچی جان کو دیکھ کر پوچھا۔

”ارفع اپنے کمرے میں ہے بیٹا! آؤ تم بھی۔“ چچی ہاتھ میں ٹرے اٹھائے، غالباً ارفع کے کمرے میں جا رہی تھیں جیسی انہوں نے میزان کو بھی ساتھ آنے کا اشارہ کیا، میزان نے بڑھ کر ان کے ہاتھوں سے ٹرے لے لی چچی جان کمرے میں داخل ہوئیں تو چند لمحوں بعد میزان بھی چچی جان کی اجازت سے اندر آ گیا، اس نے ٹرے سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور کمرے میں ایک طرف رکھی رائٹنگ ٹیبل کی چیر کھینچ کر اس پر بیٹھ گیا، میزان کو دیکھ کر ارفع مارے مروت کے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”ارفع بیٹا! کھانا کھا لو، پھر ابھی میڈیسن

بھی لینا ہے۔“ چچی جان کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ ارفع کھانے اور میڈیسن سے لاپرواہی برت رہی ہے۔

”ارفع! اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟ بلکہ مستقبل کی ڈاکٹر خود کیسے بیمار ہو گئی؟“ بات کرتے کرتے جونہی میزان نے ارفع کے چہرے کی طرف دیکھا اسے عجیب سا احساس ہوا، ارفع جیسے کڑے ضبط سے گزر رہی تھی۔

”Ok, leave it“ میں تو یہ پوچھنے آیا تھا کہ تم ریحان چچا کی دعوت میں کون سی نئی ڈش بناؤ گی؟ دیکھو! تم کچھ نیا بے شک نہ بنانا، بس وہ پیارے پیارے گول سے گول ضرور بنانا، جن کی شکل سب کے سب ہم شکل اور سائز بھی ایک جیسا ہوتا ہے۔“ ارفع کے لبوں کو ہلکی سی مسکراہٹ نے چھوا۔

”اور..... وہ..... دن کے کسی حصے کا نام بھی ان کا.....؟“

”شامی کباب۔“ عدت چچی نے اس کی مشکل آسان کی۔

”Oh yess!..... وی۔“ میزان خوش ہوتے ہوئے بولا، ارفع کے چہرے کی رنگت قدرے بہتر نظر آنے لگی۔

(گویا میڈیکل کے بعد دوسری اہم چیز ہے یہ کوکنگ جو ارفع طیبہ کو معمول کی زندگی کی طرف مائل کر سکتی ہے)

”میری ارفع امور خانہ داری میں بھی ماہر ہے۔“ چچی جان نے ارفع کو محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ویسے ارفع! میں سوچ رہا ہوں کہ تم اگر کوکنگ کے میدان میں آ جاؤ تو آئندہ چند سال بعد تم پاکستان کی بہترین شیف ہو گی۔“ میزان نے ایک الگ ہی تجویز پیش کی۔



اور ماں کے ہاتھ سے زبردستی کھانا کھاتی ہوئی ارفع کا دل یکدم ہی کچھ یاد کر کے دکھ سے بھر گیا، جی کھانے سے اجاڑ ہو گیا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے ماں کو مزید کھلانے سے منع کر دیا۔

”ارفع! کیا ہوا گڑیا؟“ میزان اب حقیقتاً پریشان ہوا۔

”میں کچھ اچھا نہیں کر سکتی، میزان بھیا! میں کچھ بھی نہیں بن سکتی۔“ ارفع کا لہجہ مایوسانہ تھا۔

”ارے یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم کچھ نہیں کر سکتی؟ تم بہت کچھ کر سکتی ہو، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔“ میزان نے جلدی سے کہا، اتنا تو تھا کہ وہ بولنے پر آمادہ ہوئی۔

”میں انٹری ٹیسٹ میں بھی فیل ہو گئی۔“  
”تم Repeat کیوں نہیں کر لیتی، نیکسٹ ٹائم Selection کے زیادہ چانس ہوں گے۔“  
میزان نے حوصلہ بڑھایا۔

”نہیں، میں اب کبھی بھی نہیں پڑھ سکوں گی میں۔“ ارفع دگر فتنہ تھی۔

”اوں ہوں مایوس نہیں ہوتے، تم بس جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، تمہیں ڈاکٹر بتانا میری ذمہ داری..... اور..... یہ لو۔“ میزان نے اس طرف میڈیسن بڑھائی، اب کی بار ارفع نے بھی خاموشی سے میڈیسن لے کر ماں کے ہاتھ سے پانی کا گلاس پکڑ لیا اور ارفع کے زرد اور کملائے ہوئے چہرے کو دیکھتے ہوئے میزان نے سوچا کہ اس کی خواہش کو پورا کرنا ہے، ہر صورت۔

☆☆☆

وہ جبران چچا کے پورشن سے واپس آ کر دادا جان کے کمرے کی طرف آ گیا، دروازہ کھلا تھا وہ

ایک پاؤں اندر رکھتے ہوئے بولا۔

”دادا جان! میں اندر آ جاؤں۔“

”بیٹا! آپ تقریباً اندر آ چکے ہیں۔“ دادا جان اس کا دوسرا قدم اٹھتے دیکھ کر بولے، میزان مسکرایا۔

”دادا جان! کیا کر رہے تھے آپ؟ میں نے ڈسٹرب تو نہیں کیا؟“

”نہیں بیٹا! بیٹھو، کچھ کام تھا کیا؟“ دادا جان نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”جی دادا جان! ضروری کام تھا۔“ میزان دادا جان کے قریب دیوان پر بیٹھ گیا۔

”دادا جان! ارفع کا میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کیوں نہیں ہو پارہا؟“

”بیٹا! ارفع انٹری ٹیسٹ کلیئر نہیں کر سکی، اس لئے اس کا میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں ہو سکا۔“ کہتے ہوئے دادا جان اضطرابی انداز میں اٹھ کر کھڑکی میں جا کھڑے ہوئے اور کھڑکی سے باہر نظر آتے لان پر نظریں جمادیں۔

”اوہو، دادا جان! صرف انٹری ٹیسٹ کلیئر نہ کر سکنے سے بندہ میڈیکل کالج میں داخلہ نہیں لے سکتا؟ آخر سیلف قتالس کے تحت بھی تو میڈیکل کی سٹڈی جاری رکھی جاسکتی ہے نا؟“ میزان نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

جواب میں دادا جان صرف ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے، گویا یہ سب وہ خود بھی جانتے ہیں، میزان چند قدم آگے بڑھ کر دادا جان کے قریب آیا اور اپنے دونوں ہاتھ دادا جان کے شانوں پہ رکھ دیئے۔

”دادا جان! پلیز مجھے بتائیے کیا بات ہے؟“ دادا جان کچھ لمحے خاموش رہے جیسے فیصلہ نہ کر پا رہے ہوں، پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچ کر وہ دیوان پر آ بیٹھے اور میزان کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔



”بیٹا تم ٹھیک کہتے ہو سیلف فنالس پر میڈیکل کی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے مگر..... بس سمجھو یہ ہمارے لئے ممکن نہیں ہے۔“ دادا جان کچھ کہتے کہتے رہ گئے۔

”دادا جان! آپ مجھ پر اعتماد نہیں کر رہے۔“ میزان نے خفگی کا اظہار کیا۔

”میزان بیٹا! ارفع سیلف فنالس کے تحت بھی میڈیکل میں نہیں جاسکتی۔“ دادا جان نے شکستہ آواز میں بتایا۔

”آخر کیوں؟“ میزان حیران ہوا۔

”کیا ہم اتنا بھی نہیں کر سکتے؟“

”بات ہماری نہیں ہے بیٹا، جبران.....“

دادا جان پھر بات ادھوری چھوڑ گئے۔

”ادھر دیکھیں دادا جان! تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جائیں کہ ارفع جبران چچا کی بیٹی ہے، بس یہ یاد رکھیں کہ آپ نے کہا تھا اللہ نے ارفع کی صورت میں میری بیٹی کی کمی پوری کر دی ہے۔“

”وہ ہم سب کی بیٹی ہے دادا جان! صرف جبران چچا کی ہی نہیں، آپ جبران چچا سے کہیں کہ ارفع کا میڈیکل میں داخلہ کروائیں، ورنہ..... وہ مر جائے گی۔“

”بیٹا! پچھلے سال جبران نے کسی دوست کے ساتھ مل کر نئے کاروبار کے لئے اپنا سرمایہ لگایا تھا، آٹھ ماہ ہی میں کروڑوں کا کاروبار ٹھپ ہو گیا، جبران کا سارا سرمایہ جاتا رہا، دوست خود تو ڈوبا ہی ساتھ جبران کو بھی لے ڈوبا، اب جبران کی مالی حیثیت ایسی نہیں کہ وہ ارفع کو میڈیکل کے واجبات ادا کر سکے، ایک ہی صورت تھی کہ ارفع انٹرنیٹ کیسٹ کر کے تو میرٹ پر داخلہ ہو جائے گا مگر..... ایسا ہو نہیں سکا، اب بچی پریشانی سے بیمار پڑ گئی ہے، اس کا خواب تھا ڈاکٹر بننا، جو

اب پورا ہوتا نظر نہیں آ رہا۔“ دادا جان کی نظروں میں ارفع کا ذرا دھڑکنا گھوم گیا۔

”ارفع کے ساتھ اس کی دو اور دوستیں بھی انٹرنیٹ کیسٹ نہیں کر سکیں، ایک تو بی ایس سی کا ارادہ بنا لیا ہے دوسری کے والد اسے چائے بھجوا رہے ہیں میڈیکل کی سٹڈی کے لئے، اس نے ارفع کو بھی تیار کیا ہوا تھا مگر ارفع کو جب سے باپ کی مالی پوزیشن کا پتہ چلا ہے وہ بہت غمگین میں ہے۔“

”مگر دادا جان ضروری تو نہیں کہ جبران چچا

کو بتا کر ہی ارفع کے واجبات ادا کیے جائیں۔“

”بیٹا! تم جبران کی طبیعت سے واقف نہیں

ہو، تمہیں امریکہ سے آئے ہوئے ایک مہینہ بھی

پورا نہیں ہوا، حتان کو دو سال ہو گئے ہیں آئے ہو

اور وہ سب کے مزاج سے آشنا ہو چکا ہے، پھر بھی

اس نے مجھے کہا کہ وہ سیلف سٹڈی کے تحت ارفع

کا داخلہ کروا دیتا ہے، بیس پچیس لاکھ اس کے

لئے کوئی بڑی بات نہیں، پھر غالباً میڈیکل کالج

کے داخلہ فارم بھی لے آیا۔“ نیاز ربانی نے کچھ

دیر تو وقف کیا۔

”پھر کیا ہوا دادا جان!“ میزان کو یہ وقف

گراں گزرا۔

”پھر کیا ہونا تھا، جبران کو پتہ چلا تو اس کی

خوددار طبیعت نے یہ گوارا نہ کیا، اس نے حتان کو

مزید کارروائی کرنے سے منع کر دیا۔“ نیاز ربانی کا

لہجہ تھکا ہوا تھا۔

”جبران چچا نے منع کر دیا۔“ میزان نے

دہرایا۔

”پھر بھی دادا جان ہمیں کچھ کرنا ہو گا ورنہ

ارفع کے لئے ٹھیک نہیں ہو گا، وہ میٹلی بہت

ڈسٹرب ہے، اس کی بحالی کی ایک ہی صورت

ہے کہ اس کے ڈاکٹر بننے کے لئے حالات



سازگار کئے جائیں۔“

”مگر جبران مانے تب نا۔“ دادا جان نے کہا۔

”آپ ہی کو شیڈ لینا ہوگا، دادا جان کچھ کریں۔“ جبران نے اکسایا۔  
”اور ارفع بھی باپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گی۔“ دادا جان نے مزید اطلاع دی۔

”اوہ..... ارفع..... وہ میری ذمہ داری! آپ بس جبران چچا کی ذمہ داری لیں جیسا بھی ہو ارفع کا ایڈمیشن کروائیں، ارفع کی خوشی میں ہم سب کی خوشی ہے۔“ اب کے دادا جان نے پکا عہد کیا ارفع کے لئے ہر کوشش کرنے کا ارادہ۔

☆☆☆

ارمغان ربانی کے لاؤنج میں اس وقت خوب رونق لگی ہوئی تھی، ریحان ربانی تشریف لا چکے تھے، چونکہ اس دفعہ فیملی کے ساتھ گئے تھے، سب آپس میں یوں مل رہے تھے جیسے بہت سالوں بعد واپسی ہوئی ہو۔

کھانے کی ٹیبل پر اچھا خاصا برکلف اہتمام تھا، ارفع کی چونکہ طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لئے باقی لڑکیوں نے ہاتھ بٹایا، ہاں ایک دن پہلے ارفع نے شفتاں کے ساتھ مل کر شامی کباب ضرور بنا کر فریز کر لئے تھے اور آج فراہم کرنے میں زیادہ وقت نہ لگا تھا، خوشگوار ماحول میں کھانا ختم کیا گیا تو ارفع سبز چائے بنانے لگی اور اس کی مدد کے لئے زارا بھی ساتھ تھی، اتنی دیر میں حرا اور عالیہ نے ٹیبل سے برتن سمیٹ لئے۔

چائے دوبارہ لاؤنج میں سرو کی گئی، پھر جب چائے سے فارغ ہو گئے تو بینش چچی (ریحان چچا کی بیگم) نے سب کے لئے لائے گئے گفلس ان میں تقسیم کیے، سبھی نے ان کی

چوائس کو سراہا، ارفع کا گفٹ بیش قیمت پین سیٹ تھا، جو اسے بے حد پسند آیا، ریحان چچا اب سب سے فرینڈلی، ”سٹڈی براگرس“ رپورٹ لے رہے تھے اور انہیں یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ارفع نے ابھی تک میڈیکل کالج میں ایڈمیشن نہیں لیا، اس سے پہلے کہ وہ تفصیلات میں جاتے میزان نے ان کی توجہ ہٹائی۔

”چاچو! آپ کے موبائل پہ بیل ہو رہی ہے۔“ ریحان چاچو نے حیران ہو کر جیب سے موبائل نکالا اور (One message recieved) کے الفاظ جھگمگا رہے تھے اوپن کیا تو ٹیکسٹ سامنے تھا۔

”Chachu! Its me Mezan!“ آپ پلیز باہر آ کر میری بات سن لیں ابھی۔“ ریحان چچا حیرت دباتے ضروری کال کا کہہ کر سب سے معذرت کرتے ہوئے اپنے پورشن کی طرف بڑھ گئے، بینش چچی ابھی بھی لڑکیوں کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھیں، چند منٹس بعد میزان بھی ریحان چچا کے کمرے میں موجود تھا۔

”سوری چاچو! آپ کو اس طرح بلانا پڑا۔“ ریحان نے معذرت کی (وہ نہیں چاہتا تھا کہ ارفع کے لئے تکلیف دہ موضوع کو سب کے درمیان چھیڑا جائے)۔

”کوئی بات نہیں یار! اب وہ بات بتاؤ جو تم کہنا چاہ رہے تھے۔“ چاچو نے نرمی سے کہا۔  
”چاچو! بات یہ ہے کہ ارفع انٹری ٹیسٹ کلیئر نہیں کر سکی۔“ اور پھر اس نے مختصر جبران چچا کے نئے بزنس فلاپ ہونے اور کسی سے مدد نہ لینے کے بارے میں بھی بتا دیا۔

”جبران بھائی کے بزنس ختم ہونے کا تو مجھے پتہ چلا تھا اور میں نے انہیں پیکش کی تھی کہ میں لیڈر فیکٹری میں اپنے حصے کے پچاس فیصد



شیرز آپ کے نام کر دیتا ہوں، چاہیں تو اسی میں سیٹ ہو جائیں چاہیں تو انہیں فروخت کر کے اپنے کاروبار میں لگالیں، مگر انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔“ چاچو نے بتایا۔

”مگر چاچو! مانا کہ جبران چچا بہت خوددار ہیں اور انہیں اپنے قوت بازو پر بھروسہ بھی بہت ہے وہ کسی سے مدد لینا یا کسی کا احسان لینا گوارا نہیں کریں گے، مگر اس وقت بات ارفع کی ہے، اس نے ٹیسٹ کی ناکامی کو دل سے لگا لیا ہے، چچی بتا رہی تھیں کہ وہ میڈیسن بھی ریگولر نہیں لے رہی ڈاکٹر کے مطابق اسے ٹینشن سے بچایا جائے ورنہ کسی شدید نقصان کا خدشہ ہے۔“ میزان کے لہجے میں فکر مندی تھی۔

”میزان! تم فکر نہ کرو، میں صبح جبران بھائی سے بات کروں گا اور انہیں ارفع کے ایڈمیشن کے لئے قائل کروں گا۔“ چاچو نے تسلی دی۔

”او کے چاچو! لیکن جلد۔“ میزان نے بے تاب سے کہا اور ساتھ ہی جانے کے لئے اجازت لی۔

☆☆☆

جبران ربانی ناشتے کی ٹیبل پر اخبار کی سرخیاں دیکھ رہے تھے، ایک ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جس کے ختم ہونے پر انہوں نے آفس کے لئے اٹھ جانا تھا (ابھی بھی وہ ہمت نہ ہارے تھے نئے سرے سے کاروبار جمانے کے لئے کوشش کر رہے تھے) بچے سکول اور کالج جا چکے تھے ارفع اپنے کمرے میں تھی، رات کی گید رنگ نے اسے تھکا دیا تھا، وہ صبح ناشتے کی ٹیبل پر بھی نہ آسکی، اس سے پہلے کہ جبران ربانی ٹیبل چھوڑتے، ربیان ربانی آچنبھے۔

”السلام علیکم جبران بھائی!“

”آؤ بیٹھو ربیان، ناشتہ کرو گے؟“ جبران

بھائی نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اخبار اور چائے خالی کپ میز پر رکھا۔

”جی بالکل! بھابھی میں ناشتے میں ایک گلاس جوس لوں گا ویسے اگر آپ پراٹھے بنا رہی ہیں تو میں آلیٹ کے ساتھ کھانا پسند کروں گا۔“

ربیان چاچو نے بے تکلفی کا مظاہرہ کیا، ندرت بھابھی کچھ ہی دیر میں جوس لے آئیں۔

”شکریہ بھابھی!“ ربیان چاچو نے جوس لیتے ہوئے کہا۔

”فیملی ٹور کیسا رہا ربیان؟“ جبران بھائی نے ہی بات کا آغاز کیا۔

”بہت اچھا رہا جبران بھائی، ویسے اگر آپ میری لیدر فیکٹری کا چارج سنبھال لیتے تو میں کچھ دیر اور وہاں قیام کر لیتا۔“ ربیان چاچو نے ہلکواہلکوا کہا۔

”تم جانتے ہو میرا اپنا کام ہے اور آج اسے انتہائی توجہ کی ضرورت ہے۔“ جبران بھائی نے مدتیانہ انداز میں کہا۔

”یعنی اب آپ خود کو ہم سے الگ سمجھتے ہیں، آپ نے اپنے مسائل ہم سے الگ کر لئے ہیں۔“ وہ کہتے کہتے رک گئے کہ رشتہ بھی۔

”ربیان تو تمہاری بھابھی تمہاری پسند کا آلیٹ تیار کر لائیں ہیں۔“ جبران بھائی نے گویا ربیان کی بات سنی ہی نہیں۔

”بھابھی! ارفع کیسی ہے؟“ ربیان نے ناراضگی سے روئے خن بھابھی کی طرف موڑ لیا۔

”ارفع کوکل کی تھکاوٹ کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے، اچھی بھلی تھی میری بچی نبھانے کیا ہو گیا ہے اسے۔“ ندرت بھابھی نے اداسی سے کہا۔

”آپ خود ارفع کی ڈائٹ کا خیال رکھیں اور ریگولر میڈیسن کھلائیں۔“ ربیان چاچو نے کہا۔



”پتہ نہیں وہ کیوں خود سے اتنی لا پرواہ ہو گئی ہے میڈیسن بھی زبردستی کھلاتی ہوں، کہتی ہے کہ ہر چیز سے دل اچاٹ ہو گیا ہے۔“ انہوں نے مزید بتایا۔

”جبران بھائی! آپ ارفع کو سمجھائیں کہ وہ دل چھوٹا نہ کرے، دوبارہ سٹڈی کرے تو انٹری ٹیسٹ کلیئر ہو جائے گا، میں خود اس کا میڈیکل میں داخلہ کراؤں گا، انشا اللہ۔“ ریحان چاچو پھر بھائی کی طرف متوجہ ہوئے۔

”ارفع کہتی ہے کہ وہ میڈیکل نہیں پڑھ سکے گی اس لئے میں نے اسے کہا ہے کہ وہ بی ایس سی کرے۔“ جبران صاحب سنجیدگی سے بولے۔

”اور ویسے بھی ڈیڑھ دو سال میں اس کی شادی کرنے والا ہوں۔“

”کیا؟“ ریحان چاچو کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا اور جبران صاحب نے یہ اطلاع دینے کے بعد مزید بات کرنا ضروری نہ سمجھا اور ٹیبل سے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھا کر آفس کے لئے چلتے بنے۔

”بھابھی آپ نے سنا؟ بھائی ابھی کیا کہہ رہے تھے؟“ ریحان چاچو سنبھل کر بھابھی سے بولے۔

”ریحان! میں کیا کر سکتی ہوں، ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ارفع جس State of mind (ذہنی کیفیت) سے گزر رہی ہے اسے تبدیل کرنے کی کوشش کریں، یہ اس کی ذہنی اور جسمانی صحت کے لئے بہت ضروری ہے۔“ بھابھی بدقت تمام یہ سب کہہ سکیں اور خاموش ہو گئیں۔

”گویا تم ہی بتاؤ ایسا کیا کیا جائے کہ ارفع اور ارفع کے باپ دونوں کی ذہنی کیفیت کو معمول

پر لایا جاسکے۔“

”لیکن بھابھی تبدیلی کا مطلب یہ تو نہیں کہ بیچی کو زبردستی پکڑ کر اس کی شادی کر دی جائے اعلیٰ تعلیم بہت ضروری ہے، چلیں ڈاکٹری نہ سہی لیکن کم از کم اسے ماسٹر تو کر لینے دیں۔“ چاچو ہنوز ناراضگی سے بولے۔

”بس ریحان دعا کرو اللہ تعالیٰ ہی کچھ بہتری کر دے ورنہ جبران تو ماننے والے نہیں، ارے تم ناشتہ تو کرو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔“ ریحان چاچو کو اٹھنے کے لئے پر تو لتے دیکھ ندرت بھابھی بولیں۔

”اوہو میں خود بھی بھول گئی کہ ٹیبل پر ناشتہ لگا رہی تھی۔“ انہوں نے فوراً خالی ٹرے اٹھائی اور دوبارہ واپس آئیں تو اس میں ناشتے کے باقی لوازمات، بھنا ہوا قیرہ اور اچار وغیرہ موجود تھا، مگر اب ریحان چاچو کا دل ناشتے سے اچاٹ ہو چکا تا، وہ بس یہی سوچ رہے تھے کہ ارفع کے لئے کیا کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆

سہ پہر کو جب نیاز ربانی لان میں بیٹھے چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے، سامنے ہی ٹیبل پر اخبار رکھا ہوا تھا، وہ اخبار دن ڈھلے پڑھا کرتے تھے، ریحان چاچو بھی وہیں آ بیٹھے۔

”چائے پوگے ریحان؟ اوہو..... چائے نہیں میں جوس منگواتا ہوں، شفتاں۔“ انہوں نے لاؤنج کی طرف رخ کر کے نرمی سے ملازم کو آواز دی۔

”جی میاں جی!“ شفتاں فوراً آئی۔

”بچے ریحان میاں کے لئے فریش جوس لے آؤ۔“ میاں جی سے سنتے ہی شفتاں جی اچھا کہہ کر پلٹ گئی، میاں جی کچھ دیر تو خاموش بیٹھے ریحان میاں کا جائزہ لیتے رہے پھر پوچھا۔



”ریحانہ بچے کچھ پریشانی ہے کیا؟“  
 ”اباجی! آپ کو پتہ ہے جبران بھائی ارفع  
 کے لئے کیا فیصلہ کیے ہوئے بیٹھے ہیں؟“ ریحان  
 چاچو تو گویا تیار بیٹھے تھے اک ذرا چھیڑے جانے  
 کے منتظر۔

”یہی کہ ارفع میڈیکل میں نہیں جائے گی،  
 میں جانتا ہوں۔“

”نہیں اباجی! ارفع اب میڈیکل تو کیا  
 شاید ہی سٹڈی کمپلیٹ کر سکے۔“ ریحان چاچو  
 بے چینی سے بولے، شفتاں ٹیبل پر جوس رکھ کر  
 پلٹ گئی۔

”میری بات ہوئی تھی جبران سے، اس نے  
 کہا تھا کہ میں ارفع کا میڈیکل میں داخلہ نہیں  
 کروا سکتا، لیکن اس نے ارفع کو مزید پڑھائی سے  
 منع بھی نہیں کیا۔“ اباجی نے گویا ریحان چاچو کو  
 تسلی دی۔

”لیکن مجھے جبران بھائی نے کہہ دیا ہے کہ  
 وہ ڈیڑھ دو سال میں ارفع کی شادی کرنے والے  
 ہیں۔“ ریحان چاچو نے بے اسٹک ٹیڈز سنائی۔  
 ”کیا؟“ یہ چیخ نما آواز میاں سا کی بجائے  
 میزان کی تھی جو ریحان چاچو کو دادا جان کے  
 ساتھ مصروف گفتگو دیکھا تو وہیں چلا آیا، آتے  
 آتے جو چند الفاظ میزان کے کانوں میں پڑ گئے  
 انہیں سن کر وہ بے ساختہ چیخ اٹھا۔

”چاچو! آخر جبران چاچو کو کیا ہو گیا ارفع کی  
 حالت دیکھ کر بجائے اس کی بھالی کے وہ عجیب  
 حل سوچ رہے ہیں۔“

”میزان! کیوں پریشان ہو رہے ہو بیٹا  
 بیٹھو۔“ دادا جان نے میزان کو پاس رکھی ہوئی  
 کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے  
 ہوئے کہا۔

”اباجی! جبران نے واقعی بڑا بودا ساحل

سوچا ہے۔“ ریحان چاچو نے کہا۔  
 ”تعلیم ادھوری رہ جانے سے ارفع بہت  
 پریشان ہو جائے گی، ہمیں ارفع کے لئے کچھ کرنا  
 ہوگا۔“

”کچھ کرتے ہیں بیٹا! ہم ارفع کے خواب  
 مرنے نہیں دیں گے، اب جبران کے ساتھ اسی  
 کے ذہن کے مطابق معاملہ سلجھانا ہوگا۔“ اباجی  
 نے ایک نئے عزم و ارادے سے کہا، ریحان  
 چاچو اور میزان کی کافی تسلی ہو گئی، اباجی نے اگر  
 حامی بھر لی ہے تو پھر جبران کی ناراضگی کیا معنی  
 رکھتی ہے؟ آخر اباجی ”باب“ ہونے کا حق جتا کر  
 بات منوا سکتے ہیں نا۔“ دونوں کی ایک ہی سوچ  
 تھی۔

☆☆☆

”کہاں ہوتے ہو میزان؟ آج کل نظر ہی  
 نہیں آتے۔“ حنان نے لاؤنج میں بیٹھے میزان کو  
 دیکھ کر کہا، جو اس وقت بھی بظاہر تو ٹی وی دیکھ رہا  
 تھا مگر حقیقتاً وہ ٹی وی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔  
 ”یہیں گھر ہی پہ ہوتا ہوں حنان بھائی،  
 دادا جان کے ساتھ ہی نشست رہتی ہے۔“  
 میزان ٹی وی بند کر کے بھائی کی طرف متوجہ ہوا۔  
 ”آپ بتائیں، آپ کا آفس ورک کیا  
 چل رہا ہے؟“ میزان نے بھائی سے پوچھا۔  
 ”میرا آفس؟ بری بات میزان۔“ حنان  
 نے خفگی سے کہا۔

”کبھی کبھار چکر لگانے کا مطلب یہ نہیں کہ  
 تمہارا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، یا تمہاری ذمہ  
 داری نہیں ہے، یہ ہم دونوں کا ہے آج کل ویسے  
 بھی فیلڈ ورک بڑھ گیا ہے، یہ بتاؤ کب تک اپنی  
 روٹین سیٹ کر رہے ہو باقاعدہ آفس جوائن  
 کرنے کے لئے؟“

”ارے ارے آپ نے تو میری باقاعدہ



کلاس لے ڈالی ہے، جلد ہی آفس جوائن کر لوں گا بھائی! بس ایک ٹاسک ہے وہ مکمل کر لینے دیں۔“  
میزان نے کہا۔

”میزان بھائی! یہ چائے لیجئے، ساتھ میں مکس پکوڑا کا لطف اٹھائیں میں نے فرسٹ ٹائم ٹرائی کیا ہے۔“ صبا ہاتھ میں ٹرے لئے چلی آ رہی تھی، کہ حنان بھائی پر نظر پڑی تو بولی۔

”ارے حنان بھائی! آپ بھی یہاں ہیں، شکر ہے اتنے دنوں بعد آپ نظر تو آئے، میں آپ کے لئے بھی چائے لائی ہوں۔“ وہ واپس پلٹی۔

”ہوں تو تم کس ٹاسک کا ذکر کر رہے تھے۔“ حنان بھائی نے بات وہیں سے شروع کی جہاں سے صبا کے آنے سے گفتگو کا تسلسل ٹوٹا تھا، میزان نے مختصر آٹھ اٹھ اٹھ کی کنڈیشن اور جبران چچا کے نئے فیصلے کے بارے میں بتایا، ابھی بات جاری تھی کہ صبا ہٹل کے جن کی طرح ہاتھ میں بڑی سی ٹرے لئے حاضر ہوئی، اب کی بار چائے کے لوازمات کافی سے زیادہ تھے۔

”حنان بھائی میں نے سوچا آپ کو بھوک لگ رہی ہوگی، اب تو آپ شام کی چائے پر بھی ساتھ نہیں ہوتے۔“ صبا نے ٹیبل پر پیپلس رکھنا شروع کیں بسکٹ، کٹلس، نمکو، چپس، کیک ہیں، وہ بہنوں والی فکر مندی کے ساتھ بھوک مٹانے کے لوازمات اٹھالائی تھی۔

”گڑبا! اتنے تکلف کی کیا ضرورت تھی مجھے اس وقت بالکل بھی بھوک نہیں تھی۔“ حنان نے صبا سے کہا، لیکن میزان جانتا تھا کہ حنان نے لچ میں بھی کھانے کے نام پہ بس چائے ہی پی ہو گی۔

”میں تمہیں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تم کسی کے معاملات میں نہ پڑھو کیونکہ ارفع کسی نہیں ہے

جبران چچا ہماری فیملی کا حصہ ہیں۔“ حنان نے صبا کے جانے کے بعد کہا۔

”مگر بات یہ ہے کہ جبران چچا ایسا نہیں سمجھتے وہ اپنے مسائل دوسروں کے سامنے لانا پسند نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ اپنے بھائیوں کے بھی۔“ حنان نے چائے کا کپ اٹھالیا۔

”حنان بھائی کچھ ایسا کریں کہ جبران چچا اپنی بے جا ضد سے باز آ جائیں اور ارفع زندگی کی طرف لوٹ آئے۔“ میزان نے اضطراری حالت میں ہاتھ پکڑا ہوا کپ ٹیبل پر رکھ دیا اور حنان نے میزان کی بے قراری کو خصوصی طور پر نوٹ کیا وہ بے حد بے چین و مضطرب تھا۔

”میزان! میں نے اپنی طرف سے ارفع کے لئے کوشش کی تھی مگر جبران چچا کو اچھا نہیں لگا۔“ حنان نے میزان کی توجہ سے دیکھا۔

”پھر بھی حنان بھائی کچھ ایسا کریں کہ جبران چچا مان ہی جائیں۔“ میزان کا انداز تھوڑا سا لاڈلے بچے سا ہو گیا، من پسند کھلونا پانے کی ضد۔

”او کے تم اپنی چائے تو ختم کرو۔“ حنان نے چپس کی پلیٹ اپنے اور میزان کے درمیان رکھتے ہوئے کہا۔

”دادا جان کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟“ حنان بھائی نے میزان سے دریافت کیا۔

”وہ بھی ارفع کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتے ہیں مگر شاید جبران چچا کی رضا مندی چاہتے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ وہ جبران چچا کو نہ مناسکتیں اور کسی روز جبران چچا ہمیں بتائیں کہ انہوں نے ارفع کی شادی طے کر دی ہے۔“ میزان کا اضطراب اور واضح ہوا۔

”ہوں۔“ حنان بھائی معنی خیزی سے گہری سانس لی، گویا معاملے کو پوری طرح سمجھ چکے



ہوں۔

”کچھ کرتے ہیں میرے بھائی! کہ ارفع بھی زندگی کی طرف لوٹ سکے اور..... اور میرا بھائی بھی۔“ حنان بھائی مسکرا رہے تھے۔

”ہیں یہ حنان بھائی کیا کہہ رہے ہیں؟ کس حوالے سے کیا وہ کچھ جان گئے ہیں؟“ میزان کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

”میں نے تو اپنے جذبات خود پر بھی عیاں نہیں کیے تو پھر یہ بھائی کو؟“ اور حنان بھائی نے ایک پکڑا پیس اٹھا کر میزان کے کھلے ہوئے منہ میں رکھ دیا۔

☆☆☆

رات میں کسی پہر بارش پھر ہوئی تھی موسم خاصا خوشگوار ہو گیا تھا، لان کی گھاس کیلی تھی اور پودوں نے دھل کر نیا لباس پہن لیا تھا، ننھے پودوں پر رنگ رنگ کے پھول مزید خوش رنگ لگ رہے تھے گویا صبح نکھر آئی تھی، ارفع نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ منظر دیکھا تو اس کا دل لان میں بیٹھنے کو چاہا سو وہ واپس پلٹی، بے ساختہ رائیج ٹیبل سے بک اٹھانے ہی لگی تھی کہ رک گئی۔

”اب کیا فائدہ؟“ وہ یونہی خالی ہاتھ لان میں آئی اور ایک طرف نصب سنگی بیچ پر بیٹھ گئی، خیال نہ رہا کہ بیچ کی سطح کیلی تھی اسے اپنی سٹوڈنٹ لائف کے وہ دن یاد آنے لگے جب وہ سب دوستیں یونہی لان میں بیٹھی تھیں تو ساتھ اپنی کوئی نہ کوئی کتاب یا پھر نوٹس ہوتے تھے، ایک ہوتی تو یونہی کرتی، اگر باقی کزنز بھی ساتھ ہوتیں تو ہاتھ میں Lays کا پکٹ ہوتا یا پھر زیادہ تر ارفع کی تیارہ کردہ ہلکی پھلکی ڈش باتوں کا حرہ بڑھا دیتی اور اسے یاد تھا انٹری ٹیسٹ کی تیاری کی دوران کیسے سب نے اس کا خیال رکھا تھا، ارفع

سے کچھ پکوانے کی فرمائش کرنے کی بجائے اس کے لئے خود کچھ نہ کچھ بنا رہی ہوتی تھیں، بس یہ چلا کہ ارفع کی جگہ اس کا سیلپس بھی یاد کر لیتیں، کیونکہ ارفع نے بارش کا پہلا قطرہ بنا تھا، اس کے بعد ٹیپ اور چھوٹی سی صبا کی بھی خواہش تھی ڈاکٹر بنا، ارفع اس فیلڈ میں آ جاتی تو ان کے لئے آسانی ہو جاتی، اچھی رہنمائی مل پاتی مگر اب..... یہ سب خواب و خیال ہوا۔

اپنے اپنے پورشن میں بھی یقیناً سکول، کالج اور آفس کے لئے تیاری کر رہے تھے، اسے وہاں تنہا بیٹھے کافی دیر ہو چکی تھی زارا اور ٹیپ کی کالج وین کا ہارن سنائی دیا تو باہر آئیں، مین گیٹ چونکہ ایک ہی تھا اس لئے باہر نکلنے سے پہلے جبران چاچو کے پورشن کی طرف نظر اٹھی تو ارفع اپنے لان میں بیٹھی دکھائی دی، وہ دونوں جانے سے پہلے ارفع کے پاس آئیں، خیریت معلوم کی اور اسے کمرے سے باہر دیکھ خوش ہوئیں، اسی اثناء میں ہارن کی آواز پھر سنائی دی تو وہ ارفع سے معذرت کرتیں رخصت ہو گئیں۔

حنان بھائی آج اپنی مگرانی میں میزان کو آفس لے کر جانے کے خیال کے ساتھ لئے ہوئے آرہے تھے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ان کی نظر بھی ارفع پر پڑی تو وہ ادھر آ گئے۔

”ارفع! کیسی طبیعت ہے گڑیا؟“ ارفع نے چہرہ اٹھا کر حنان بھائی کو دیکھا، گلابی رنگت، زرد پڑ چکی تھی ہونٹ خیلے ہو رہے تھے اور چہرہ یوں سفید ہو رہا تھا کہ جیسے جسم میں خون ہی نہ ہو، میزان کا دل کٹ کر رہ گیا، ارفع کپکپا بھی رہی تھی، حنان بھائی کو اس کا لرزنا محسوس ہوا تو انہوں نے فوراً شفتاں کو آواز دے کر ارفع کی شال لانے کو کہا، پھر وہ اسے اس کے کمرے میں چھوڑنے آئے، عذرت چچی ارفع سے کچھ کھانے



And you are getting "late brother!"  
 حنان بھائی نے گاڑی  
 کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

جبران صاحب ناشتے کی ٹیبل پر پہنچے تو بیوی  
 کے پریشان چہرے پر نظر پڑی، پوچھنے پر انہوں  
 نے ارفع کی طبیعت خراب ہونے کے بارے میں  
 بتایا، یہ جان کر جبران صاحب بھی پریشان ہو  
 اٹھے، وہ ارفع کے کمرے میں آگئے۔  
 "ارفع! بیٹا کیا ہوا؟" انہوں نے بے  
 قراری سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں بابا! بس تھوڑی سی ٹھنڈ  
 لگ رہی تھی۔" وہ ایک خود دار باپ کی بیٹی تھی،  
 جانتی تھی کہ جبران صاحب نے اپنے طور پر بہت  
 ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد ہی یہ فیصلہ کیا تھا، سو  
 اب انہیں کیا بتانی؟ مگر کہنے کی ضرورت نہیں تھی،  
 سب نظر آ رہا تھا، اس کی فرماں برداری بھی اور  
 شکست و ریخت بھی۔

"بہادر بنو بیٹا!" وہ صرف یہی کہہ سکے اور  
 ارفع اپنی بہادری کو آزماری تھی۔

☆☆☆

حنان صاحب دادا جان کے ساتھ جبران  
 چاچو کی طرف آیا تو وہ گھر ہی یہ تھے، عذرت چچی  
 فوراً چائے لانے کے لئے انہیں مگر دادا جان نے  
 منع کر دیا، بلکہ انہیں بھی پاس بیٹھنے کو کہا، سب  
 لوگ لاؤنج میں بیٹھ گئے دادا جان نے ارفع کی  
 طبیعت پوچھی حنان نے انہیں ارفع کی طبیعت کا  
 نہیں بتایا تھا۔

"بس ٹھیک ہی ہے اباجی!" عذرت چچی اتنا  
 ہی کہہ سکیں۔

"جبران! تم نے ارفع کے لئے کیا فیصلہ کیا  
 ہے؟" اب کی بار اباجی نے براہ راست بیٹے

کا پوچھنے آرہی تھیں وہ اسے دیکھ کر پریشان ہو  
 گئیں۔

"پریشان نہ ہوں چچی! ارفع کو کمزوری کی  
 وجہ سے سردی لگ رہی ہے۔" حنان بھائی نے  
 تسلی دی اور ارفع کے لئے گرم دودھ منگوانے کو  
 کہا، ارفع کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں گویا  
 اتنے دنوں سے وہ جس شکست و ریخت کے عمل  
 سے گزر رہی تھی اب اس شکست کو مان لیا تھا،  
 ارفع نے بمشکل دودھ کا آدھا گلاس ختم کیا۔

حنان بھائی نے اپنی نگرانی میں میڈیسن  
 کھلائی اور تھوڑی دیر بعد ضروری کال کا کہہ کر  
 وہاں سے آگئے، میزان چاہتا تھا کہ وہ ارفع کو تسلی  
 دے مگر جانتا تھا کہ وہ لفظوں سے نہیں بہلے گی، سو  
 کچھ دیر بعد وہ بھی باہر آ گیا۔

اس کا خیال تھا کہ حنان بھائی آفس جانے  
 کے لئے گاڑی میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے  
 ہوں مگر اس وقت وہ حیران رہ گیا جب انہوں  
 نے گاڑی کی چابی اس کے ہاتھ میں دیتے ہوئے  
 اسے آفس جانے کو کہا۔

"کیا مطلب؟ میں اکیلا آفس جاؤں؟ اور  
 آپ؟" میزان نے حیرت سے پوچھا۔

"میں آج اپنے بھائی کا پرپوزل لے کر  
 جانے والا ہوں۔" حنان بھائی نے کہا۔

"ویسے تو اس طرح کے کام گھر کی بزرگ  
 خواتین کرتی ہیں لیکن بابا سے میری بات ہوئی  
 ہے وہ کہتے ہیں کہ دادا جان سے کہو کہ وہ جبران  
 چاچو سے ارفع کے رشتے کی بات کریں۔" حنان  
 بھائی کی سپدھی سی بات بھی میزان کو کچھ لمحوں بعد  
 سمجھ میں آئی۔

"یو آر گیت برادر (You are great brother)  
 میزان خوشی سے

بولے۔



سے پوچھا۔  
 ”ارفع اب بی ایس سی کرے گی اباجی! اور  
 گریجویشن مکمل ہونے تک ارفع کی شادی کر  
 دینے کا سوچ رہا ہوں۔“ جبران چاچو نے بتایا،  
 چہرے سے فکر مندی عیاں تھی۔  
 ”اور کہیں تم نے ارفع کا رشتہ بھی تو نہیں  
 طے کر دیا۔“

”کیسی باتیں کرتے ہیں اباجی! آپ کی  
 رضا مندی اور علم میں لائے بغیر ہم ایسا کیسے کر  
 سکتے ہیں؟“ چچی بولیں۔

”اور کہاں رشتہ کریں گے اس کا فیصلہ بھی  
 آپ ہی کریں گے۔“

”ہوں۔“ اباجی نے اطمینان کی سانس  
 بھری۔

”تو اگر میں ارفع کا رشتہ طے کر دوں تمہیں  
 کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟ مجھے ارمغان نے  
 اپنے بیٹے کے لئے کہا کہ تم سے بات کروں۔“  
 چچی تو ان کی بات سن کر کھل اٹھیں اور  
 جبران چاچو نے حیران نظروں سے حتان کو دیکھا  
 ان کا کم گو اور بالکل سا بے بسی، جب سے انہوں  
 نے اس کے خلوص کو ٹھکرایا تھا تب سے ہی اس  
 نے امریکن سٹائل زندگی شروع کر دی تھی، اپنا  
 کام خود کرنے کی عادت (تو کیا اب وہ اس بات  
 پر راضی ہے؟)۔

”چاچو! ہم لوگ میزان کے لئے آئے  
 ہیں، میزان اگر چاہی بھی ابھی ایم بی اے کر کے آیا  
 ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ میں دو سالوں میں اپنا  
 مشترکہ بزنس خوب سیٹ کر چکا ہوں لہذا سمجھیں  
 کہ میزان اپنے پاؤں ہی پر کھڑا ہے۔“ حتان  
 نے وضاحت کی۔

”مزید یہ کہ میں اس وقت یہاں ارفع کا بڑا  
 بھائی بن کر بیٹھا ہوا ہوں، اگر آپ نے انکار بھی

کیا تو دھولس سے منوالوں گا، دادا جان میرے  
 ساتھ ہیں۔“ حتان اٹھ کر چاچو کے پاس آ بیٹھا۔  
 چچی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ فوراً سے  
 پیشتر ہاں کہہ دیں، انہوں نے شوہر کی طویل  
 خاموشی سے گھبرا کر اباجی کی طرف سے مدد طلب  
 نظروں سے دیکھا۔

”ہاں بھئی بر خودار! تمہیں کوئی اعتراض،  
 یقیناً نہیں ہوگا۔“ اباجی نے قدرے ڈپٹے ہوئے  
 ”نہیں“ پر زور دیا۔

”نہیں اباجی! جیسے آپ کو مناسب لگے۔“  
 چاچو دھیمے سے بولے۔

اباجی نے سکون کا سانس بھرا، چچی کی بھی  
 رکی ہوئی سانس بحال ہوئی، انہیں خدشہ ہی تھا  
 شوہر کی طرف سے، بیٹی اتنے محبت کرنے والے  
 لوگوں میں رہتی اس سے بڑھ کر اچھی بات بھلا کیا  
 ہوتی؟

”شکریہ چاچو!“ حتان مسکرایا۔  
 جبران چاچو نے حتان کو دیکھا جس کے  
 خلوص اور محبتوں نے انہیں زیر کر لیا تھا، انہوں  
 نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

☆☆☆  
 حتان چاہ رہا تھا کہ وہ ارفع کو جا کر بتائے  
 مگر چچی نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ ”مشرقی  
 بھائی“ بہنوں سے براہ راست اس طرح کی  
 باتیں نہیں کرتے، ”مائیں“ کرتی ہیں، سواب وہ  
 میزان کو فون پر بتانے کے بعد دادا جان کی اپنے  
 پاپا سے بات کروانے لگا۔

پاپا سے تفصیلی بات ہو چکنے کے بعد میزان  
 کے موبائل پہ پیج بھیجا کہ لٹچ گھر آ کر کرے لیکن  
 آتے ہوئے سب گھر والوں کے لئے اچھا سا چائے  
 پیک کروا لائے، گھر میں اس وقت دادا جان اور  
 چچیاں ہی تھیں سب کے لئے یہ خبر خوشگوار ہوا کا



جھوٹا ثابت ہوئی۔

لنچ کے بعد حنان بھائی اور میزان، ارفع کی طرف آئے، دستک کے جواب میں ارفع کی کمزور اور قدرے تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔

”لیس آجیئے۔“ دونوں اندر آ گئے۔

میزان پر نظر پڑتے ہی ارفع بوکھلا اٹھی مگر جب حنان بھائی نے آگے بڑھ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو اس نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔

”ارفع! ایسے کیوں رو رہی ہو؟“ حنان بھائی نے نرمی سے پوچھا۔

”حنان بھائی! میں ڈاکٹر نہیں بن سکتی، میری ایجوکیشن بھی کمپلیٹ نہیں ہوئی۔“

”Take it easy Arfa!“ یہ سب تمہارے ڈاکٹر بننے ہی کے لئے کیا ہے۔“ حنان بھائی نے تسلی دی۔

”بے فکر رہو ارفع! تم ڈاکٹر ضرور بنو گی۔“ میزان نے بھی حوصلہ بڑھایا۔

”یہ دیکھو!“ حنان بھائی نے میڈیکل کالج کے ایڈمشن فارم اس کے سامنے رکھ دیئے۔

”انہیں فل کر دو، باقی سب مجھ پہ چھوڑ دو۔“ ارفع حیرت زدہ تھی وہ تو سمجھ بیٹھی تھی کہ اب اس کا خواب خیال ہوا مگر..... میزان کا حوصلہ بڑھاتا انداز..... حنان بھائی کی تسلی اور سامنے پڑے ہوئے فارم..... ایک خواب کی سی کیفیت میں اس نے فارم فل کرنا شروع کر دیئے۔

☆☆☆

شام کو سب کزنز ارفع کے کمرے میں جمع تھیں، سب کے لئے ہی یہ خبر بہت خوش کن تھی، بہت دنوں بعد ارفع بھی دل سے مسکرائی تھی، ارمغان تایا اور بتائی ایک ہفتہ بعد آرہے تھے اس لئے ایک اچھا فنکشن متوقع تھا، خاندان میں اس طرح کا پہلا فنکشن تھا، سب کزنز کو ایک ہی ٹکر

لاحق تھی اچھے سے ڈریس، جوتے، جیولری۔

ارفع سے یہ جان کر انہیں بہت خوشی ہوئی کہ وہ مزید تعلیم جاری رکھ سکے گی، اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر بکس پھر نظر آنے لگی تھیں، دن گویا پر لگا کر اڑ گئے، تایا تائی آ گئے تو دو دن بعد فنکشن رکھ دیا گیا، چچاں مل کر دونوں طرف کی خریداری اور تیاری کر چکی تھیں جبران چاچو کا ارادہ صرف ممکنہ کا تھا مگر دادا جان نے نکاح کا کہہ دیا، جبران چاچو کے دل کو کچھ ہوا اتنی جلدی..... لیکن اباجی کا کہنا کیسے ٹال سکتے تھے، میزان کی گویا دلی مراد بھر آئی۔

☆☆☆

فنکشن والے دن مہمان بس قریبی لوگ تھے، البتہ بچوں کو خوب اجازت تھی فرینڈز کو بلانے کی، فنکشن گھر ہی پہ ارمغان چچا کے لان میں رکھا گیا، اسٹیج بھی تیار کر دیا گیا، زارا کی ایک دوست نے بیوٹیشن کا کورس کیا ہوا تھا، اس نے ارفع کو تیار کر دیا، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں نمایاں ہو کر ارفع کو مزید خوبصورت بنا رہی تھیں، میزان بھی سفید شلوار میٹھ کے ساتھ براؤن شال گلے میں سجائے بہت ڈینٹ لگ رہا تھا، سبھی نے خوبصورت کپل کو سراہا۔

نکاح کے بعد سبھی کزنز نے دونوں کو گفٹس دیئے، کھانے کا دور چلا تو میزان پھر ارفع کے پاس اسٹیج پر آ گیا، ارفع ابھی تک چچاؤں کے کیش پرائز گفٹس ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیٹھی تھی جن کے اوپر لکھا تھا ”پیاری بیٹی ارفع کے لئے۔“

”بھئی ان محبت ناموں کے اندر بھی تو جھانکو نہ۔“ میزان کی شوخ و شرارتی آواز سن کر ارفع نے نظریں اٹھائیں پھر فوراً ہی شرما کر جھکا لیں۔

ارفع نے ایک ایک کر کے سب کو کھولا ہر



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



ایک میں سے کیش کی بجائے پانچ پانچ لاکھ مالیت کے چیک نکلے، ارفع حیران رہ گئی۔

”میں نے ہی سب کو یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ ارفع کے لئے جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔“ میزان نے بتایا۔

”مگر میرے میڈیکل کے سب واجبات تو حنان بھائی کلیئر کر دیا چکے ہیں، آپ نے یہ سب کیوں کیا؟“ ارفع حیران تھی۔

”چچران چاہو کہ یہ بتانے کے لئے کہ بیٹیاں سبھی ہوتی ہیں، محبت ان کا حق ہے اور بانی کا فرض..... اس لئے سب کو اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور دیکھو میں نے بھی اپنی محبت کا فرض ادا کیا ہے۔“

”آپ نے کب کہا؟ ماما بتا رہی تھیں حنان بھائی نے یہ سب کیا ہے، انہوں نے پاپا کو منایا ہے۔“ ارفع نے اپنی معلومات بہم پہنچائیں، صبا، میزان بھائی کے لئے کھانے کی پلیٹ تیار کر لائی تھی۔

”اور حنان بھائی نے اتنا مشکل کام کیا کس کے لئے ہے؟ میرے لئے نا۔“ میزان نے صبا کے ہاتھ سے پلیٹ لیتے ہوئے کہا۔

صبا اب اپنی پلیٹ لئے ارفع کے ساتھ بیٹھ کر کھانے کے لئے اصرار کرنے لگی۔

ارفع نے ایک نظر میزان پر ڈالی محبت اور وفا کا پیکر، جس نے کوئی لمبے چوڑے عہد و بیان نہیں باندھے تھے لیکن سب کو وفا کی ڈور سے باندھ دیا تھا۔

”او کے مان لیا۔“ ارفع نے بہت آسانی سے مان لیا، میزان نے ارفع کو دیکھا، پھر مسکرا دیا، ارفع اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔

کسی خوش نگاہ ہی آنکھ نے یہ کمال مجھ پہ کرم کیا

میرے لوح جاں پہ رقم کیا وہ جو ایک چاند سا حرف تھا، وہ جو ایک شام سا نام تھا

وہ جو ایک پھول سی بات پھرتی تھی در بدر اسے گلستاں کا پتہ دیا

میرا دل کہ شہرِ ملال تھا، اسے روشنی میں بسا دیا بہم کیا

میرے آئینوں پہ جو گرد تھی ماہ و سال کی وہ اتر گئی

وہ جو دھند تھی میرے چار سو، وہ بکھر گئی سبھی روپِ عکسِ جمال کے

سبھی خوابِ شام وصال کے

وہ جو غبارِ وقت میں تھا سر بسر آئے ہوئے وہ چمک اٹھے

لئے سات رنگِ بہار کے

چلی میں جو سنگِ بہار کے

کسی شعبہ ساز نے

میرے نام پر میرے واسطے

میری بے گھری کو پناہ دی

میری جستجو کو نشاں دیا

جو یقین سے بھی حسیں ہے

مجھے ایک ایسا گماں دیا

وہ جو ریزہ ریزہ وجود تھا

اسے ایک نظر میں بہم کیا

کسی خوش نگاہ ہی آنکھ نے

یہ کمال مجھ پہ کرم کیا

☆☆☆



# دوست کا ہنس سہرا

عابی ناز

کا نشانہ بنا ڈالا، زیادتی کے بعد ہتھوڑیاں مار مار کر ہلاک کرنے کی ناکام کوشش، بچی کا چہرہ بری طرح مسخ، زندگی کی آخری سانس پوری کرتی صائمہ کے غریب والدین انصاف کی بھیک مانگنے پر مجبور۔

”جوئے باز افتخار اپنی بیوی اور بیٹی سے جسم فروشی کا دھندا کروانا رہا، انکار کی صورت میں تیزاب چھڑ کر بری طرح جھلسا دیا، پرسان حال کوئی نہیں۔“

”یقیناً ہم میں سے ہر ایک نے اس طرح کی کئی خوفناک اور لرزا دینے والی خبریں پڑھی، دیکھی اور سنی ہوں گی یہ اور اس جیسی ہزاروں ماتم کناں سرخیاں روزانہ اخبارات کی زینت بنی ہماری نظروں کے سامنے ہوتی ہیں، لیکن ہر بار ہم چند منٹ کے سوگ اور افسوس کے بعد بالآخر پھر سے اپنے اپنے کام دھندوں میں مشغول ہو جاتے ہیں جبکہ کچھ لوگ ایسے انسانیت سوز واقعات کو دیکھ کر بھی ”دوسروں کا مسئلہ ہے“ کہتے ہوئے درخور اعتناء نہیں جانتے اور باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر کہتے ہیں ”شکر ہے کہ یہ سب ہمارے ساتھ یا ہمارے کسی ”اپنے“ کے ساتھ نہیں ہوا۔“

انسانی تاریخ کے اوراق ایسے لاکھوں المناک اور اندوہ ناک واقعات سے ساہ ہو گئے لیکن ان ”قسمت کی ماریوں“ کے لئے کوئی مسیحا نہ آیا جو ہاتھ ان کی مدد کے لئے بڑھاوہ کاٹ دیا گیا جو قدم ہمدردی میں اٹھا روک دیا گیا ”بنت حوا“ کے نازک وجود کی نگہداشت کرنے والے

زمین پھٹی نہ آسمان رویا  
حوا کی بیٹی لٹتی رہی  
”کھر والہ سے تین سالہ بچی کی زیادتی کے بعد مسخ شدہ لاش پر آمد“ تین سالہ نائلہ کو بیس سالہ جوان نے زیادتی کا نشانہ بنانے کے بعد بے دردی سے قتل کر کے کھیتوں میں پھینک دیا، تین دن تک معصوم بچی کی بے گور و لٹن لاش کھیتوں میں پڑی سڑتی رہی جہاں گدھ اور کتے اسے نوچ نوچ کر کھاتے رہے۔“

”گوجرانوالہ میں گھریلو ناچاقی اور تنازعات کے انتقام میں چوہدریوں نے گھر میں کام کرنے والی 45 سالہ زینب بی بی کو محلے کی گلیوں میں برہنہ کر کے دوڑا دیا، چوہدری فراز کی بہن گھریلو ملازمہ زینب بی بی کے بھائی کے ساتھ فرار ہو گئی تھی انتقاماً فراز نے موصوف کی غریب اور بیوہ بہن کو مکمل طور پر بے پردہ کر کے سارے محلے کی گلیوں میں دوڑا دیا، عوام اور حکومت خاموش تماشائی بنے رہے۔“

”کالج جاتی ہوئی ارسہ شہباز کو گن پوائنٹ پر چار لڑکوں نے اغواء کر لیا، ایک ماہ تک درندوں کی حراست میں رہنے اور ان کی ہوس کا نشانہ بننے والی ارسہ شہباز گھر لوٹنے پر انصاف کی دہائیاں دیتی تھک گئی، کوئی شنوائی نہ ہونے پر خود پر تیل چھڑک کر آگ لگالی۔“

”ایک سال کی صائمہ کو اس کا بہنوئی ریاض اپنی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اپنی بیٹی بنا کر گھر لے گیا، لیکن موقع پاتے ہی معصوم بچی کو زیادتی





آتش گردوں سے بچانے کی تک دو یو میں خود بھی  
جھلس گئی۔

نہ کوئی تجھ سے رحم کی بھیک نہ اور ہی کوئی صلہ چاہے  
کسی جلتے کو بچانے کے لئے لگ میں کھٹکھٹا چلے  
میں ہر حال میں ظلم کو رد کوں گی جہاں تک ہو سکے

ہی اسے نوچنے لگے جب محافظ ہی لٹیرے بن  
جائیں تو اس آشیاں کے اجڑنے میں کوئی شک  
کیسے رہتا ہے؟ آئے قارئین آج میں آپ کو  
ایک ایسی لڑکی کی کہانی اس کی زبانی سناؤں جو  
حالات کے جہنم میں جھونکی گئی ایک معصوم لڑکی کو



مجھ دنیا سے کچھ نہیں لینا صرف اپنے رب کی رضا چاہیے  
شہروں کی بھاگتی دوڑتی زندگی میں جہاں  
ہزاروں درندے گھات لگائے بیٹھے ہیں وہیں  
گاؤں کی جہالت میں بھی سینکڑوں بھیڑیے منہ  
کھولے ہوئے ہیں، شہری زندگی میں گھروں سے  
باہر نکلنے والی عورت غیر محفوظ ہے تو گاؤں میں گھر  
کی چار دیواری میں مقید صنف نازک بھی سہمی  
ہوتی ہے، قارئین کرام نازش رحمن کی بیان کردہ  
اس اندوہ گیس داستان کو دیدہ گریاں سے سینئے اور  
دیدہ عبرت سے دیکھئے۔

☆☆☆

میں نازش رحمن ابھی تین سال کی تھی جب  
ماموں مجھے اپنے ساتھ شہر لے گئے تاکہ میں بھی  
ان کے بچوں کی طرح پڑھ لکھ سکوں، میں اپنے  
گاؤں کی ان خوش نصیب لڑکیوں میں سے ایک  
تھی جو شاید قسمت سے ہی پڑھ سکتی تھیں اور پھر  
میٹرک سے زیادہ تو چوہدریوں کی لڑکیوں میں  
سے بھی کوئی نہ پڑھی تھی اور اگر کوئی لڑکا صدیوں  
بعد ایسا پیدا ہوتا جو زیادہ پڑھ لکھ جاتا تو وہ دوبارہ  
بھی گاؤں کا رخ نہ کرتا میرے ماموں کی طرح،  
میں نے اے تک تو شہر میں بہت اچھے طریقے  
سے پڑھا مگر پھر گاؤں سے اماں ابا کے واپسی پر  
اصرار اور ماموں کے پنڈی تبادلے کی وجہ سے  
مجھے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کر واپس گاؤں آنا پڑا،  
مجھے اپنا ماسٹر نہ کر سکنے کا دکھ بھی تھا مگر اس بات کی  
خوشی بھی کہ میں پورے گوٹھ کی واحد اتنی پڑھی لکھی  
لڑکی ہوں ویسے بھی مجھے اپنے گاؤں کی کھلی فضا  
اور مٹی سے بے حد پیار تھا سو میں خوشی خوشی چلی  
آئی، مگر پچھلے ڈیڑھ ماہ سے میں جس طرح  
چوہدری صاحب کی سختی اور عزت و غیرت کے  
واقعات سن رہی تھی وہ پہلے تو میرے لئے عجیب  
تھے مگر اب پریشانی کا باعث بھی، آج بھی خالہ

جیا اور اپنی اماں کے الفاظ سن کر میں ساکت رہ گئی  
کہ یہ لوگ اس معاملے میں کتنے Rigid اور  
سخت تھے، خدا جانے غلط تھے یا صحیح؟

”بھئی سچ تو یہی ہے کہ ہمارے چوہدری  
صاحب میں بڑے ہی غیرت والے اور باعزت  
آدمی، مجال ہے جو ذرا سی بھی بے حیائی برداشت  
کریں پھر ایسی ”نجو“ جیسی کلمہ ہی اور بے شرم  
لڑکیوں کی سزا تو یہ ہی ہونی چاہیے کہ انہیں بے  
دردی سے پتھر اور جوتے مار مار کر گاؤں والوں  
کے لئے عبرت بنادیا جائے، اچھا کیا جو چوہدری  
صاحب نے گولی سے اڑا دیا اس کو۔“

خالہ جیا (رضیہ) جو پچھلے ایک گھنٹے سے  
اماں کے سامنے چوہدری صاحب کی قصیدہ گوئی  
میں رطب اللسان تھی اپنی مولیٰ سی ناک کو قدرے  
چڑھا کر بولی تو ان کی بات سن کر میری روح تک  
کانپ اٹھی مگر میں ضبط کیے کمرے کی کھڑکی کے  
پاس گونے میں بیٹھی رہی، کافی دیر بعد جب خالہ  
دل کی بھڑاس نکال کر اپنے گھر جانے کے لئے  
نکلے تو میں بھی اٹھ کر اماں کے پاس صحن میں چلی  
آئی۔

”اماں یہ نجو کو کیوں مارا چوہدری صاحب  
نے؟“ دل میں چبھتا کاٹا سوال بن کر بالآخر  
میری زبان تک آ ہی گیا۔

”بس بیٹا بے حیا تھی ماں باپ کی عزت کا  
ذرا سا بھی پاس نہ رکھا کاری تھی وہ اور کاری کی  
سزا موت ہی ہوتی ہے۔“ اماں کا آنچ دیتا نفرت  
سے بھر پور لہجہ دیکھ کر میری آنکھوں میں آنسو جمع  
ہونے لگے تو اماں فوراً پکھل گئی اور نرمی سے مجھے  
اپنے پاس بٹھاتے ہوئے بولی۔

”دیکھ نازی یہ عزت والے غیرت مند  
لوگوں کا گاؤں ہے، یہاں ماں باپ کی عزت  
پامال کرنے والی لڑکیوں کو یہی سزا ہے، جو



خاندان کی عزت کا خیال نہ کرے پھر اس کا خیال بھلا کون کرے؟ پر تو دل چھوٹا نہ کر۔“ اماں نے ہاتھ میرے سر پر رکھ کر مجھے پکارا۔  
 ”میری نازی دھی تو تو بڑی پڑھی لکھی اور عقلمند ہے نا اتنی سی بات پر روتے نہیں چپ کر شاباش۔“

”یہ اتنی سی بات ہے اماں کسی انسان کی جان چلی جائے اور ہمیں افسوس تک نہ ہو۔“ مجھے اماں کی بات سن کر حقیقتاً دکھ ہوا تھا، مگر وہ میری بات پر تپ گئی۔

”وہ بے غیرت تھی نازی اور اب دیکھ تو اس کی ہمدردی کرنا بند کر تیرے باپ یا بھائی نے سن لیا نا تو تیری جان کو بھی آجائیں گے۔“  
 ”اور سن۔“ وہ قدرے آواز دبا کر ناصحانہ انداز میں بولیں۔

”وہ تو تجھے سمجھانے کی ضرورت نہیں تو خود پڑھی لکھی ہے مگر پھر بھی پتر بھی کسی کج رویا بے حیا لڑکی سے دوستی مت کرنا تو ہماری دھی ہے ہماری عزت اب تیرے ہاتھ میں ہے اور یاد رکھ اگر تو نے کوئی ایسی ویسی غلطی کی تو کسی سے بھی رحم یا معافی کی امید مت رکھنا۔“ بات ختم ہونے تک اماں کے لہجے میں پھر وہی سختی اور سختی در آئی تھی، مجھے تنبیہ کر کے اماں گھڑا اٹھائے نکلے پر چل دی مگر میں وہی بیٹھی اماں کی سفاک لہجے میں کہی گئی بات میں کھو گئی، ان کا انداز مجھے ہولانے کے لئے کافی تھا۔

☆☆☆

”پتہ ہے نارش ایک بار بے بے زینب نے اپنا کھیس (موٹی چادر) دھو کر دیوار پر سوکھنے کے لئے ڈالا تو گلی میں گزرتے ہوئے بابا عالم نے وہ کھیس چپکے سے اڑایا اور اپنے گھر میں چھپا کے رکھ لیا، ادھر تیری بے بے زینب نے جب کھیس

اپنی جگہ پر ناپایا تو پورے گاؤں میں شور مچا دیا کہ ہائے میرا کھیس چوری ہو گیا ہے، معاملہ چوہدری کی پنجاہیت تک پہنچ گیا، سب پوچھ چکے ہوئی تلاشی لی گئی مگر کھیس نہ ملا۔“ لالی ایک پل کو سانس لینے کو رکی ادھر میں پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی سو وہ پھر شارٹ ہو گئی۔

”پتہ ہے پھر چوہدری صاحب نے کیا کہا انہوں نے اعلان کیا کہ وہ کھیس جس کے پاس سے بھی ملا اسے پانچ سو روپیہ جرمانہ دینا ہو گا چوہدری صاحب کی بات سن کر بابا عالم یک دم غصے سے کھڑا ہو گیا اور منہ پھلا کر بولا، چوہدری جی یہ بھی کوئی بات ہے بھلا پھنسا پرانا سا تو وہ کھیس ہے اگر میں نے اس کا پانچ سو دینا ہے تو اس سے بہتر ہے میں اتنے پیسوں کا نیا ہی لے آتا۔“ یوں اس نے پوری پنجاہیت میں اپنی چوری خود ہی پکڑا دی۔“

بات پوری کر کے لالی (لالی) نے خود بھی زور و شور سے ہنسنا شروع کر دیا، جبکہ میرا تو بابا عالم کی معصومیت بھری بیوقوفی پر لوٹ پھوٹ کر ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا، اس وقت ہم سبزیوں کے کھلے کھیت میں بیٹھی بادلوں سے ڈھکے اس خوبصورت موسم کو انجوائے کر رہی تھیں، لالی اس گاؤں کی وہ خوبصورت ترین لڑکی تھی جس نے مجھے بے حد متاثر کیا پھر اس کی معصومیت بھری گفتگو نے مجھے اس سے دوستی کرنے پر مجبور کر دیا، وہ قدرے سہمی ہوئی سادہ سی لڑکی تھی اس کی خوب گوری اور کھلتی رنگت پر گہری سیاہ آنکھیں اور ان کی چمک خود بخود دیکھنے والوں کو اٹریکٹ کرتی تھی، مگر وہ خود کو بھلائے ہر وقت مجھ پر اور میری قسمت پر رشک کرتی تھی۔

”نازی تو بڑی خوش نصیب ہے جو اتنا بڑھ لکھ گئی ورنہ تو مجھ جیسی بد نصیب لڑکیاں چاہ کر بھی

مارچ 2015

225

حصہ



پڑھ نہیں پاتیں۔“ وہ آنکھوں میں حسرت سموئے  
مجھے دیکھتی تو مجھے بے اختیار اس سے ہمدردی  
ہونے لگتی۔

”ابھی فی الحال تو لالی تو چل میرے ساتھ  
ڈیرے پر۔“

”ڈیرے پر..... مگر چوہدری صاحب جی  
میں نے تو ابھی اپنے اماں بابا سے نہیں پوچھا۔“  
اس کی گھبراہٹ چہرے سے نمایاں تھی، ججھی  
چوہدری نے تیزی سے اس کی بات کالی۔

”او نہیں پوچھا تو میں کیا کھانے لگا ہوں  
تجھے، ایک بار ان کو بتا دینا کہ چوہدری نیاز کے  
ساتھ گئی تھی پھر کسی کی کیا مجال کہ کوئی کچھ کہے۔“  
اس نے اپنی غرور سے اکڑی گردن کو مزید اٹھا  
دیا۔

”وہ تو ٹھیک ہے چوہدری جی مگر گاؤں  
والے باتیں کرتے ہیں، آپ کو تو کوئی کچھ نہیں  
کہے گا مگر میری شامت آجائے گی اور مجھے تو جی  
ان لوگوں اور اپنے اماں بابا سے بہت ڈر لگتا  
ہے۔“ وہ نظریں جھکا کر ایک بار پھر انکار کرنے  
لگی تو چوہدری نے آگے بڑھ کر سختی سے اس کا  
ہاتھ پکڑا۔

”اوائے کس کی جرأت ہے اتنی، ہماری  
مرضی کے بغیر تو پرندہ بھی پر نہ مارے پر، دیکھتا  
ہوں میں کیسے کرتے ہیں یہ بات؟“ وہ اسے پکڑ  
کر آگے بڑھنے لگا تو لالی نے میری طرف مدد  
طلب نظروں سے دیکھا اور مجھے یوں پکارا جیسے  
میں کوئی مسیحا ہوں جو اسے سخت گرفت سے نجات  
دلا دے گا۔

”نازی!“ اس کے یوں پکارنے پر میں  
نے بڑے حل سے چوہدری کو مخاطب کیا۔

”دیکھئے چوہدری صاحب جب لالی ابھی  
نہیں جانا چاہ رہی تو آپ زبردستی کیوں کر رہے  
ہیں؟ تھوڑی دیر بعد وہ خود اپنی اماں کے ساتھ آ

”لالی میرے خیال سے کافی دیر ہو گئی ہے  
چلو جلدی گھر چلیں۔“ میرے کہنے پر ہم دونوں  
تیز تیز قدم اٹھاتی واپس آنے کے لئے بڑھیں  
تب ہی ایک جیپ تیز رفتاری سے آکر ہمارے  
سامنے رکی۔

”چھوٹے چوہدری جی آپ؟ السلام علیکم!“  
لالی نے جلدی سے گھبرا کر جیپ سے برآمد  
ہونے والے آدمی کو سلام جڑ دیا۔

”وعلیکم السلام، کہاں گئی ہوئی تھیں تم  
دونوں؟“ بڑی بڑی مونچھوں والے اس آدمی  
نے بڑی بھاری اور بارعب آواز میں درشتی سے  
پوچھا۔

”جی وہ چوہدری جی یہ نازی کہہ رہی تھی کہ  
موسم کافی اچھا ہو رہا ہے تو..... تو تھوڑی دیر  
کھیتوں سے ہو آئیں اسے کھیت بڑے پسند ہیں  
نا۔“ وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش  
کرتے ہوئے تفصیلاً بولی، جبکہ میں ابھی تک اس  
آدمی کا بغور معائنہ کرنے میں مصروف تھی، بڑی  
مونچھوں اور لال سرخ آنکھوں کے ساتھ چہرے  
پر کڑھکی لئے وہ شخص کہیں سے بھی شائستہ  
یا مہذب نہیں لگ رہا تھا میں بہت اعتماد سے  
کھڑی تھی تبھی وہ شخص ایک نظر مجھ پر پھینک کر  
دوبارہ گویا ہوا۔

”تم دونوں اکیلی کیوں آئی ہو؟ اور یہ وہ  
مانے (رحمن) کی بیٹی ہے نا جو شہر گئی تھی پڑھنے  
کے لئے؟“

”جی..... جی چوہدری صاحب۔“ میں  
ابھی تک خاموش ہی کھڑی تھی۔

”دیکھ لیں گے اس کو بھی۔“ چوہدری نے



جائے گی ڈیرے پر۔“  
 ”اوچل بس کرلو، تیرے جیسی شہر میں پڑھی  
 پئی عیاش اور اوباش لڑکی کے میں منہ بھی نہیں لگنا  
 چاہتا جو لڑکوں کے ساتھ پڑھنے لکھنے کے بہانے  
 نجانے کیا کیا کل کھلا آئی ہو۔“ چوہدری کے انداز  
 تنخاطب اور اس کے منہ سے نکلنے والی مجھے آگ  
 بگولا کر گئی۔

☆ ☆ ☆

کیتھوں سے واپسی پر گھر آ کر میں نے  
 اماں کو بابا اور بھائی کے سامنے ہی ساری بات  
 تفصیل سے بتائی تو بابا اور لالا ادریس نے میرا  
 گھر سے نکلنا بند کر دیا، میں نے احتجاج کرنا چاہا  
 تو لالا ادریس بولے۔

”دیکھ نازی ہمیں اپنی عزت بڑی پیاری  
 ہے اس کے لئے ہم تجھے گھر میں قید رکھنا تو کیا مار  
 بھی سکتے ہیں مگر کسی کی بات سننا ہمیں گوارا نہیں  
 ہے۔“ بھائی کا انداز ایسا دو ٹوک تھا کہ میں نے  
 خاموشی اختیار کرنے میں ہی عافیت جانی کیونکہ  
 شاید میں اپنے گھر والوں کے خیالات اور سوچ  
 بھی جان گئی تھی۔

تقریباً ڈیڑھ ماہ سے میں گھر میں بالکل قید  
 ہو کر رہ گئی تھی، اس دن کے بعد نہ لالی مجھ سے  
 ملنے آئی اور نہ ہی میں ان کے گھر جا سکی، ایک دن  
 بھری دوپہر میں لالی میرے گھر چلی آئی تو مجھے  
 اس کو دیکھ کر حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ اس کا گورا  
 سفید موتی جیسا رنگ بالکل پیلا زرد ہو رہا تھا اور  
 خوبصورت چمکیلی آنکھوں میں عجب وحشت اور  
 اداسی جھلک رہی تھی میں اس دن گھر پر اکیلی تھی  
 سو میں نے بے حد اصرار کر کے اس کی اس حالت  
 کی وجہ پوچھی تو تب وہ روتے ہوئے بولی۔

”نازی اس دن چوہدری سے ہونے والی  
 منہ ماری کے بعد میں نے کسی کو اس بارے میں  
 نہیں بتایا تھا کیونکہ بدنامی سراسر اپنی ہی ہوتی مگر

”چوہدری صاحب۔“ میری بلند آواز  
 چاروں طرف کھیتوں میں پھیل گئی۔

”اگر آپ میرے ساتھ تیز سے بات کریں  
 گے تو بدلے میں بھی آپ کی عزت کرونگی لیکن اگر  
 آپ یوں بدتمیزی دکھائیں گے تو میں بھی کوئی  
 لحاظ نہیں کرونگی سمجھے آپ؟“ میرا انگلی اٹھا کر  
 وارن کرنا چوہدری صاحب کو مزید بھڑکا گیا۔

”بہت گز بھر لمبی زبان ہو گئی ہے تیری لگتا  
 ہے کاٹنی پڑے گی، ٹھیک ہے دیکھ لوں گا میں تم  
 لوگوں کو بھی، آج تو میں جا رہا ہوں مگر یاد رکھنا یہ  
 گھڑیاں بہت مہنگی پڑیں گی تمہیں بدلہ تو چکانا  
 پڑے گا۔“ وہ سرخ انگارہ آنکھوں سے ہمیں  
 گھورتے ہوئے بولا۔

”جب وقت آئے گا تو دیکھ لیں گے ہمیشہ  
 ضروری نہیں کہ ہار عورت کے حصے میں ہی آئے  
 کبھی کبھی مرد کو بھی بدلہ چکانا پڑ جاتا ہے۔“ میں  
 نے بہت اعتماد کے ساتھ اس کے الفاظ اسی کو  
 لٹائے تو وہ زہر خند مسکراہٹ میری طرف اچھال  
 کر بولا۔

”ایک بات کھوپڑی میں بٹھا لینا بی بی کہ  
 تیرے یہ وحیات لیچر جو تو شہر سے سیکھ کر آئی ہے  
 یہاں کسی کام نہ آئیں گے اور دھیان سے سن  
 لے عورت چاہے شہر کی پڑھی لکھی ہو یا گاؤں کی  
 ان پڑھ رہے گی وہ عورت ہی جو نہ کبھی مرد کو ہرا  
 سکی ہے نہ ہرا سکے گی اور تم لوگوں کا انجام برا ہوگا



جانتی ہو اس کے ایک ہفتہ بعد ہی چوہدری نیاز نے میرا رستہ روکا اور کہا کہ وڈے چوہدری جی نے مجھے اپنے ڈیرے پر بلایا ہے اب کی بار اگر میں نہ گئی تو وہ مجھے زبردستی اٹھا کر لے جائے گا، میں بہت ڈر گئی تھی نازی اسی لئے اس کی دھمکی پر اس کے ساتھ چلی گئی مگر ڈیرے پر نہ تو وڈا چوہدری تھا اور نہ ہی کوئی اور اس نے مجھے دھوکا دیا تھا جھوٹ بولا تھا اور پتہ ہے نازی.....“ وہ رک کر میری طرف دیکھنے لگی۔

”اس چوہدری نے کیا کیا؟ اس نے اپنی بات پوری کر دی میری عزت میرا مان سب کچھ پھینک لیا مجھ سے۔“ وہ اب بلند آواز سے ہچکیوں میں رو رہی تھی جبکہ میرے پیروں تلے نہ زمین رہی تھی اور نہ سر پر آسمان، ہزاروں بم گویا ایک ساتھ میرے سر پر پھٹے تھے، کئی لمحے مجھ سے کچھ بھی بولا نہ گیا۔

”لالی تو نے..... تو نے گھر والوں یا وڈے چوہدری کو بتایا؟“ بہت دیر بعد میں نے ہمت کر کے اس سے استفسار کیا۔

”وڈا چوہدری جانتا ہے سب کچھ..... مگر وہ کمینہ بھی چوہدری نیاز کا ہی باپ ہے جو دوسروں کی بہنوں بیٹیوں پر الزام لگا کر انہیں تو بھری پنچایت میں گولی مار سکتا ہے مگر خود غیرت اور عزت کے نام تک سے واقف نہیں۔“ وہ حقارت سے بولی۔

”وڈے چوہدری کو میں نے بتایا تو اس نے الٹا مجھے ہی دھمکی دی کہ اگر میں نے کسی کو یہ بات بتائی یا اپنی زبان کھولی تو وہ مجھے اذیت ناک موت تو دے گا ہی مگر اس سے پہلے جو بدنامی اور رسوائی پورے گاؤں میں کروائے گا اس کے بعد لوگ میری لاش پر بھی تھوکیں گے، جبکہ وہ چوہدری تو پھر ویسے کا دیا ہی قابل عزت اور

محترم رہے گا۔“

”لیکن لالی تجھے کسی نہ کسی کو تو بتانا چاہیے تھا۔“

”کوئی فائدہ نہیں، سب مجھے ہی الزام دیں گے اور پھر چوہدری کا نام لینے پر تو کوئی مانے گا بھی نہیں کیونکہ وہ بہت محترم سمجھا جاتا ہے پر معاشرہ مردوں کا ہے وہ عورت کے ساتھ جیسا سلوک کرنا چاہے کریں گہنگار تو عورت ہی کہلائے گی، چوہدری نیاز نے جو کہا وہ کر دیا اور اب میں نہیں چاہتی کہ وڈے چوہدری نے جو کہا ہے وہ اسے بھی پورا کر دے، مگر میں کیا کروں میں اپنے اندر ہونے والی اس تبدیلی کو روک نہیں سکتی۔“ وہ ایک بار پھر بے بسی سے رونے لگی۔

”نازی میں..... میں اس چوہدری کے ناجائز بچے کی ماں.....“ وہ اپنی بات پوری نہ کر پائی تھی اور مجھے لگا جیسے پورے گھر کی چھت ”دھڑام“ سے میرے اوپر آگری ہو، جہاں عورت بہت نیچے دب گئی ہو، نجانے کتنی دیر ہم دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر روتی رہیں اور پھر اچانک میں نے اسے خود سے الگ کیا اور اک عزم سے بولی۔

”اب میں چپ رہنے والی نہیں لالی، بہت برداشت کر لیا ہم عورتوں نے ان کی نا انصافیوں کو، میں پورے گاؤں کو بتاؤں گی کہ چوہدری کس قدر گھٹیا اور ذلیل آدمی ہے، میں تمہارا ساتھ دوں گی میں گواہی.....“

”نہیں..... نہیں تجھے خدا کا واسطہ ہے نازی تو ایسا کچھ مت کرنا، مجھے بے گناہ ثابت کرنے کی تیری کوشش کام نہ آئے گی، یہ داغ جو میرے ماتھے پر کالک کی طرح لگ گیا ہے تو اسے مٹاتے مٹاتے خود اپنے ہاتھ کالکے مت کر لینا، یہاں کے لوگ تو پہلے ہی تیرے پڑھے لکھے



ہونے پر اعتراض کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سارا قصور تیری اس پڑھائی کا ہے جس نے تجھے منہ پھٹ اور مردوں سے بات کرنے والی بے حیا لڑکی بنا دیا، تجھے میری قسم تو ایسا کچھ نہیں کرے گی جس سے آئندہ کوئی گاؤں کا آدمی اپنی اولاد کو پڑھنے نہ دے۔“ وہ منت کرتے ہوئے بولی۔

”لیکن کیا فائدہ ایسی پڑھائی کا جس سے ہم کسی مظلوم کو اس کا حق بھی نہ دلا سکیں۔“ میں نے پھر سے کہا۔

”کس حق کی بات کر رہی ہو نازی جو سرے سے کبھی اس گاؤں میں مانا ہی نہیں گیا، تم اکیلی کچھ نہیں کر سکتی، رہی میری بات تو یہ ذلالت اور بے عزتی کی موت میرا نصیب بن گئی ہے۔“ وہ حد درجہ مایوس اور اداس تھی۔

”یہ جو ایک ایک پل گزر رہا ہے نا میرے لئے کسی نعمت سے کم نہیں مجھے اسی میں اپنی پوری زندگی جینا ہے، توبہ کرنی ہے، اپنے رب کو منانا ہے تاکہ ذلت کی اس موت کے بعد اگلی دنیا میں عزت پاسکوں میں جانتی ہوں یہ بات گاؤں والوں کو آج پتہ چلے یا کل بے قصور ہوتے ہوئے بھی قصور وار مجھے ہی ٹھہرایا جائے گا، یہاں تو کوئی کسی کی بہن بیٹی کی طرف انگلی اٹھا کر جھوٹی بات بھی کہہ دے تو وہ ساری زندگی کے لئے رد کر دی جاتی ہے صفائیاں دیتے دیتے اس کی عمر گزر جاتی ہے جبکہ یہاں تو ایک بہت بڑا ثبوت سچ کی صورت سامنے ہو گا پھر چوہدری کے مقابلے میں کون میری بات سنے گا؟ کون مانے گا تیری گواہی کو؟“

”لیکن.....؟“ میں نے کچھ کہنا چاہا۔

”لیکن ویکن کچھ نہیں نازی، بس تو اتنا احسان کرنا کہ ابھی یہ بات کسی کو نہ بتانا میرے پاس یہ جو چند گھڑیاں بچی ہیں انہیں مجھ سے مت

چھیننا، تو یہاں کے لوگوں کو نہیں جانتی ان جاہل گاؤں والوں اور چوہدری میں کوئی فرق نہیں میں اپنا بدلہ قیامت کے دن ان گاؤں والوں اور عزت و ناموس کے علمبردار بنے ان چوہدریوں سے خود لوں گی، جو نجو اور مجھ جیسی بے گناہ لڑکیوں کو موت کی سزا سنائے ہوئے خدا کی ذات کو بھول جاتے ہیں۔“ وہ میرے سامنے ہاتھ جوڑے رو رہی تھی جبکہ میں عالم تحریر میں کھڑی رہ گئی، کیونکہ میرے پاس بولنے کو کوئی لفظ نہیں تھا۔

☆☆☆

لالی کو میرے گھر آئے چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا، اس کے بعد وہ مجھے کبھی دکھائی نہ دی اور میں خود اس واقعہ کے بعد اس قدر وحشت زدہ ہو چکی تھی کہ گھر کے دروازے پر جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا اس دوران میں نے کئی بار اللہ کے سامنے لالی کے حق کے لئے دست سوال دراز کیا تھا، کئی بار رات کو سوتے میں ڈر کر آنکھ کھل جاتی تھی اور سوچتی تھی کہ نجانے اب کیا ہو گا لالی کے ساتھ؟

ایک صبح جب میں سویرے سویرے اٹھ کر نکلے پر ہاتھ منہ دھونے آئی تو اماں اپنی نئی موٹی چادر لپیٹ کر عجلت میں میرے پاس آئیں۔

”نازی دروازے کی کندی لگا لے میں چوہدری کی پہنچائیت میں جا رہی ہوں ذرا۔“

”پر کیوں اماں؟“ میرا دل انجانے خوف سے دھڑکا۔

”وہ گامے (غلام) کی بیٹی تھی ناں لالی وہ کمینی پتہ نہیں کس خبیث کی اولاد پال رہی تھی کوکھ میں، آج اسی کو لے کر گئے ہیں جرگے میں فیصلہ ہو گا، توبہ میرے خدایا، ایسی گھٹیا اور ذلیل اولاد سے تو بے اولاد ہونا بہتر ہے جو ماں پو کو وی نظر اٹھانے کے لائق نہیں چھوڑتے۔“ اماں اور



بھی نہ نجانے کیا کچھ بڑبڑاتی رہیں مگر میری سماعت تو مفلوج ہو چکی تھی، اماں کے جانے کے چند منٹ بعد میں اپنی چادر سنبھال لی ہوئی باہر نکل گئی، میرا رخ اب جرگے کی طرف تھا۔  
 ”توبہ توبہ کیسی میسنی نکلی یہ ٹکڑ ماری۔“

”بہت اچھا ہوا اگر چوہدری صاحب اس بے حیاء کا گلا کٹوا ڈالیں، ارے ایسی بے شرم تو دوسروں کی بہو بیٹیوں کو بھی خراب کر دے گی۔“  
 طرح طرح کی چہ گویاں ہو رہی تھیں، پنچائیت میں اتنا ہجوم تھا کہ جیسے پورے کا پورا گاؤں چوہدری کے ڈیرے پر جمع ہو گیا ہو، میں چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔

”ارے کھیتوں میں جاتی تھی کام کرنے وہیں نہ نجانے کس کے ساتھ گل کھلاتی رہی اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔“ میرے قریب کھڑی عورت ساتھ والی سے کہہ رہی تھی۔

”اے بے ہو گا کوئی دوسرے گاؤں کا وہاں بھی تو جاتی تھی کام کرنے اور ویسے بھی اپنے گاؤں کے تو سارے کے سارے مرد خود ہی اپنی عزت اور غیرت پر مر مٹنے والے ہیں پھر وہ کیوں ایسا کچھ کر دیں گے۔“ مجھے ان کی بے خبری اور جاہل پن پر بیک وقت غصہ اور ترس آ رہا تھا، نفرت سے ان عورتوں کو دھکیلتے ہوئے میں آگے بڑھی تو دیکھا کہ بڑے چوہدری پنچائیتی کرسی پر بیٹھے تھے جبکہ چوہدری نیاز اور اس کے دو بھائی علمبردار اللہ دتہ کے ساتھ آس پاس رکھی کرسیوں پر براجمان تھے، لالی پنچائیت کے بچوں بیچ سر جھکائے رو رہی تھی اس کے گھر کے تمام افراد وہاں موجود تھے۔

”میں نے بہت پہلے اس لڑکی کے لچھنوں سے آگاہ کیا تھا تجھے گائے پر تو نے وہی بے غیرتی دکھائی اور اس کو آزادی دیئے رکھی دیکھ لیا نیجواب

اس کا۔“ وڈے چوہدری صاحب پورے غضب سے دھاڑے جبکہ لالی کے باپ کا سر شرم سے زمین پر لگنے کو تھا۔

”اب تیرے رونے یا شرمندہ ہونے سے کچھ نہیں ہو گا مسئلہ پورے گاؤں کا ہے اگر تو واقعی عزت یا غیرت والا ہے تو پکڑ یہ کلہاڑا اور اتار دے اس بے شرم کی گردن۔“ الفاظ تھے یا کوئی بم میرے وجود کے تمام روٹکٹے کھڑے ہو گئے، چوہدری نیاز نے اٹھ کر کلہاڑا آگے کیا مگر گامے میں اتنی ہمت نہ تھی۔

”دیکھا..... دیکھا گاؤں والو، یہ ایک بے غیرت باپ ہے جس نے اپنی بیٹی کو بے حیائی پھیلانے کے لئے زندہ رکھا ہوا ہے۔“

”چوہدری نیاز ڈر..... ڈر خدا کے غضب سے اگر میرے ماں باپ نے مجھے بے حیائی پھیلانے کے لئے رکھا ہوا ہے تو تیرے ماں باپ نے تجھے کتوں کی طرح عیاشی کرنے اور دوسروں پر جھوٹے الزام کے لئے پال چھوڑا ہے۔“ ہجوم میں سنسناہٹ پھیل گئی۔

”ہاں میرے وجود میں پلتا یہ بچہ بے شک ایک کتے، کینے اور خبیث کی اولاد ہے اور وہ کتا کوئی اور نہیں صرف تو ہے تو، تھو ہے تیری اوقات پر۔“ جوش کی وجہ سے لالی کی آواز پھٹ رہی تھی۔

”بکو اس بند کر کینی۔“ نیاز نے ایک الٹے ہاتھ کا تھپڑ لالی کے منہ پر مارا تو لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا، وہ اسے بالوں سے پکڑتے ہوئے بولا۔

”جب کسی اور کا نام نہیں آیا تو میرا نام بھونک دیا، یاد رکھو میری غیرت مندی کا گواہ یہ پورا گاؤں ہے، تو جتنا چاہے ڈھنڈورا پیٹ لے اس گاؤں کا ایک بھی بندہ یہ بات نہیں مانے گا کہ



مجھ جیسا عزت دار آدمی یہ کام کر سکتا ہے۔“

”جانتی ہوں کوئی نہیں مانے گا، اس لئے تو چپ چاپ تمہارا فیصلہ سن رہی ہوں لیکن قیامت کے دن تجھے میرا تجھے میرا فیصلہ سننا ہو گا جب تیرا گریبان.....“

”چپ کر گھٹیا عورت، کر تو ت دیکھ اپنے اور باتیں دیکھ۔“ وہ اسے بالوں سے جھنجھوڑتے ہوئے ایک اور تھپڑ رسید کر چکا تھا، غصے کے مارے خون میری شریانوں میں ابلنے لگا۔

”ایسے دعوے کسی ثبوت کی گواہ کے برتے پر کئے جاتے ہیں ہمارے سامنے تو اتنا بڑا ثبوت ہے تیرے گنہ گار ہونے کا تیرے پاس کیا ثبوت ہے کہ تو سچی اور معصوم ہے کون گواہی دے گا؟“ وہ بولا۔

”میں دوں گی گواہی اس کے بے قصور ہونے کی، میں جانتی ہوں کہ یہ کام تجھ جیسے عزت کی آڑ میں بے غیرتی دکھانے والے انسان کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا ہے۔“ میں حلق کے بل چلاتی ہوئی آگے بڑھی تو چوہدری سمیت پنچائیت کے تمام افراد دنگ رہ گئے، چند عورتوں نے منہ پر ہاتھ رکھ کر دبی دبی آواز میں سرگوشیاں کیں۔

”یہ کون بدتمیز اور بدتہذیب لڑکی ہے جسے یہ بھی نہیں پتہ کہ مردوں سے بات کیسے کی جانی ہے؟“ وڈا چوہدری پھنکارا۔

”ابا یہ مانے کی دھی ہے جو شہر سے پڑھ کر آئی ہے، بہت پڑ پڑ کرتی ہے یہی سیکھتی رہی ہے یہ وہاں، لالی کیساتھ بہت پھرتی تھی یہ، اس نے پٹیاں پڑھائیں ہوں گی جیسی عیاشی پہ خود وہاں کرتی رہی ہے ویسی ہی اسے.....“ اماں ہجوم کو چیرتی ہوئی مجھ تک آنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”بس چوہدری اس دن بھی تو نے ایسی ہی بکو اس کی تھی جس دن میرا اور لالی کا راستہ روکا

تھا، تمہارے ذہنوں میں جو یہ خناس بھرا ہے نا یہ خدا کی پکڑ پر ایک جھٹکے سے نکل جائے گا تم جیسے بچ اور گندی ذہنیت کے لوگ بس اتنا ہی سوچ سکتے ہیں۔“ میں غصے سے بانپ رہی تھی، جبکہ مجھے سے کئی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

”ہائے ہائے دیکھو تو کتنی منہ بھٹ ہے، صحیح کہہ رہا ہے چوہدری کیا شہر سے یہی تمیز سکھ کر آئی ہے، چوہدری صاحب سے کسی نے آج تک اس لہجے میں بات نہیں کی مرنے والی کو تو ڈر نہیں لیکن اس کو کیا ہوا؟“

”لالی کے ساتھ تو یہ اکثر رہتی تھی ورنہ خود لالی تو ایسی نہ تھی۔“ نسوانی آواز میرے کانوں میں پڑی تو میں نے مڑ کر تاسف سے انہیں دیکھا۔

”نازی ہوش کر یہ چوہدری صاحب کی پنچائیت ہے۔“ اماں میرا بازو پکڑ کر جھنجھوڑ رہی تھی۔

”اور تو یہ کیا اول فول بک رہی ہے تجھے کیا ضرورت پڑی ہے کسی کے معاملے میں بولنے کی چل ادھر۔“ انہوں نے مجھے پیچھے کھینچا۔

”نکھر جاز پیسے، جس لڑکی کو تو آج تک تمیز نہیں سکھا سکی اسے آج ہم گاؤں والوں کے سامنے سکھائیں گے کہ بات کیسے کی جانی ہے، ایک تو بے حیائی پھیلائی ہے اوپر سے۔“ وڈا چوہدری دھاڑا۔

”بس نکس وڈے چوہدری جی بچی ہے غلطی ہو گئی بے چاری کو پتہ نہیں تھا معاف کر دیں جی۔“

”بس کر دے چاچی زنب، بات اک تیری بیٹی کی تھیں پورے گاؤں کی بیٹیوں کی ہے، اگر آج اسے سزا نہ دی گئی تو کل یہ کسی اور لالی کو درغللے کی۔“ چوہدری نیاز طیش کے عالم میں



ان دونوں کے ساتھ کیا کیا جائے؟“ وڈا چوہدری گاؤں والوں سے مخاطب ہوا۔

”مجھے جو چاہو سزا دے لو مگر اسے چھوڑ دو، اس نے کچھ نہیں کیا؟“ لالی کی صداؤں اور اماں ابا کی فریادوں کی پرواہ کیے بغیر پنچائیت نے لالی کی سزا موت اور میری سزا 80 جوتے مقرر کی، لالی کا سب سے بڑا بھائی کلہاڑا تھام کر اس کی طرف بڑھا تو اس نے منت بھری نظروں سے بھائی کو دیکھا کہ آخر موت کا ڈر تو کبھی کو ہوتا ہے۔

”ادا..... ادا سائیں میں بے قصور ہوں، خدا کے واسطے مجھ پر یہ ظلم نہ کرو۔“ اس نے بھائی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

”تو بھی گناہ گار ہو جائے گا ادا، یہ غیرت کے نام پر تجھ سے بے گناہ کا ناحق قتل کر دانے لگے ہیں، اللہ کے واسطے مجھے مت مارو ادا سائیں۔“ موت کا خوف بری طرح اس پر سوار تھا اس کے بھائی کی گرفت کلہاڑے پر ڈھیلی پڑ گئی تو اس کے ہاتھ سے کلہاڑا چوتے دیکھ کر مجمعے میں سے آواز آئی۔

”بے غیرت ہے یہ شیدا، اتنی بھی ہمت نہیں کہ ایک بے شرم لڑکی کو کاری کر کے جہنم واصل کرے اور اپنی رہی سہی ساکھ بچائے۔“

”آفرین ہے تجھ پر اور تیری مردانگی پر۔“ دوسری آواز اور پھر کئی تائیدی آوازیں میری سائیں اٹک گئیں۔

”دیکھ شیدے اگر تو اسے نہیں مارے گا تو ہم اسے بے دردی کی اذیت ناک موت ماریں گے کیونکہ یہاں سوال پورے گاؤں کی غیرت اور ماں بیٹیوں کی عزت کا ہے، مرے کی تو یہ ہر صورت مگر بہتر ہے کہ تو اسے اپنے ہاتھوں سے مار کر گاؤں والوں کی نظروں میں سرخرو اور عزت دار ہو جا۔“ چوہدری کی آواز پر شیدے نے ایک

آگے بڑھا۔

”مجھے کسی نے نہیں درغلایا، یہ میری طرح بے قصور ہے چھوڑ دو اسے۔“ لالی چینی مگر وہ خود اپنی بے گناہی ثابت نہیں کر سکتی تھی میری رہائی کیا کروائی۔

”ارے بہت خود دار اور غیرت مند سمجھتے ہو نا خود کو لیکن رات کی تاریکی میں بے حیائی کا وہ ناچ ناچتے ہو جس پر حیا کا پردہ ڈالنا بھی پھر خوب جانتے ہو، تم لوگوں سے اچھی اور با عظمت تو وہ لڑکیاں ہیں جو تم جیسے بھیڑیوں کے ہاتھوں روندی جاتی ہیں لیکن جھوٹ یا بہتان طرازی تو نہیں کرتی۔“ میرا وجود زلزلوں کی زد میں تھا۔

”بند کر اپنی بے ہودہ تقریر، تو کیا سمجھتی ہے اس طرح تو گاؤں والوں کو بھٹکا لے گی، تو لالی جیسی کسی بیوقوف کو تو جھانسا دے سکتی ہے ہمیں نہیں۔“ وڈا چوہدری بھڑک کر کرسی سے اٹھا۔

”میں کیا بھٹکاؤں گی انہیں جو پہلے ہی بھٹکے ہوئے ہوں میں تو گاؤں والوں کو بہت سادہ اور معصوم سمجھتی تھی مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ ایسے جاہل ہوں گے جو کسی کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور انہیں اپنی غلطی کا احساس تک نہ ہوگا۔“

”بس کر دے نازی چپ کر جا۔“ اماں نے

میرے سامنے ہاتھ جبرڈ دیئے۔

”ہمت تو دیکھیں اس کی ابا جان کیسے بھری پنچائیت میں ہمیں جھوٹا اور بہتان طراز کہہ رہی ہے۔“ چوہدری نیاز کے بھائیوں میں سے ایک اٹھ کھڑا ہوا۔

”دیکھا گاؤں والوں کیسے بد چلن اور آوارہ لڑکیوں کو با عظمت اور اچھی کہہ کر ہماری اور پنچائیت کی توہین کر رہی ہے، سزا تو اسے ملے گی ہی لیکن اب جرگے کے افراد مل کر فیصلہ کریں کہ



دم ہوا میں کلہاڑا لہرایا اور لالی کی گردن پہ پہلا وار کیا۔

”اللہ!“ نازی کے حلق سے فلک شکاف چیخ بلند ہوئی اور کسی مٹی کے بت کی طرح وہ ”دھڑام“ سے زمین پر گری۔

”میں بے غیرت نہیں ہوں، میں بے غیرت نہیں ہوں۔“ ہڈیانی انداز میں چیختے ہوئے شیدا اس پر پے در پے وار کر رہا تھا۔

”لالی.....!“ میری آواز پورے گاؤں میں گونجی اور میں گھٹنوں کے بل زمین پر گری، لالی میرے سامنے خون میں لت پت تڑپ رہی تھی۔

”مجھے بچا لو نازی۔“ لالی کی آواز ختم ہو جانے کے باوجود مجھے سنائی دے رہی تھی اور میں پوری کھلی آنکھوں سے یک ٹک لالی کی لاش کو بے جان وجود میں ڈھلا ہوا دیکھ رہی تھی۔

مجھے خبر نہ ہوئی کب گاؤں کے مردوں اور عورتوں نے بڑھ کر باری باری میرے سر پر جوتے مارنے شروع کیے؟ جانے کتنے جوتے کھانے کے بعد میں بے ہوش ہو گئی تھی اور گاؤں والوں نے باقی جوتے مجھے کہاں اور کیسے مارے تھے؟ مجھے یاد ہے تو صرف اتنا کہ میرے سر پر پڑنے والا پہلا جوتا میرے بھائی یا باپ اور پھر اماں کا تھا جو مجھے زندہ درگور کر گیا تھا، لالی کا تڑپ تڑپ کر ساکت ہو جانے والا بت میرے سامنے پڑا تھا اور یہ ہی وہ آخری منظر تھا جو بے ہوش ہونے سے پہلے میری نظروں نے دیکھا، لالی کی روح تو اوپر آسمانوں پر جا چکی تھی مگر میں پاتال کی گہرائیوں میں گر رہی تھی، ہر لمحہ ہر پل اور سر پر پڑنے والے ہر جوتے کے ساتھ۔

☆☆☆

آج اس بات کو چھ ماہ ہو چکے ہیں اور میرا

حال یہ ہے کہ لوگ مجھے پاگل کہتے ہیں، مجھے گھر میں ایک لمبی زنجیر کی مدد سے باندھ دیا جاتا ہے تاکہ کسی کو ضرر نہ پہنچا سکوں مگر شاید لوگ یہ نہیں جانتے کہ اب میں کسی کو ضرر پہنچانے کے قابل ہی کہاں ہوں؟ لالی خوش نصیب تھی جو ایک ہی بار مر گئی مگر میں آج بھی زندہ ہوں ہر روز ایک نئی موت کے لئے اور شاید ان ظالم بھیڑیوں کا انجام دیکھنے کے لئے۔

نجو (نجمہ)، لالی (لیلا)، نازی (نازش) یہ تینوں نام ان ہزاروں لڑکیوں کے ناموں میں سے ہیں جو عزت و غیرت کے واقعات کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں، آج میں سوچتی ہوں کہ چوہدری نیاز نے ٹھیک کہا تھا۔

”عورت جا ہے شہر کی پڑھی لکھی ہو یا گاؤں کی ان پڑھ رہے گی وہ عورت ہی جو نہ کبھی مرد کو ہراسی ہے اور نہ ہراسے گی۔“

ہر حال میں تو مظلوم ہوئی  
ہر دور میں تو مقہور ہوئی  
کبھی خود فروشی تک نوبت آئی  
کبھی خود سوزی پر مجبور ہوئی  
بھوک ہوس لاچاری افلاس  
کس کس ڈر سے تو روئی نہیں  
اے بنت حوا اے بنت حوا اے بنت حوا  
تیرا غمگسار یہاں کوئی نہیں

☆☆☆



## القرآن

مومنوں کی بات اس کے سوا نہیں کہ جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی فلاح (دو جہاں) کی کامیابی پانے والے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولوں کے اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے۔ پس وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں۔

سارا حیدر، کوٹ اددو

## حدیث مبارکہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے بڑا جھوٹ ہے اور نہ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنو، نہ ٹوہ لگاؤ نہ دوسرے کے سودے پر محض دھوکا دینے کے لئے بڑھ کر قیمت لگاؤ۔ نہ آپس میں ایک دوسرے سے حسد کرو، نہ باہم بعض رکھو نہ آپس میں بول چال بند کرو اور سب اللہ کے بندے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔“

علینہ طارق، لاہور

## ”صرف اللہ سے مانگو“

”حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ”اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کر لیا ہے تو تم بھی ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو حرام سمجھو۔“

”اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک

گمراہ ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں ہدایت دوں۔ پس مجھ سے ہدایت کی دعا مانگو تو میں تمہیں ہدایت دوں۔“

”اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں کھانا دوں پس مجھ سے روزی مانگو تو میں تمہیں کھلاؤں۔“

”اے میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جس کو میں پہناتا ہوں، تو مجھ سے کپڑا مانگو میں تمہیں پہناؤں گا۔“

”اے میرے بندو! تم رات میں اور دن میں گناہ کرتے ہو اور میں معاف کر سکتا ہوں، پس مجھ سے معافی مانگو، میں تمہیں معاف کر دوں گا۔“ (مسلم شریف)

فلاح نعیم، شیخوپورہ

## انمول موتی

☆ امن کی فاختہ وہیں اترتی ہے جہاں پیار اور صلح کی دھوپ پھیلتی ہے۔  
☆ رشتے اہم نہیں ہوتے ان کو سمجھنے کے طریقے اہم ہوتے ہیں۔

☆ مجھے بتاؤ کہ تمہارے دوست کون ہیں۔ پھر میں بتاؤں گا کہ تم کون ہو۔ (سروانش)  
☆ جس کا لباس باریک اور ہلکا ہو گا اس کا ذہن بھی ضعیف ہو گا۔ (امام غزالی)

☆ پاؤں بھی غلط راہ پر نہیں اٹھتے جب تک آپ خود نا چلیں۔

☆ ملنے کے دو ہی معیار ہوتے ہیں۔ خیالات ملتے ہوں یا خون۔



☆ میں یہ دعا نہیں کرتا کہ دشمن مر جائے۔ میں یہ دعا کرتا ہوں کہ، کہ دوست زندہ ہو جائیں۔  
راضیہ سراج، مظفر گڑھ

### سچی باتیں

۱۔ کچھ چیزیں انجوائے کرنے کے لئے ہوتی ہیں مگر کچھ چیزیں محسوس کی جاتیں ہیں جیسے ”سچی محبت، گہری شاعری، پھولوں کی خوشبو، آنسوؤں کی کہانی، ہونٹوں کی مسکراہٹ“  
۲۔ ہر انسان قدرتی خوبصورتی اور کشش رکھتا ہے۔

۳۔ ظاہری خوبصورتی سے بڑھ کر سچے جذبات ہی خوبصورتی ہیں۔

۴۔ جوانی رنگینیاں مانگتی ہے جس میں تلی بن کر رنگوں میں اڑے لیکن کچھ لوگ کچھ اور ہی ہوتے ہیں یہ وہی جانتے ہیں جو سوچتے ہیں۔

۵۔ ضروری نہیں شاعری کرنے والا ہر کوئی محبت دے وفا کی کامارا ہو کچھ شاعری اپنی محبت کو پانے کے لئے بھی کی جاسکتی ہے۔

۶۔ کسی کو کچھ دینا ہے تو چاند کی چاندنی دو، پھولوں کی خوشبو دو، اپنی روح کا سکون دو، اپنے دل کی دھڑکن دو، یہ سب وہی دے سکتا ہے جو سچے جذبات رکھتا ہو اور وہ جانتا ہے یہ سب کیسے دے۔

۷۔ کسی دامن میں پڑے کانٹے چن لو اور بدلے میں پھول ڈال دو۔

۸۔ سچی محبت وہ ہے جو تمہاری روح میں سما جائے اور اس کی خوشبو آئے۔

۹۔ دنیا میں وہ انسان سب کچھ رکھتا ہے جسے سچی محبت حاصل ہو۔

رضا فاطمہ، ملتان

اے ابن آدم!

ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری

چاہت ہے۔ پر ہو گا جو وہی جو میری چاہت ہے۔ پس ٹوٹنے اپنے آپ کو سپرد کر دیا اس کے جو میری چاہت ہے تو میں بخش دوں گا تجھ کو وہ بھی جو تیری چاہت ہے۔ اگر تو نے نافرمانی کی اس کی جو میری چاہت ہے تو میں تجھ کو تھکا دوں گا، اس میں جو تیری چاہت ہے اور پھر ہو گا وہی جو میری چاہت ہے۔ (حدیث قدسی)

رابعہ طارق، لاہور

### حضرت عمرؓ کی جرأت و استقامت

اسلام کے آغاز میں جب مسلمان ضعیف کی حالت میں تھے، حضرت عمرؓ جن کی بہادری اور شجاعت سے بچہ بچہ واقف ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اسلام کی قوت کے واسطے ان کے مسلمان ہونے کی دعا کی، جو قبول ہوئی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم لوگ کعبے کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے جب تک کہ عمرؓ مسلمان نہیں ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اول اول ہر شخص نے چھپ کر ہجرت کی مگر جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی اور بہت سے تیر ساتھ لیے۔ پہلے مسجد میں گئے، طواف اطمینان سے کیا پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی، اس کے بعد کفار کے مجمع میں گئے اور فرمایا کہ ”جس کا یہ دل چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے، اس کی بیوی بیوہ ہو، اس کے بچے یتیم ہوں، وہ مکے سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔“ یہ بات الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لئے گئے، کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ حضرت عمرؓ کا پیچھا کرتا۔ (اسد الغابہ)

غزالہ جنیں، ملتان

جواہر پارے

☆ زندگی کے ارادے سے کم، اور یقین سے



زیادہ گزرے تو اپنی لگتی ہے ورنہ دوسرے ہی گزارتے ہیں اور انسان پٹری بنا ان کو گزرنے دیتا ہے۔ گزرتے دیکھتا رہتا ہے۔

☆ جو رشتہ ٹوٹ جائے وہ زندگی کی شاخ سے گرے پتے جیسا ہوتا ہے۔ نیچے گر گیا اور سوکھ گیا پھر کلم ہی ہر ہوتا ہے۔

☆ اگر ہر آدمی دوسرے آدمی کے برابر ہوتا تو یہ دنیا انہیں اپنے میں سمو لینے کے لئے اتنی بڑی ثابت نہ ہوتی۔

☆ روح میں ایسے اسرار پوشیدہ ہیں، جنہیں کوئی مفروضہ کوئی قیاس آشکار نہیں کر سکتا۔

☆ ہر شخص اپنے اندر ایک بے باک رہبر رکھتا ہے اور وہ ہے اس کا ضمیر۔ نفس کے شور سے بچ کر ضمیر کی سرکوشی پر کان لگاؤ۔ حقیقت کا ادراک خود بخود ہو جائے گا۔

☆ خواہشات مہیب جنگل ہیں۔ جن میں بھٹکتے ہوئے عمر بیت جائے گی، مگر منزل کا رستہ نہیں ملے گا۔

☆ کوئی شخص تم سے اس وقت تک متاثر نہیں ہو سکتا جب تک تمہارے دلی جذبات تمہارے لہجے میں اثر نہ دکھائیں۔

☆ جو غم گزر چکا ہے اس پر رنجیدہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ہم ایک نئے غم کو دعوت دے رہے ہیں۔

ذکیہ غفار، فیصل آباد

زن داری

نظام الملک طوسی سے کسی شہزادے نے پوچھا۔  
 ”دانا بزرگ! تخت نشینی کی کم سے کم عمر کیا ہوتی ہے؟“

طوسی نے جواب دیا۔ ”پندرہ سال۔“

شہزادے نے دوسرا سوال کیا۔  
 ”اور شادی کے لئے کم سے کم عمر کیا ہونی

چاہیے؟“

جواب ملا۔ ”اٹھارہ سال۔“

شہزادے نے پوچھا۔

”یہ کیوں؟ جہاں داری جیسے مشکل کام کے لئے پندرہ سال اور شادی جیسے معمولی کام کے لئے اٹھارہ سال! آخر کیوں؟“

”شہزادے!“ طوسی نے جواب دیا۔

”کچھ دن صبر کر، جب تو تخت نشینی کے بعد رشتہ ازدواج میں جکڑا جائے گا تو تجھے خود ہی یہ نکتہ معلوم ہو جائے گا کہ جہاں داری سے زن داری کہیں مشکل کام ہے۔“

اقوال حضرت امام علی کرم اللہ وجہہ

☆ ترک گناہ توبہ کرنے سے آسان ہے۔  
 ☆ جب دشمن پر غلبہ پاؤ تو اسے معاف کر دو۔  
 ☆ موقع کو ہاتھ سے جانے دینا رنج و اندوہ کا باعث ہوتا ہے۔

☆ جو اپنے راز کو چھپائے رہے گا، اسے پورا قابور ہے گا۔

☆ جو برے فعل کو اچھا سمجھتا ہے وہ اس فعل میں شریک ہے۔

☆ حکمت مومن ہی کی گمشدہ چیز ہے، اسے حاصل کرو، اگرچہ منافق سے لینا پڑے۔

☆ اللہ سے ڈرو، اس نے تمہارے گناہوں کو اس طرح چھپایا کہ گویا بخش دیا۔

☆ خدا کی اطاعت اپنی جان پر جبر کیے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

☆ خدا کے نزدیک بندے کی وہ غلطی جو اسے تکلیف دے اچھی ہے اس خوبی سے جو اسے مغرور بنادے۔

مازیہ رمضان، سکھر

☆☆☆



عقیلہ ہاشمی: کی ڈائری سے ایک غزل۔

شہر بھر میں جو اک نظیر تھا  
انا کا اپنی وہ بھی اسیر تھا  
میرے آسمان سے جو پھڑ گیا  
میری ذات کا وہ منیر تھا  
نفرتوں کی صلیب  
وہ جو بٹ گیا میرا شریعہ تھا  
ظلمتوں کے فریب میں  
جو اٹل رہا میرا ضمیر تھا  
کہنے کو ایک قطرہ بے قیمت  
میرے غم کا مگر سفیر تھا  
اسی نے لوٹ لیا مجھے راہ میں  
میرے کارواں کا جو امیر تھا  
میری لاج کے لئے جو مر مٹا  
کوئی اور کہاں میرا دیر تھا

نائلہ تبسم: کی ڈائری سے ایک نظم

اب بھی زندہ ہیں  
برگد کے بوڑھے پیڑ تلے  
کچھ یادیں اب بھی زندہ ہیں  
کچھ باتیں اب بھی زندہ ہیں  
وہ پیڑ اب بھی ویسا ہے  
بدلا ہے تو صرف وقت  
دنیا کے ان دھندوں میں  
الچھ کر ہم رہ گئے ہیں  
نہ ہم وہ رہے ہیں  
نہ تم وہ رہے ہو  
لیکن!

ٹوٹا نہیں اب بھی ہماری دوستی کا رشتہ

وہ رشتہ اب بھی زندہ ہے  
اس دوستی کی مالا میں  
بادلوں کے کچھ مولی ہیں  
کوئی مول نہیں جن کا  
میرے دل کے قید خانے میں  
تو ابھی تک مقید ہے  
جو بن پڑے تو  
فرصت کے کسی لمحے میں  
اس جگہ پہ ضرور آیا  
روز وہاں میں جاتی ہوں  
روز تمہیں بلاتی ہوں  
لیکن! وقت کی اس ڈور نے  
تمہیں بہت اونچا اڑا دیا ہے  
کبھی واپس آنا

اس برگد کے بوڑھے پیڑ تلے  
جہاں یادیں اب بھی زندہ ہیں  
جہاں باتیں اب بھی زندہ ہیں  
رافعہ خالد: کی ڈائری سے ایک نظم

ہم تو وہ لوگ ہیں؟  
نہ کسی کے دشت شمار میں ہیں  
نہ کسی کے نگاہ کے حصار میں ہیں  
یوں جیسے کوئی ہوصد یوں کا بے انت سفر  
صحرا صحرا پھرنا کوئی خاک سر  
کیا پوچھتے ہو کہ کون ہیں ہم  
جان لو ہمیں تو تمہیں معلوم ہو؟  
ہم تو وہ لوگ ہیں جو جیون دے کر بھی  
کسی کے دل میں مسکن نہ بنا پائے  
یوں جیسے کوئی مدھم سی کرن



کسی روزن سے ابھرے اور ڈوب جائے

فرح راؤ: کی ڈاڑی سے ایک غزل

دل سے نکلی اکثر باتیں ایسی ہوتی ہیں  
کبھی کہیں ہو رنگ برساتیں ایسی ہوتی ہیں  
کبھی کہیں ہم بے موت مر جاتے ہیں  
کچھ لوگوں کی ذاتیں ایسی ہوتی ہیں  
کبھی کہیں تو درشن دے دو اپنے  
ہر جگہ کہاں پیار کی برساتیں ایسی ہوتی ہیں  
تہا ہی رہنا اچھا لگتا ہے اب تو  
زندگی میں کچھ ماتیں ایسی ہوتی ہیں  
کبھی تو وہ جیت کر خوش ہو مجھ سے  
کبھی تو ہار کی کچھ ماتیں ایسی ہوتی ہیں

صامیہ اسلام: کی ڈاڑی سے ایک نظم

آنکھ نم کیوں رہے؟

میں نے مانا کہ تم گوا!

بہت غم ملے زندگی میں

بہت درد دیا اپنوں نے!

اب میں ہوں تو پھر

کوئی رنج و الم کیوں رہے؟

جاناں اب تیری!

آنکھ نم کیوں رہے؟

میں آیا ہوں خوشیاں لے کر!

بہت سی چاہئیں لے کر!

میں تجھ کو دوں گا ہر خوشی

پوری کروں گا ہر کمی

میں ہوں تو پھر

کوئی ستم کیوں رہے

اب میں ہوں تو پھر

تیری آنکھ نم کیوں رہے؟

فوزیہ خضر: کی ڈاڑی سے ایک غزل

مٹھی کھول بھی دوں تو اڑے نہ تمہاری خوشبو  
جیسے میری خاک میں کھلی ہو تمہاری خوشبو

تم چپکے سے میری آنکھوں پہ ہاتھ رکھے رہو  
تمہارے آنے کا بھید بتا دے تمہاری خوشبو  
میں محفل میں بھی جا کے سب سے منفرد ہوں  
کہ میں نے آپل میں باندھی ہے تمہاری خوشبو  
دور جانے کا کھیل نہ کھیلو کہ ہار جاؤ گے  
میری زادارہ ہے ہر سفر میں تمہاری خوشبو  
چند لمحے پیاسی زمیں پر بارش کی طرح پھسل گئے  
مجھے پاگل بنا گئی تمہاری قربت تمہاری خوشبو

فوزیہ غزل: کی ڈاڑی سے ایک نظم

”خاک کر بلا کی آواز“

ہاں ہوگی اب صبح یہیں

یہیں سے نکلے گا قافلہ عشاق

ہاں یہیں پہ پائیں گی انجام

رسم وفا کی ساری کسمیں

ہاں یہیں پہ پورا ہوگا عہد جنوں اب

جائے گا نہ رائیگاں جسم سے پھڑتا خوں اب

ہاں یہیں پہ ٹھہرے گا امر نام تیرا

دنیا لے گی راستے منزلوں کے یہیں سے

ہاں یہیں ہوگی لہو رنگ زمین

ہاں یہیں چاند چمکائے گی جبیں

ہاں یہیں پہ سجدوں کا اجر ملے گا

ہاں یہیں پہ انعام کا سہ صبر ملے گا

ہاں یہیں پہ لکھ دیا تھا تقدیر نے

لوح ازل سے ابد تک زندہ نام تیرا

ہاں یہیں پہ چنا جائے گا امام زمانہ تجھے

ہاں یہیں پہ ہے مقام تیرا

ہاں یہیں پہ بنے گا آنے والے زمانے کا

ہر انسان ہم کلام تیرا

قافلہ جہاد کے لئے رہے گا مقام

سدا نام تیرا

ہاں یہیں پہ حاصل ہوگی تجھے

رضائے حق شناس

یہیں پہ ملنا ہے تجھے

☆☆☆

مارچ 2015

238

حنا



سرگودھا

----

رابعہ شاہ

س: انتظار کس کا ہے؟

ج: بتادوں برا تو نہ مان جاؤ گی۔

س: اس سے جھگڑا کس بات پر ہوا تھا؟

ج: بی جھالو بننے کی کوشش نہ کرو۔

س: آپ اسے منا میں گے یا وہ آپ کو؟

ج: تم کیوں پوچھ رہی ہو

س: ڈر کیوں لگ رہا ہے؟

ج: کہیں تم کوئی شافٹ نہ کھڑا نہ کر دو۔

س: اتنے بے چین کیوں ہو رہے ہو؟

ج: تمہاری باتوں کی وجہ سے۔

س: میرا یقین کرو؟

ج: کس بات کا۔

س: وہ آئے گی؟

ج: میری بلا ہے۔

س: دیکھو وہ آگئی؟

ج: یہ جھانے کسی اور کو دو۔

س: جو کچھ دل میں ہے، آج وہ کہہ ڈالو؟

ج: اگر دل کی بات زبان پر آگئی تو۔

فوزیہ بیٹ

س: السلام وعلیکم عین سے عبرت عین سے غیرت

کیسے ہو؟

ج: اگر ذرا سی بھی غیرت ہے تو اس سے عبرت

حاصل کرو۔

س: سنا ہے تم اور تمہاری شخصیت بدلی بدلی سی ہے

کیا واقعی؟

ج: سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتے۔

س: نئے لوگوں سے مل کر پرانے لوگوں کو کیوں

بھول جاتے ہو؟

ج: یہ غلط ہے سنا نہیں کہ نیا نو دن پرانا سودن۔

س: آرزو ہے کہ تو یہاں آئے اور.....؟

ج: میں تم سے ادھار مانگوں۔

س: ساری لڑکیاں تم کو ہی بھائی جان کیوں کہتی

ہیں؟

ج: میں کسی کو کہنے سے روک نہیں سکتا۔

س: سنا ہے کہ تم سلمان خان سے بہت متاثر ہو

واقعی؟

ج: کون سلمان خان؟

س: پتھروں میں رہنے والے پتھر ہوتے ہیں کیا

واقعی؟

ج: جیسا دیس ویسا بھیس۔

نعیمہ طاہر

س: اگر رات کو نیند نہ آئے تو؟

ج: سرکوں پر مشرگت کر س۔

س: خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے کیا

یہ سچ ہے؟

ج: یہ تو خربوزہ ہی بتا سکتا ہے۔

س: ”دور کے ڈھول سہانے“ اس بارے میں

آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: کہنے والے نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

فوزیہ غزل

س: ہماری نئی پود کو بگاڑنے میں سب سے زیادہ

کس کا ہاتھ ہے؟

ج: بڑے بڑوں کا۔

س: باگل تو اس کی حرکتوں سے پہچانا جاتا ہے۔

مختل مند کی کیا پہچان ہے؟

ج: وہ تو بے چارہ حرکت ہی نہیں کرتا۔

س: اگر دنیا میں موت نہ ہو تو؟



ج: زمین پر تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

س: مہنگائی کے اس دور میں سب سے سستی چیز کون سی ہے؟

ج: انسانی زندگی جہاں چند روپے کے عوض انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

شٹا فیصل

س: اگر کسی کو اس کا آئیڈیل نہ ملے تو وہ بچارہ کیا کرے؟

ج: صبر شکر کر کے جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لے۔

س: عورت کا انتخاب مشکل ہے یا مرد کا؟

ج: انتخاب بڑا مشکل ہوتا ہے۔

س: کیا محبت واقعی روک ہوتی ہے؟

ج: تمہارا تجربہ کیا کہتا ہے۔

س: لوگوں کو اپنی اوقات کا کب پتہ چلتا ہے؟

ج: جب اس کی کوئی سنتا ہی نہیں۔

شہزیادہ احسن

س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟

ج: لوگ کہتے ہیں تو سچ ہی کہتے ہوں گے۔

س: آپ کو دھوکا دینا اچھا لگتا ہے یا دھوکا کھانا؟

ج: میں دونوں دھوکوں سے گریزاں ہوں۔

س: ساس اور آس میں فرق بتائیں؟

ج: ساس کے ہوتے ہوئے آس ختم ہو جاتی ہے۔

فریحہ چوہدری

س: کیا بازار میں خوشیاں فروخت ہوتی ہیں؟

ج: خوشیاں تو ہمارے اطراف میں ہیں۔ بس

اس کی کھوج کے لئے حوصلے کی ضرورت ہے۔

س: ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا کوئی مرہم بتا دیں؟

ج: بس دل سے بغض نکال دیں۔

س: آخر اس دل کی کیا بساط ہے؟

ج: یہ دل پر ہی منحصر ہوتا ہے۔

رومیہ خاں

س: میرے دل میں کیا ہے بوجھ تو جانیں؟

ج: میں اپنے دل کے بارے میں تو بتا سکتا

ہوں۔ تمہارے دل کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

س: سمندر کی گہرائی زیادہ ہوتی ہے یا دل کی؟

ج: دل دریا سمندروں ڈھونڈے۔

س: سنا ہے صبر کا پھل بڑا میٹھا ہوتا ہے؟

ج: سننے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

س: کون اپنا کون پرایا۔

ج: آزما لینے میں کیا حرج ہے۔

نسرین خالد

س: اگر انسان ریموٹ کنٹرول سے چلنے لگیں تو؟

ج: لگیں تو کیا مطلب، ابھی بھی چلتے ہیں یقین

نہیں آتا تو کسی بھی شوہر کو دیکھ لو۔

س: نفرت کی زین پر بھی پیار لکھنے والے لوگ

کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اس دور میں تو پاگل ہی ہوتے ہیں۔

ٹوبیہ رحمان

س: السلام علیکم جناب کیا کر رہے ہیں؟

ج: آپ کے سوال پڑھ رہا ہوں۔

س: کس موسم کا جادو سرچڑھ کر بولتا ہے؟

ج: جنس میں اندر اور باہر کا موسم یکساں خوشگوار ہو۔

س: ہمیں تو حنا کی محفل سے محبت ہے اور آپ کو؟

ج: محفل والوں سے۔

س: کبھی غصہ آیا؟

ج: بے شک سوال پڑھ کر۔

س: کس بات پر زیادہ غصہ آیا؟

ج: جس بات پر بھی غصہ آیا۔

☆☆☆



ایک گاہک آیا اور اس نے کہا کہ۔  
”امرو د کس طرح ہیں؟“ ریڑھی والے  
نے کہا کہ۔

”بارہ روپے کلو۔“

گاہک نے کہا۔

”بھائی صاحب چاہے چودہ روپے کلو دیں  
لیکن امرو د ٹھیک ہونے چاہئیں۔“

امرو د بیچنے والے نے کہا۔

”کہ بے فکر ہو کر لے جائیں۔“

گاہک گھر جا کر امرو دوں کو کاٹتا ہے تو ان  
میں سے کیڑے نکل آتے ہیں۔ گاہک کو بڑا غصہ  
آتا ہے وہ فوراً ریڑھی والے کے پاس آتا ہے اور  
کہتا ہے۔

”اس میں تو کیڑے ہیں۔“

امرو دوں والا کہتا ہے کہ۔

”اپنی اپنی قسمت کی بات ہے آپ کے  
کیڑے نکلے ہیں کل ایک شخص نے امرو د کاٹا تو  
اس کا سائیکل نکلا تھا۔“

ہے قسمت کی بات۔

فرح راؤ، کینٹ لاہور

”خمیازہ“

تم نے بھی تو خواہش کی تھی  
کہ سورج کو اتار دو گے  
آنگن میں اپنے  
اب جل گیا ہے گھر سارا  
تپش سے اس کی  
تو کیا ہوا؟  
خواہش کا آخر اتنا

قطعہ  
خوب کی ہے آپ نے چارہ گری  
پھر کہتے ہو کہ میں ناراض ہوں  
کل شخص ہلکی سی کھاسی تھی مجھے  
آج کل مجموعہ امراض ہوں  
فلاح نعیم، شیخوپورہ

بچپن

مجھے بہت دکھ ہوا جب اس نے مجھے چھوڑ دیا  
اور مجھے وہ دن بڑا یاد آیا جب میری حسین یادیں  
چکنا چور ہو گئیں پل بھر میں وہ مجھے رد کر کے چلا گیا  
اور میں تو آج تک اس کی یادوں کو سینے سے لگائی  
بیٹھی ہوں کہ کاش وہ مجھے ایک پل بھی یاد کر لے  
یا لوٹ آئے مگر نہیں وہ پردیسی تھا اس نے جانا ہی  
تھا۔ سو وہ چلا گیا میں آج تک اسے یاد کرتی ہوں  
کاش وہ لوٹ آئے۔

”ہائے میرا بچپن۔“

نوزیہ خضر، مظفر آباد

دعا

میری یہی دعا ہے

کہ تم  
افتق پر تاروں کی طرح  
چمکو  
تم دوسروں کے لئے  
رہبر بنو

عظمیٰ نعیم، سرگودھا

قسمت کی بات

ایک ریڑھی پر ایک شخص امرو د بیچ رہا تھا،



خیمارہ تو بھگتنا ہی پڑتا ہے

نوزیہ غزل، شیخوپورہ

ایک سے بڑھ کر ایک

اصغر کی چند دنوں کے بعد شادی ہونے والی تھی اس کے قریبی دوست اسے مشورہ دے رہے تھے کہ پہلے دن سے ہی بیوی پر رعب ڈالنا اگر بیوی سے ڈر گئے تو تمام عمر زن مریدی میں گزرے گی دوستوں میں سے ایک دوست نے اسے ترکیب بتائی کہ کمرے میں ایک عدد بلی چھوڑ دینا نئی نو بلی دو لہن بلی سے خوفزدہ ہوگی اور تم بلی کو مار کر دو لہن پر رعب جمانا بس یوں سمجھو کہ جیت تماری ہوگی۔

شادی والی رات اصغر نے ایسا ہی کیا کہ کسی طرح ایک عدد بلی بیڈ روم تک پہنچا دی جب وہ خود اندر جانے لگا تو پتہ چلا کہ دروازہ بند ہے اور اندر سے دھم دھم کی آوازیں آرہی ہیں کچھ دیر بعد دروازہ کھلا تو دو لہن صاحبہ ایک ہاتھ میں ڈنڈا سنبھالے اور دوسرے ہاتھ میں بلی کو دم سے اٹھائے فرمانے لگیں۔

”ارے آپ؟ دیکھیں اس کم بخت نے مجھے بہت تنگ کیا میں نے سوچا کہ آپ کے آنے سے پہلے اس کا کام تمام کر لوں۔“

فریدہ اشفاق، خانیوال

بجٹ

خرم صاحب نے سوچا بیٹی کی شادی کرنی ہے اخراجات پر کچھ کنٹرول کیا جائے۔ چنانچہ اس دن خرم صاحب نے بجٹ کی مہم کا آغاز کرتے ہوئے دفتر سے واپس گھر آنے کے لئے بس میں بیٹھنے کی بجائے اس کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیا۔ جب وہ ہانپتا ہوا گھر میں داخل ہوا تو اس نے بیگم ماریہ کو خوشخبری سنائی۔

”بیگم! آج میں بس کے پیچھے دوڑتا ہوا گھر پہنچا ہوں اور اس طرح میں نے تین روپے بچا

لئے ہیں۔“

”ہونہ۔“ بیگم ماریہ بولیں۔  
”اگر تم کس عیسیٰ کے پیچھے دوڑتے تو پورے پچاس روپے بچتے۔“

ام کلثوم، بدین

قطعہ

تعبیروں کی کن حسرتوں میں  
دولت خوب برے گی اب تو اپنی باری ہے  
مولا جب بھی دیتا ہے چھپتر بھاڑ کر دیتا ہے  
اس لئے ساری عمر چھپر تلے گزاری ہے

پیشہ

جب کترے نے اپنے ساتھی کے ہاتھ میں  
تبلیج دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔  
”کیا اپنا پیشہ چھوڑ دیا؟“

جب کترے نے شرماتے ہوئے جواب  
دیا۔

”نہیں پارا! ابھی ایک مولوی صاحب کی  
جیب صاف کی تھی وہاں سے یہ ہی نکلی۔“  
سدرہ سحر، پاکپتن

بہو

ایک عورت کی بہو کچھ بولتی نہ تھی۔

”بہو تو بولتی کیوں نہیں۔“ ساس نے بہو کی

خاموشی سے تنگ آ کر پوچھا۔

”میری ماں نے مجھے منع کیا تھا کہ ساس  
کے گھر بولنا مت۔“ بہو نے جواب دیا۔

”تیری ماں بے وقوف ہے تو ضرور بولا  
کر۔“ ساس نے کہا۔

”تو پھر میں کچھ بھی بولوں۔“ بہو نے کچھ  
حوصلہ پا کر پوچھا۔

”ہاں بول میری بچی۔“ ساس نے دلار  
سے کہا۔

”اچھا اماں! تجھ سے ایک بات پوچھوں



اگر تمہارا لڑکا مر جائے تو کیا تم میری شادی کر دو گی یا یونہی بٹھائے رکھو گی۔“

”بہو تو خاموش ہی رہا کرتیری ماں کا کہنا ٹھیک ہی ہے۔“ ساس نے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

رینا، لاہور

یقین دہانی

علی جب کبھی دوستوں کی محفل میں پہنچتا سب اسے دیکھ کر منہ پر رومال رکھ لیتے۔ کئی بار ایسا ہونے پر آخر علی نے ایک دوست سے وجہ پوچھی تو اس نے بتایا۔

”تمہارے موزے بد بودار ہیں انہیں بدل کرنے موزے پہننے شروع کر دو۔“

اگلے روز علی نئے موزے پہن کر گیا لیکن دوستوں نے حسب معمول ناک پر رومال رکھ لئے علی کو بہت غصہ آیا تقریر کے انداز میں بولا۔

”مجھے معلوم ہے تم لوگوں نے کیوں ناک پر رومال رکھ لئے ہیں مگر میں نے پرانے موزے اتار کر نئے پہن لئے ہیں اگر یقین نہ ہو تو دیکھو۔“

اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کوئی چیز نکالی اور بولا۔

”یہ دیکھو یہ ہیں وہ موزے خدا را اب تو رومال ہٹا دو۔“

روبینہ یا سمین، کراچی

احساس

”کیا بات ہے منزل اتنے پریشان کیوں نظر آرہے ہو؟“ عاطف نے پوچھا۔

”کیا بتاؤں یار! مجھ سے اتنی زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے کہ اب میری زندگی کا بڑا حصہ جیتے جی جہنم کی نذر ہو جائے گا۔“

”آخر ہوا کیا؟“

”دراصل میں اپنی ساس کی ہمدردی حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔“ میں نے کہا۔

”آپ کا دوپٹہ پرانا ہو گیا ہے۔ میں آپ

کو نیا دوپٹہ لا دوں گا۔“ وہ خوش ہوئیں تو میں نے کہا۔

”آپ کا سوٹ بھی سلوا دوں گا۔“ اور پھر میں نے انہیں مزید خوش کرنے کی کوشش کی۔

”آپ کے دستاںوں پر بے شمار سلوٹیں پڑ چکی ہیں۔ میں آپ کو نئے دستاں بھی خرید دوں گا۔“

”لیکن یار! جب وہ غرائیں تو مجھے احساس ہوا کہ ان کے ہاتھوں میں دستاں تو تھے ہی نہیں۔“

سیدہ نسبت، کھرڈ پکا

علم کا رعب

علم کا رعب ٹھک ہے لیکن ڈگریوں کا بھی کچھ اثر ڈالو کر لیا ہے جو تم نے ایم اے تو ساتھ ہی میٹرک بھی کر ڈالو

سیما ممتاز، لاڑکانہ

گول کیپر

فٹ بال ٹیم کے کھلاڑیوں کے انٹرویوز ہو رہے تھے۔ ایک کھلاڑی سے صحافی نے سوال کیا۔

”آپ کتنے عرصے سے فٹ بال کھیل رہے ہیں؟“

کھلاڑی ”جناب! گزشتہ پانچ برس ہے۔“ صحافی ”اب تک آپ نے کتنے گول اسکور کیے ہیں؟“

کھلاڑی ”اب تک میں نے کوئی گول اسکور نہیں کیا بلکہ میں تو گول اسکور ہی نہیں کرتا۔“

صحافی ”پھر آپ کو ٹیم میں کیوں شامل کیا گیا ہے؟“

کھلاڑی ”اس لئے کہ میں گول کیپر ہوں۔“

رافعہ خالد، اڈاکاڑہ

کچھ بھی نہیں



صائمہ مظہر، حیدرآباد

ورزش

پہاڑوں پر واقع ایک ہوٹل اس وجہ سے مشہور تھا کہ ہوٹل کی انتظامیہ نے یہاں ٹھہرنے والوں کے لئے ورزش کا بہترین انتظام کر رکھا تھا، لیکن ایک گاہک نے ان سہولتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، وہ ہر وقت پڑا سوتا رہتا، ہوٹل سے رخصت ہونے لگا تو مینیجر نے اس کی منت سماجت کی کہ ”ہوٹل کی روایات نہ توڑیے زیادہ نہیں تو ایک معمولی سی ورزش ضرور کرتے جائیے، مثلاً اپنے ٹرنک کاؤنٹر تک ساتھ لے جائیں۔“

گاہک نے فرمائش کی، مینیجر بولا۔  
”اب ٹرنک کھول کر ذرا ہوٹل کی چادریں اور تولیے بھی نکال دیجئے۔“

ایمان علی، ٹوبہ ٹیک سنگھ

واضح فرق

کاروں کے شوروم میں سلیز مین ایک کار کے نئے ماڈل کی خوبیاں گنوارہا تھا، متوقع خریدار نے سب کچھ سننے کے بعد قدرے بے زاری سے کہا۔

”مجھے تو اس سال کے اور پچھلے سال کے ماڈل میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔“  
”بہت بڑا فرق ہے جناب!“ چہ ب زبان سلیز مین فوراً بولا۔

”پچھلے سال کے ماڈل میں سگریٹ لائٹر، اسٹیرنگ وہیل سے چھانچ کے فاصلے پر لگا ہوا تھا، اس نئے سال کے ماڈل میں سگریٹ لائٹر، اسٹیرنگ وہیل سے صرف چار انچ کے فاصلے پر لگا ہوا ہے۔“

شاہدہ اسد، گوجرانوالہ

اسے تو مٹ ہی جانا تھا

دسمبر کے حسین دن تھے

مری کی بچ بستہ فضاؤں میں  
ہمارے چار ہاتھوں نے  
مجسمہ اک بنایا تھا

ہجر موسم

بارشوں کا موسم خوب ہے لیکن  
کسی کے غم میں آنکھوں کے برسنے کا  
موسم ایسا ہے کہ

جب کچھ بھی اچھا نہیں لگتا  
نہ سب سے اچھا لگتا ہے

نوزیہ غزل، شیخوپورہ

امتحان

باپ:- ”پیسر کیسا ہوا؟“

بیٹا:- ”صرف پہلا سوال رہ گیا، دوسرا سوال آنہیں رہا تھا، چوتھا سوال کرنا بھول گیا، پانچواں سوال نظر نہیں آیا اور چھٹا سوال صفحے کے دوسری طرف تھا۔“

باپ:- ”اور تیسرا سوال؟“

بیٹا:- ”صرف وہی غلط ہوا۔“

رانیا سحر، ملتان

جواب

ایک خاتون نے ایئر پورٹ فون کر کے پوچھا۔  
”کراچی سے دوپٹی تک کے لئے فلائٹ کتنا ٹائم لیتی ہے؟“

فون اٹینڈ کرنے والے صاحب کو معلوم نہیں تھا، انہوں نے کسی اور سے پوچھنے کے ارادے سے کہا۔

”محترمہ! ایک منٹ۔“

”حیرت ہے، پی آئی اے کے پاس اتنے تیز رفتار جہاز آگئے۔“ خاتون نے فوراً کہا اور فون بند کر دیا۔

حیدر رضا، جھنگ

☆☆☆

ماہ 2015

245

حصہ





طاہرہ آصف ---  
مجھے مجھ کو ساتھ لے کر کبھی میرے ساتھ چل کر  
وہ بدل گئے اچانک میری زندگی بدل کر

ہر ایک پل تیری چاہت کے نام پہ قرباں  
ہر ایک لمحہ تیری یاد کا سہارا ہے

مدت کا ایک دوست کچھ اس طرح پھڑ گیا  
جیسے کہ چل رہے تھے کسی اجنبی کے ساتھ  
ارم ناز ---  
ٹوٹ جائے نہ کہیں ضبط کا بندھن مجھ سے  
میں تو آیا ہوں تری آنکھ کا دریا لینے

اب کے کرنا تو کسی ایسے کی چاہت کرنا  
جس کو آتا ہی نہ ہو شکوہ شکایت کرنا

تیری کم گوئی کے چہرے تھے زمانے بھر میں  
کس سے سیکھا ہے یوں باتوں کی وضاحت کرنا  
سپاس گل ---  
کتنے کتنا کہا تھا آنکھ میں سورج نہ رکھا کر  
وہی آخر ہوا نا، خود کو اندھا کر لیا تو نے

یہ کیا آئی تھی جی میں دوستوں کو آزمانے کی  
یہ کیا بیٹھے بٹھائے خود کو تنہا کر لیا تو نے  
ایمان علی ---  
وہ ٹھہرا ٹھہرا سا پانی، وہ سلجھا سلجھا سا موسم  
میں الجھا الجھا سا شاعر، میں ٹھہرا پاگل ادارہ

کیا موسم تھا کیا شامیں تھیں، کیا راہیں تھیں کیا راہی تھے

اک لڑکی کچھ دیوانی سی، اک لڑکا پاگل ادارہ  
نوزیہ خضر ---  
منظف آباد

مت ٹوٹ کے چاہ مجھے  
بھول جائے گی راہ مجھے  
بس اتنا خیال رکھ لینا  
پیار تم سے ہے بے پناہ مجھے

وہ میرا ہو جو نگاہوں میں حیا رکھتا ہو  
ہر قدم ساتھ چلے عزم وفا رکھتا ہو  
ناز اس کے نہ اٹھاؤں تو شکایت نہ کرے  
ہر غم سہہ کر بھی سہنے کی ادا رکھتا ہو

خوشبو خوشبو بات ہو تم  
پورے چاند کی رات ہو تم  
نرم ہوا کے جھونکے کی مانند  
ہر لمحہ میرے ساتھ ہو تم

دل میں نہ ہو جرأت تو محبت نہیں ملتی  
اتنی بڑی دولت خیرات میں نہیں ملتی  
شہر میں کچھ لوگ یونہی ہم سے خفا ہیں  
ہر ایک سے اپنی کبھی طبیعت نہیں ملتی  
راجہ شاہ ---  
منظف گڑھ

جہاں جاتا ہے میرا ذکر وہ کرتا ہے نفرت سے  
یہ اس کی مہربانی ہے مجھے بھی ساتھ رکھتا ہے

میں نے جس لمحے کو پوچھا ہے اسے بس اک بار  
خواب بن کر تیری آنکھوں میں اترتا دیکھوں  
نوروز شاہ ---  
اوکاڑہ  
ذرا دیر ہو جاتی ملنے کو وہ نظروں کے عتاب لکھتا تھا



آنسوؤں سے بھرے نین دیکھ کر وہ جواب لکھتا تھا  
سہم جانی تھی میں اسے خفا دیکھ کر غزل  
میری سہی صورت دیکھ کر وہ دل بے تاب لکھتا تھا

کاش میں اتر جاؤں  
اس میں اس کی طرح غزل

نازیہ چوہدری  
تیری جیسی آنکھوں والے ہوتے ہیں جب ساحل پر  
تو لہریں شور مچاتی ہیں لو آج سمندر ڈوب گیا  
نالکے بسم  
خوشی اور غم کے موسم سب کے اپنے ہوتے ہیں  
کسی کو اپنے حصے کا کوئی لمحہ نہیں دیتا  
اٹھانا خود ہی پڑتا ہے تھکا ہارا بدن اپنا  
کہ جب تک سانس چلتی ہے کوئی کندھا نہیں دیتا  
رانی سلطان  
حافظ آباد

چاہتوں کی سزا نہ دے جانا  
وقت آخر دعا نہ دے جانا  
ہم نے ڈھونڈا ہے مشکلوں سے تمہیں  
ہاتھ میں پھر دیا نہ دے جانا

آج کی رات جو برسات میرے گھر ٹھہرے  
دل کی بنجر سی زمیں پر بھی کی آ جائے  
وہ ازل سے میرے دل میں بے ہیں ناصر  
کیسے ممکن ہے محبت میں کی آ جائے

سہا سہا ڈرا سا رہتا ہے  
جانے کیوں جی بھرا سا رہتا ہے  
عشق میں اور کچھ نہیں ہوتا  
آدی با نورا سا رہتا ہے

فوزیہ غزل  
دھوپ کی موج میں خورشید کا خون ملتا ہے  
سوک میں پرچم احساس نگوں ملتا ہے  
ہاں مگر ابن علی ایک شجر ہے ایسا  
جس کے سائے میں شریعت کو سکون ملتا ہے

آنکھوں میں جاگتا ہے سدا غم حسین کا  
سنے میں سانس لیتا ہے ماتم حسین کا  
مٹی میں مل گئے ہیں ارادے بزیل کے  
لہرا رہا ہے آج بھی پرچم حسین کا

غربت ہے رشک بخت سکندر بنی ہوئی  
صحرا کی دھوپ خود ہے سمندر بنی ہوئی  
دیکھو سر حسین کی بخشش کا معجزہ!  
نوک سناں ہے دوش پیہر بنی ہوئی  
نگہت پروین  
شریک جرم نہ ہوتے تو مجھری کرتے  
ہمیں خبر ہے لیٹروں کے ہر ٹھکانے کی

نوک شمشیر پہ یوں ہم نے گزارے لمحے  
کالج کی آنکھ سے خوابوں کا گزر ہو جیسے  
فریدہ جاوید فری  
لاہور

جو سامنے ہوتا ہے نہیں دید کے قابل  
یہ آنکھ کسی درد کے منظر کے لئے ہے  
ہجر کا باب ہو گئے تم بھی  
کتنے کم یاب ہو گئے تم بھی

میں نہ کہتا تھا وقت ظالم ہے  
دیکھ لو خواب ہو گئے تم بھی

رضا حیدر  
وہاڑی  
نگار وقت اب اسے لہو سے کیا چمن کریں؟  
یہ دست جاں کس ہانپتا رہا سراب اوڑھ کر  
لیوں کے حرف نرم کی پیش سے مت جگا اسے  
یہ دل تو کب کا سوچکا ردائے خواب اوڑھ کر

مجھ کو معلوم نہ تھا زمانے کی تلخ ہواؤں کا سعد  
ورنہ وفا کی چادر میں گھر سے اوڑھ کر ہی لکھتا

ہاتھوں میں دوستی کی لکیریں سجا کے مل



آنکھوں میں احتیاط کی شمعیں جلا کے مل  
دل میں کدورتیں ہیں تو ہوتی رہیں مگر  
بازار میں ملا ہے تو ذرا مسکرا کے مل  
نعمہ طاہر

یہ کچھ دن ہیں کہ اس کو یاد ہر ایک شام کرنا ہے  
پھر اپنے دل کی بستی میں اسے گناہ کرنا ہے

تمہیں خبر ہی نہیں کوئی ٹوٹ گیا  
محبوبوں کو پائیدار کرتے ہوئے

ہمارے ذہن پر چھائے نہیں ہیں حرص کے سائے  
جو ہم محسوس کرتے ہیں وہی تحریر کرتے ہیں

ہماری ڈوبتی نبضوں سے زندگی تو نہ مانگ  
خچی تو ہیں لیکن اتنے امیر ہم بھی نہیں  
فرح راؤ

تیرا ملنا ہی مقدر میں نہیں تھا ناز  
ورنہ کیا کچھ نہیں کھویا آپ کو چاہنے کے لیے  
عمران سنی

سپنوں سے دل بچانے کی عادت نہیں رہی  
ہر وقت مسکرانے کی عادت نہیں رہی  
یہ سوچ کر کے اب کوئی منانے نہیں آئے گا  
اب ہمیں روٹھ جانے کی عادت نہیں رہی!

سلیم سیال  
میرے شعروں میں الہام کی صورت اتر ا تھا  
معانی بن کر جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا

وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے  
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے  
کراچی

تمہاری سالگرہ پر دعا ہے ہماری  
کہ روز مبارک ہزار بار آئے  
تمہاری ہستی ہوئی زندگی کی راہوں میں  
ہزار پھول لٹائی ہوئی بہار آئے

سیما

لاہور

سالگرہ کے اس حسین موقع پر  
میری یادوں میں تو بھی شامل ہے  
آنا بھی اجنبی فضاؤں میں  
تو میری زندگی کا حاصل ہے

ثوبیہ صدیقہ

خزاں کی رات ہے جنم دن ہے دھواں اور پھول  
ہوا بکھر گئی موم بتیاں اور پھول!  
وہ لوگ آج خود اک داستاں کا حصہ ہیں  
جنہیں عزیز تھے قصے، کہانیاں اور پھول!

ارم

دن رات محبت کی تمناؤں میں رہنا  
بھلے ہوئے خوابوں کی گھنی چھاؤں میں رہنا  
نازک سے میرے دل کے لئے دھوپ کی رت میں  
مشکل ہے تیرے ہجر کے صحراؤں میں رہنا

سیما ممتاز

آنکھ موندے اس گلابی دھوپ میں  
دریہ تک بیٹھے اسے سوچا کریں  
دل، محبت، دین، دنیا، شاعری  
ہر دریچے سے تجھے دیکھا کریں

نوزیہ بیٹ

یوں اکیلے میں اسے عہد وفا یاد آئے  
جیسے بندے کو مصیبت میں خدا یاد آئے  
جیسے بھٹکے ہوئے چمچھی کو شمعین اپنا  
جیسے اپنوں کے چھڑنے پہ دعا یاد آئے

میرے سنے میں صحرا ہے سلکتا  
مگر آنکھوں میں ساون کی جھڑی ہے  
چلے آتے تمہارے پاس لیکن  
جدائی راستہ روکے کھڑی ہے

ردا طارق

کون سی بات خیالوں میں اتر آئی ہے  
سرخ اتنے جو رخسار ہوئے جاتے ہیں  
سعدیہ جبار

لمنان



آج جینا بڑا محال ہوا

تو بنے تو مہک انھیں دل کی گلیاں  
تیری اک مسکراہٹ سے ہماری عید ہو جائے  
عائشہ شہباز  
لاہور

کھلا کھلا ہو یہ جہاں دھلا دھلا سماج ہو  
تیری زمین پہ اے خدا محبتوں کا راج ہو

کتنی گم گشتہ بہاروں کا پتا دیتے ہیں  
صحن گلشن میں یہ سوکھے ہوئے پتے یارو  
اک پری زاد کی رسوائی کا ڈر ہے ورنہ  
ہم بھی سادہ کی طرح کھل کے بدستے یارو

مسکراتے ہوئے چہروں سے تبسم کی ضیا  
لوٹ لیتے ہیں یہ دستور انسانوں کا  
نسرین خورشید  
جہلم  
وہ کیسے لوگ تھے یارب جنہوں نے پالیا تجھ کو  
ہمیں تو ہو گیا ہے دشوار ایک انسان کا مانا

یہ درد کے ٹکڑے ہیں اشعار نہیں ساغر  
ہم کالج کے دھاگوں میں زخموں کو پروتے ہیں

ادروں کے لئے دھوپ میں چپ چاپ کھڑے ہیں  
دیکھے کوئی آداب وفا سنگ و شجر سے  
صائمہ منظر  
حیدرآباد  
وہ وقت بھی دیکھے ہیں تاریخ کی گھڑیوں نے  
لحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

اپنے کردار کو موسم سے بچائے رکھنا  
لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوشبو

☆☆☆

پھنڑ گیا ہے تو اس کا ساتھ کیا مانگوں  
ذرا سی عمر ہے غم سے نجات کیا مانگوں  
وہ ساتھ ہوتا تو ہوتی ضرورتیں بھی بہت  
اکلی جان کے لئے کائنات کیا مانگوں

روشن بزم بن گئے لب پہ حکایتیں رہیں  
دل میں شکایتیں رہیں لب نہ مگر ہلا سکے  
عجز سے اور بڑھ گئی برہمی مزاج دوست  
اب وہ کرے علاج دوست جس کی سمجھ میں آ سکے  
حفصہ حماد  
کراچی  
یہ کہہ رہی ہے تمہیں چھو کے آنے والی ہوا  
اداس میں ہی نہیں بے قرار تو بھی ہے

تیری محبت میں یہ کیا احساس ہے  
کہ تو دور ہو کر بھی میرے دل کے پاس ہے  
میں تیری تمنا کو دل سے مٹاؤں کیسے  
تو سمندر ہے اور مجھے تیری پیاس ہے

جانے کیوں یہ گماں ہوتا ہے  
کہ وہ نظر آئے گا سرراہ چلتے وقت  
خدا لکھ دے گا اسے میری قسمت میں  
کسی قبولیت کی گھڑی میں شام ڈھلتے وقت  
مصباح فیصل  
کوہاٹ

یاد ہے میں کیا تھا پر اب جانے کیا ہو گیا ہوں  
آئینے میں شکل دیکھے اک زمانہ ہو گیا  
ختم ہوئی ڈائری گرتے ہوئے پتے ریاض  
آ گیا ماہ دسمبر سال بوڑھا ہو گیا

وقت گزرا تو یہ ملال ہوا  
ختم اک زندگی کا سال ہوا  
کتنی شدت سے کوئی یاد آیا



## مٹن مسور

اشیاء

گوشت (بغیر ہڈی کا)  
گرم مصالحہ (پسا ہوا)

اجوائن

مرچ

بجنی

پانچ سو گرام

ایک عدد

تھوڑی سی

حسب ذائقہ

چار کپ

ایک کپ

کھانے کے دو چمچ

گاجر (پھیل کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں) دو عدد

حسب ذائقہ

حسب ضرورت

دو کھانے کے چمچ

ترکیب

نان اسٹک پین میں گوشت کو بغیر تیل کے  
تل لیں، وقتاً فوقتاً لٹتے پلٹتے رہیں، تاکہ دونوں  
طرف سے اچھی طرح سگ جائیں، اب اس  
میں تیل ڈال کر ہلکا گرم کریں اور اس میں پیاز،  
گاجر، نمک، مرچ اور اجوائن ڈال کر تھوڑی دیر  
بھونیں، جب اچھی طرح بھن جائے تو اس میں  
بجنی، گرم مصالحہ اور ٹماٹر ڈال کر پکائیں، جب  
ایک ابال آ جائے تو آٹھ ہلکی کر کے تگنے دیں،  
جب گوشت اور مسور گل جائے تو دھنیا چھڑک کر  
اتار لیں۔

## مونگ کی دال گوشت

اشیاء

دال (آدھا گھنٹہ پہلے بھگودیں) ایک پاؤ

تھی، تیل

لہسن (پسا ہوا)

نمک

سرخ مرچ

آدھا کپ

چھ جوے

حسب ذائقہ

حسب ذائقہ

ایک پاؤ

دو عدد

ایک انچ کا ٹکڑا

ایک چٹکی

پیار

ادرک (پسی ہوئی)

ہلدی

گرم مصالحہ (پسا ہوا)

ہرا دھنیا (باریک کترا ہوا) کھانے کے چار چمچ

ترکیب

تھی، تیل گرم کریں اور اس میں پیاز سرخ  
کر لیں، اب اس میں ادرک، لہسن اور گوشت ڈال  
کر بھونیں، جب اچھی طرح بھن جائے تو اس  
میں نمک، مرچ اور ہلدی ڈال دیں، اب اس میں  
حسب ضرورت پانی ڈال کر گوشت گھلنے کے لئے  
رکھ دیں، جب گوشت گل جائے تو اس کو بھون کر  
دال گل جائے اور پانی بالکل خشک ہو جائے،  
جب دال بھی گل جائے تو اس پر گرم مصالحہ، ہری  
مرچ اور ہرا دھنیا ڈال کر دم پر رکھ دیں، چند منٹ  
بعد اتار لیں، مزے دار دال مونگ اور گوشت تیار  
ہے۔

## ماش کی دال گوشت

اشیاء

ماش کی دال

تھی، تیل

ایک پاؤ

پون کپ



پیاز (باریک کٹی ہوئی) تین عدد نمک  
 سرخ مرچ حسب ذائقہ  
 ہر ادھنیا (باریک کٹا ہوا) حسب ضرورت  
 گوشت ایک پاؤ  
 لہسن ایک پونجی  
 ادراک (باریک کٹی ہوئی) ایک چھوٹا ٹکڑا  
 ہلدی چائے کا چوتھائی چمچ  
 گرم مصالحہ چائے کا ایک چمچ  
 ہری مرچ (باریک کٹی ہوئی) چار عدد  
 ترکیب

کالی مرچ آدھا چائے کا چمچ  
 گھی، تیل (تیلنے کے لئے) حسب ضرورت  
 مڑدانے (ابلے ہوئے) آدھا کپ  
 انڈے (ابلے ہوئے) دو عدد  
 نمک حسب ذائقہ  
 سلاد حسب ضرورت  
 ترکیب

قیے اور آلو کو اچھی طرح پیس لیں، اس میں ابلے ہوئے مڑ، نمک اور کالی مرچ ڈال کر ہاتھ سے اچھی طرح ملائیں، ان کے چھوٹے چھوٹے کوفتے بنالیں، کڑاہی میں گھی، تیل گرم کریں، ان کوفتوں کو انڈے میں اچھی طرح ڈبو کر کڑاہی میں ڈال دیں، جب ہلکے بادامی ہو جائیں تو نکال لیں اور نشوونما پر رکھیں، ان کوفتوں کو ڈش کے درمیان میں رکھ کر اس کے ارد گرد سلاد اور ابلے ہوئے انڈوں کو کاٹ کر سجائیں۔  
 فرائیڈ سبزیاں

ایک دیکھی میں گھی گرم کریں اور پیاز ڈال کر سرخ کر لیں، پھر اس میں گوشت اور لہسن ڈال کر بھونیں، جب گوشت بھن جائے تو اس میں نمک، مرچ، ہلدی اور لہسن ڈال دیں، پھر اس میں حسب ضرورت پانی ڈال کر گھنے کے لئے رکھ دیں، (پانی اتنا ڈالیں کہ گوشت نیم گلا ہو تو خشک ہو جائے) جب گوشت نیم گلا ہو جائے تو بھون لیں۔

دال ڈال کر تھوڑا سا بھونیں اور ادراک ڈال دیں، جب بھن جائے تو اس میں دال ڈال دیں، اب اتنا پانی ڈالیں کہ دال گل جائے، مگر دانہ ثابت رہے، جب گوشت اور دال گل جائے اور گھی چھوڑ دے تو ہری مرچ، گرم مصالحہ اور ہرا دھنیا ڈال کر چند منٹ دم پر رکھ دیں، جب دم آ جائے تو اتار لیں، چٹنی، سلاد اور چپائی کے ساتھ کھانے کے لئے پیش کریں۔  
 دیکھی نیبل کوفتے

اشاء  
 سبز تلی جلی سبزیاں  
 (پالک، بند گوبھی، شملہ مرچ وغیرہ) ایک کلو  
 ادراک (چاپ کیا ہوا) ایک انچ کا ٹکڑا  
 نمک حسب ذائقہ  
 چٹنی چائے کا ایک چمچ  
 ٹماٹر ساس چائے کے دو چمچ  
 مٹر کی پھلیاں پچاس گرام  
 سبز مرچ (چار لمبے ٹکڑے) ایک عدد  
 میٹھا سوڈا ایک چمچ  
 آئل (پکا ہوا) کھانے کے تین چمچ  
 ساس کے اجزا  
 گاڑھا سویا ساس  
 کارن فلور  
 کالی مرچ  
 چائے کے دو چمچ  
 چائے کے دو چمچ  
 حسب ذائقہ

اشاء  
 آلو (ابلے ہوئے)  
 قیمہ (ابلا ہوا)  
 انڈے (پھینٹے ہوئے)  
 آدھا کلو  
 ایک کپ  
 دو عدد



مرغ بخنی  
گرم مصالحہ  
ترکیب

ایک کپ  
چائے کا ایک چمچہ

سرخ مرچ پاؤڈر  
سبز دھنیا (کٹا ہوا)  
نمک  
ایک چائے کا چمچ  
حسب ضرورت  
دو کھانے کے چمچ  
حسب ذائقہ

بالک، بند گوبھی، شملہ مرچ تمام سبزیاں  
تین انچ کے ٹکڑوں میں کاٹ لیں، شملہ مرچ کے  
جنگ نکال دیں، ایک دہچھی میں پانی ڈال کر ابالیں،  
نمک، میٹھا سوڈا اور چینی ڈال کر سبزیاں اس میں  
ڈال دیں اور پانچ منٹ تک ابالیں، اب سبزیاں  
پانی سے نکال کر نچوڑ لیں اور پانی ضائع کر دیں،  
ان سبزیوں میں پکا ہوا تیل ایک کھانے کا چمچہ  
ڈال کر ڈھانپ دیں۔

کھانے کے دو چمچے آئل کڑا ہی میں گرم  
کریں اور اس میں ادراک ایک منٹ فرائی کریں،  
اب سبز اور سرخ مرچ ڈال کر مزید دو منٹ فرائی  
کریں، اب اس میں ساس کے اجزا ڈال دیں،  
کفگیر سے ہلا کر تین چار منٹ تک دھیم آہٹ پر  
پکنے دیں، اب اس میں سبزیاں شامل کر دیں اور  
ایک منٹ تک پکا کر پیش کریں، پیش کرتے وقت  
کالی مرچ اور سے چھڑک دیں۔  
کھنٹی میٹھی سبزیوں کی تیخ

اشیاء  
آلو

ایک عدد  
مٹر کے دانے (ابال کر پیس لیں) ایک کپ  
اردو پیسٹ  
چاٹ مصالحہ  
ہری مرچیں (کٹی ہوئی)  
آم کی چٹنی  
چنا پاؤڈر  
تیل تلنے کے لئے  
گاجر  
پنیر (کش کیا ہوا)  
خسک آپجور

اشیاء  
مولی  
گرم مصالحہ (پسا ہوا)  
پیاز (پسی ہوئی)  
نمک  
بیس  
اٹھ (پھینٹ لیں)  
ادراک (پسی ہوئی)  
کالی مرچ (پسی ہوئی)  
تیل تلنے کے لئے  
ترکیب

مولیاں کش کر کے پیس لیں، پسی ہوئی  
مولیوں میں پیاز، ادراک، گرم مصالحہ، نمک اور  
بیس ملا دیں، اس کے گول گول کوٹے بنالیں،  
کڑا ہی میں بھی خوب گرم کر لیں، کوفتوں کو اٹھارے  
میں اچھی طرح ڈبو لیں، آٹھ دھیمی کر کے مولی



کے کوفتے اس میں مل لیں، جب سب کوفتے تل لیں تو ان کے اوپر کالی مرچ چھڑک دیں اور سلاد کی ڈش میں سجا کر کھانے کے لئے پیش کریں۔  
چائیز سلاد

فرائنگ پین میں تیل (تین چمچے تیل اور دو چمچے تل کا تیل) ڈال کر گرم کریں، تیل گرم ہو جائے تو اس میں تل ڈال کر ہلکے سے بھونیں، پھر اس میں باقی سویا ساس اور سرکہ ڈال دیں اور ذرا دیر پکائیں، اب اس میں گاجریں ڈال کر اتنا پکائیں کہ گاجریں نرم ہو جائیں، گاجریں نرم ہو جائیں تو اس کو اتار لیں۔

کھیرے کا پانی اچھی طرح چھوڑ لیں اور کھیرے ایک پیالے میں ڈال دیں اور اس کو سبز پیاز میں ڈال کر رکھ دیں، اب ایک گہری سلاد کی ڈش میں گوشت کے ریٹے، گوشت کی بجنی (جو گوشت گانے کے بعد بچ جائے) کھیرے کا پانی، سبز سپاؤٹس اور تیار شدہ گاجر ڈال کر چمچ سے اچھی طرح ملائیں اور ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں، ایک پیالے میں مکھن، دو چمچے لیموں کا رس، دو چمچے تل کا تیل اور سرخ مرچ ڈالیں۔

اب اس میں چوتھائی کپ گرم پانی ڈال کر پیسٹ بنالیں، اس پیسٹ (ساس) میں کھانے کے دو چمچے باریک کتری ہوئی سبز پیاز ڈال دیں، گوشت اور گاجروں سے تیار شدہ سلاد میں الگ پیالے میں رکھا ہوا کھیرا اور سبز پیاز ملائیں اور پیسٹ بڑے سے تیار شدہ ساس کے ساتھ پیش کریں، مزے دار غذائیت سے بھرپور چائیز سلاد تیار ہے۔

☆☆☆

اشیاء  
مرغی کا گوشت (بغیر ہڈی کا) تین پاؤ  
گاجر (کش کی ہوئی) دو عدد

سبز سپاؤٹس ایک کپ  
چائیز مصالحہ پاؤڈر چائے کا چوتھائی چمچ  
نمک چائے کا ایک چمچ

کھیرا (کش کیا ہوا چھوٹے سائز کا ایک عدد  
سبز پیاز (کتری ہوئی) ایک سو پچاس گرام

سویا ساس کھانے کے چار چمچ  
لیوں کا رس کھانے کے چار چمچ  
تیل کھانے کے تین چمچ

(کوئی بھی کوئنگ آئل)  
تل کا تیل کھانے کے چار چمچ  
پیسٹ بنالیں، اس پیسٹ (ساس) میں کھانے کے دو چمچے باریک کتری ہوئی سبز پیاز ڈال دیں، گوشت اور گاجروں سے تیار شدہ سلاد میں الگ پیالے میں رکھا ہوا کھیرا اور سبز پیاز ملائیں اور پیسٹ بڑے سے تیار شدہ ساس کے ساتھ پیش کریں، مزے دار غذائیت سے بھرپور چائیز سلاد تیار ہے۔

سرکہ  
سرخ مرچ پاؤڈر چائے کا چوتھائی چمچ  
ترکیب

ایک دیبھی میں چار کپ پانی، گوشت، کھانے کا ایک چمچ سویا ساس، چائیز مصالحہ پاؤڈر اور کھانے کے دو چمچے لیموں کا رس ڈال کر پکنے کے لئے رکھ دیں، جب اس کو ایک اباں آ جائے تو آج دھیمی کر کے پکنے دیں، جب گوشت گل جائے تو اتار لیں۔

گوشت اتنا پکا نا ہے کہ اس کے ریٹے بن جائیں، اس دوران کھیرے کو نمک لگا کر ایک چھلنی میں ڈال دیں اور اس چھلنی کو پیالے میں رکھ دیں اور اوپر سے ڈھانپ دیں، نان اسٹک



السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں۔

آپ کو سلامتی، عافیت اور خوشیوں کے لئے دعائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو، ہم کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

وقت تیزی سے گزرتا جا رہا ہے، اس گزرتے وقت میں سکون و اطمینان کا فقدان ہے، ابھی ایک مسئلے سے نکلتے ہیں کہ دوسرا سامنے آن کھڑا ہوتا ہے، ابھی پشاور سکول میں ہونے والے ظالمانہ حملے کے شہداء کے لواحقین کے آنسو تھمنے نہیں تھے کہ پشاور میں ہی ایک اور دہشت گردی ہوئی اب کی بار نشانے پر اللہ کے حضور جھکے اپنی عہدیت عاجزی کا اظہار کرنے والی نمازی زدیر تھے، ٹکڑوں میں بٹے لاشے، خودکش حملہ آوروں کے مسخ شدہ اعضاء، بے انداز چیخ و پکار، لامتناہی بین آفغاں کا شور، ماؤں کے افسردہ چہرے، یتیم بچوں کے چہروں پر منجمد بے چارگی، بہنوں کی آنکھوں میں ٹھہری ناامیدی اور ہر لمحے کچھ ہونے کے خوف کا شکار قوم کا گرنا مورال، یہ ہے اس پاک وطن کی تصویر، جس کے عوام بد حال اور حکمران شہنشاہ۔

ضروریات زندگی کی اہم چیزیں نایاب، دہشت گردی اور مہنگائی کے آسیب نے پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، بہت دکھ کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج ہم اچھی قیادت کے شدید بحران کا شکار ہیں، قیادت کا بحران، مسائل

کے اور اک کا فقدان، بے نیازی سود و زیاں ہمارا آج کا المیہ ہیں، کہنے کو ہم ایک قوم ہیں، لیکن ہمارا اجتماعی شعور قوم خواب گراں میں مبتلا ہے۔

آئیے مل کر سوچتے ہیں، اس کا حل کیا ہے، کیا ہم پر اس سلسلے میں کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔ درود پاک، استغفار اور تیسرے کلمے کا ورد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اس وقت وطن عزیز جن مشکلات میں گرا ہوا ہے اللہ پاک ہمیں ان مشکلات سے نکال کر اس کو ایمان دار نیک اور وطن کی محبت میں سرشار قیادت نصیب کرے، آمین یا رب العالمین۔

اپنا بہت خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کا خیال رکھتے ہیں۔ آئیے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں لیجئے یہ پہلا خط ہمیں صامیہ اسلام کا کھاریاں سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں اگر آپ نے جواب نہ دیا تو پھر آخری بار بھی ہوگا۔

فروری کا شمارہ زبردست تھا، سوائے ٹائٹل کے، اس بار کا ٹائٹل پسند نہیں آیا، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول ﷺ سے مستفید ہو کر پیارے نما کی پیاری باتیں پڑھی، معلومات میں اضافہ ہوا جزاک اللہ۔

ارے یہ کیا اس مرتبہ کسی مصنفہ نے حنا کے ساتھ دن نہیں گزارا کیوں؟ اب آتے ہیں اس تحریر کی طرف جس کے لئے میں نے خط لکھا، ام مریم کا ناول ”تم آخری جزیرہ ہو“ کا اینڈ مریم



نے ویسے ہی کیا جیسے ہمیں نظر آ رہا تھا یعنی وہی دیو اور شہزادی والی کہانی جس کے اینڈ پر سب ہنسی خوشی رہنے لگ جاتے ہیں، سونا دل کے آخر میں بھی سب کے سب اعلیٰ ظرف بن گئے، بلاشبہ مریم یہ ناول قارئین کی توجہ کا باعث رہا مگر صرف وہاں تک جہاں مریم نے اسلام کے متعلق خصوصاً قرآن پاک کی آیات کو لے کر اپنا علم جھاڑنا شروع نہیں کیا تھا، مجھے زیادہ تو نہیں صرف مریم جی سے اتنا کہنا ہے کہ قرآنی آیات کا ترجمہ اپنی تحریروں میں آگے پیچھے کر کے اپنے مطلب کا مفہوم مت شائع کیا کریں، اس بات پر نہ آپ کو اللہ معاف کرے گا اور نہ ہی مسلمان، آگے آپ خود سمجھدار ہیں۔

نایاب جیلانی کا نیا سلسلہ وار ناول ”پریت کے اس پار کہیں“ شروع کر کے آپ نے قارئین کو خوشگوار سر پر انداز دیا، ناول کی پہلی قسط نے ہی متوجہ کر لیا یقیناً آگے چل کر یہ ناول بے حد دلچسپ ثابت ہوگا، سدرۃ المنتی کا سلسلہ وار ناول بھی شوق سے پڑھا جا رہا ہے سدرۃ کا انداز بیان بے حد دلچسپ ہے، ناولٹ میں رمشا احمد نظر آئیں، رمشا نے نہ صرف ناولٹ کو نام خوبصورت دیا بلکہ اس کی کہانی بھی بڑی مزے کی تھی اتنی اچھی تحریر لکھنے پر رمشا احمد کو مبارک باد، قرۃ العین رائے کی طویل تحریر ”چاہت کے رنگ“ مکمل ناول کی صورت میں نظر آئی اور اس پر باقی اگلے ماہ، لکھا دیکھ کر ہم نے اپنی رائے بھی اگلے ماہ تک کے لئے محفوظ کر لی، افسانوں میں سیمیں کرن کا ”ہم زبان“ کلفتہ شاہ کا ”درد پہاں“ اور سونیا چوہدری کی تحریریں بے حد پسند آئیں، سویرا ملک اور مریم ماہ منیر کی کوشش بھی اچھی تھی جبکہ سیما بنت عاصم کا افسانہ انتہائی ناقص تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ کسی نئی لکھنے والی کی تحریر ہے سیما جی

کی تحریر انتہائی غیر دلچسپ تھی، کم از کم ہمیں ان سے اتنی ہلکی تحریر کی توقع نہیں تھی۔  
مستقل سلسلے پہلے کی طرح بے حد پسند آئے، اریبہ شاہ، عافیہ نعیم اور رفعت احمد کا انتخاب بہترین تھا، بیاض میں ساتھیوں کی دلچسپی نظر آئی۔

صامیہ اسلام خوش آمدید آپ نے کیسے سوچا کہ ہم نئے آنے والوں کا خط شائع نہیں کرتے، ایسا ہرگز نہیں، وہ خطوط جن میں کوئی قابل ذکر بات ہو ضرور شائع ہوتے ہیں اور جواب بھی دیئے جاتے ہیں، ام مریم کے ناول کے سلسلے میں ہم یہاں وضاحت کرتے چلیں کہ آپ نے جس آیات و تراجم کا ذکر کیا ہے ام مریم نے اس آیات کے مفہوم کو بتانے کی کوشش کی ہے، یہ مریم کی ہی نہیں ہماری بھی غلطی ہے کہ آیات کے ترجمہ کو اس کے حوالے کے ساتھ مکمل شائع نہ کر سکے ہم اس کوتاہی کے لئے آپ سب سے اور اللہ کے حضور معافی کے طلبگار ہیں، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہے گا شکریہ۔  
زیبا شمار: سے لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ سنیا مارشل کے سرورق کے ساتھ ملا، سنیا ہمیں کبھی اچھی نہیں لگی سو اس کو لفٹ کرائے بنا ہم آگے بڑھے فہرست پر نظر ڈالتے ہی ہماری چیخ نکل گئی۔

نایاب جیلانی کا نام دیکھ کر، واہ یہ آپ یہ تو کمال ہو گیا نایاب آپ کا ناول شروع کر کے آپ نے ہمارا دل جیت لیا، نایاب ہماری فورٹ رائٹر ہے سو باقی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ہم نایاب جیلانی کے ناول میں ڈوب گئے، مطلب پڑھنے میں، واہ پہلی قسط ہی انتہائی دلچسپ ہے نایاب جیلانی آپ آپ نے اتنا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے



سوات وغیرہ کا دل چاہتا ہے ابھی وہاں پہنچ جاؤں، ماشاء اللہ کہانی کا اشارت بہت خوبصورت ہے، دوسری قسط کا بے چینی سے انتظار ہے، نایاب جی کے بعد ہم واپس ام مریم کے ناول میں پہنچے، بہت خوب ام مریم آپ نے ناول کا اختتام بہت خوبصورت کیا آپ کے ناول کے اینڈ کو پڑھ کر مجھے نسیم سحر قریشی کا ناول ”تو جو شریک سفر یاد“ آگیا آپ کے ناول کا اختتام بھی ویسا ہی ہے اتنی اچھی تحریر لکھنے پر آپ بے حد مبارکباد قبول کیجئے، میری طرف سے اور میرے دوستوں کی طرف سے بھی۔

”چاہت کے رنگ“ لے کر قرۃ العین رائے صاحبہ آئیں مکمل ناول والے حصے میں، قرۃ العین پہلی قسط پڑھ کر تو کچھ سمجھ نہیں آئی خاصی ابھی ہوئی سنوری ہے اگلی قسط پڑھ کر ہی پتا چلے گا کہ کیا صورت حال ہے، ناولٹ میں فرحت شوکت کو تلاش کیا مگر حیرت سی حیرت کے دو ماہ لکھ کر ہی وہ تھک گئیں اور اس ماہ فروری میں ان کے ناولٹ کی قسط نہ جانے کس کی ہو کر رہ گئی، ابھی تو ہم ان سے ناولٹ کے کم صفحات کی شکایت بھی نہیں کر پائے تھے، البتہ رمشا احمد نے فرحت کی کمی کو پورا کرنے کی کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی رہیں، رمشا احمد کا ناولٹ اپنے نام کے ساتھ بے حد پسند آیا، افسانوں کی تو اس مرتبہ بہار تھی، سب سے بہترین افسانہ سیمیں کرن کا تھا، اس کے علاوہ شمیمہ شیخ کا ”تعریف“، کھلفۃ شاہ کا ”درد پنہاں“، سونیا چوہدری کا ”خواب بگر کی تہلی“، ام مریم کا ”منجو“ اور سویرا ملک کی تحریریں بھی متاثر کن تھی جبکہ سیما بنت عاصم نے مایوس کیا انتہائی غیر معیاری تحریر بھی سیما کی، اب آتے ہیں ہنستے مسکراتے سلسلوں کی طرف، حاصل مطالعہ میں شازیہ بٹ، کرن اصغر

اور حفصہ شفیق نے بہترین تحریروں کا چناؤ کیا، جبکہ میری ڈائری میں، شازیہ بٹ، رفعت احمد کی پسند لا جواب تھی، بیاض میں ہر ایک نے بہترین شعر کا انتخاب کیا جبکہ رنگ حنا میں سبھی دوستوں نے خوب رنگ بکھرے، حنا کی محفل اور حنا کا دستر خوان ہمیشہ کی طرح حٹ پٹا تھارہ گئی بات ”کس قیامت کے یہ نائے“ کی تو وہ اپنی مثال آپ ہیں، اس میں ہر کسی کا خیال رکھا جاتا ہے، سخت سے سخت تنقید کو خندہ پیشانی سے سنا جاتا ہے، مجموعی طور پر حنا فروری کا شمار بہترین شمارہ تھا۔ آخر میں آپلی میں بتاؤ کہ میں اس محفل میں

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت  
لیجیے

ابن اشاء

اردو کی آخری

خدا گندم.....

☆ دنیا گول ہے.....

☆ آوارہ گرد کی ڈائری.....

☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں.....

☆ چلتے ہو تو چین کو چلے.....

☆ بستی کے اک کوپے میں.....

☆ چاند نگر.....

☆ دل وحشی.....

☆ آپ سے کیا پردہ.....

لاہور، پاکستان

دن برسرِ روضہ



# پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

## یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

### ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو پیسے کمانے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

**We Are Anti Waiting WebSite**

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

# WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on  
Facebook

[fb.com/paksociety](https://fb.com/paksociety)



[twitter.com/paksociety1](https://twitter.com/paksociety1)



پہلی بار آتی ہوں اگر کچھ غلطی ہو گئی ہو تو درگزر کیجئے گا شکریہ۔

زیبا شاہ، خوش آمدید اس محفل میں دل و جان سے، آپ کے نام نے ہمیں ماضی کی ایک خوب و اداکارہ زیبا کی یاد دلا دی، فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف اور تنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین تک پہنچائی جا رہی ہے آپ کی رائے دینے کا انداز ہمیں بے حد پسند آیا آئندہ بھی ہماری محفل کی رونق بڑھانے کے لئے تشریف لاتی رہیے گا ہم آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ۔  
طوبی دانیال: سے لکھتی ہیں۔

فروری کا شمارہ اس مرتبہ جلد مل گیا، حمد و نعت اور پیارے نیا کی پیاری باتیں سب سے پہلے پڑھی دل کو سکون ملا ہمیشہ کی طرح انشاء نامہ بے حد پسند آیا، سلسلے وار تحریروں ام مریم کا ناول اپنے اختتام کو پہنچا صد شکر، مریم آبی نے یہ ناول کچھ زیادہ ہی لمبا کر دیا تھا، سدرۃ الحسنی کا ناول اپنے اچھوتے طرز بیان کی وجہ سے بے حد پسند آیا ہے اس مرتبہ کی قسط بھی شاندار رہی، نئے نئے انکشاف سامنے آئے، نیا ناول ”ہریت کے اس پار کہیں“ کا نام بڑا اٹوکھا سا ہے پہلی قسط میں ابھی کوئی خاص پتا نہیں چل سکا لیکن یقین واثق ہے کہ یہ نایاب جیلانی کا نام حنا کے لئے بہترین اضافہ ثابت ہو گا، طویل تحریروں میں مکمل ناول ایک ہی تھا مگر افسوس کہ قرۃ العین رائے کی یہ تحریر کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ پائی جبکہ ناولٹ میں رمشا احمد کی تحریر بھی بس گزارہ ہی تھی، یہ فرحت شوکت کا ناولٹ کیوں شائع نہیں ہوا فوزیہ آبی، حیرت ہے دو قسطوں کے بعد ہی وہ غائب ہو گئیں، افسانوں میں سبھی مصنفین کی تحریر اچھی تھی ہر ایک

نے اچھی کوشش کی۔  
مستقل سلسلوں میں کسی ایک کی تعریف کریں ہر سلسلہ اپنی جگہ بہترین ہے۔

بیاض میں تبصروں کا انتخاب بہترین ہوتا ہے، جبکہ ڈائری کے سلسلے میں بھی ادارہ حنا معیار کا خاص خیال رکھتا ہے جس کے لئے وہ مبارک باد کا مستحق ہے، حنا کا دسترخوان ہمیشہ کی طرح اس بار بھی مزے کا رہا۔

طوبی دانیال فروری کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ فرحت شوکت کا ناولٹ دیر سے موصول ہونے کی وجہ سے شائع نہ ہو پایا تھا، اس ماہ شامل اشاعت ہے، آپ کی رائے ہمارے لئے بے حد اہم ہوتی ہے اس لئے آگاہ کرتی رہیے گا، آپ کی آمد کا ایک مرتبہ پھر شکریہ۔  
دھم شہوار: کی ای میل لاہور سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

میں نے کبھی کسی ڈائجسٹ میں پہلے شمولیت نہیں کی بس خاموش قاری بنی رہی لیکن اس بار مجھ سے رہا نہ گیا، وجہ سونیا چوہدری کا افسانہ ”خواب نگر کی تلی“ تھا، بہت ہی زبردست افسانہ لکھا پہلی بار آئیں اور آتے ہی دل میں گھر کر گئیں، اس کے بعد ام مریم کا ناول بھی اچھا رہا، ناولٹ میں ”یقین سمندر گمان ساحل“ بھی اچھا تھا، تمام رائٹرز نے خوب لکھا امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی اچھی اچھی کہانیاں پڑھنے کو ملیں گی۔

دشہوار خوش آمدید، حنا کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی مبارک باد سونیا چوہدری کو مل گئی، اگلے ماہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆